

پروفسر افلاک

پروفیسر افلاک جاہ اپنی تجربہ گاہ کی میز پر ایک خط لکھنے میں مصروف تھے۔ ان پر جوش کی حالت اس حد تک طاری تھی کہ ہاتھ پاؤں ہی نہیں، پورا جسم پکپا رہا تھا۔ تجربہ گاہ میں اس وقت ان کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میز پر دوسرے آلات کے ساتھ ان کے سامنے ایک ریڑیو بھی رکھا تھا۔ وہ بار بار ریڑیو کی طرف دیکھتے اور پھر لکھنے میں مصروف ہو جاتے۔ آخر انہوں نے خط مکمل کی، اسے نہ لفٹنے میں بند کیا اور پھر ملازم کو بلانے کے لیے لگخنپی بجائی۔ فوراً ہی تجربہ بگد کا دروازہ کھلا اور ایک ادھیر مر کا آدمی اندر داخل ہوا:

کیا حکم ہے میرے آقا۔ وہ ہمیشہ یہی جملہ لکھنے کا عادی تھا، اس کا جلد سن کر دوسرے لوگوں کو ال دین چڑائی کا جن یاد آ جاتا تھا جو چڑائی درگز جانے پر نمودار ہوتے ہی کرتا تھا، کیا حکم ہے میرے آقا۔ پروفیسر افلاک جاہ کے پاس اس ملازم کو کام کرتے ہوئے ایک عمرہ گزر گی تھا، وہ پروفیسر پر جان پھر کرنے تھا، پروفیسر اس دنیا میں باعثل ایکے تھے، ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، ہیوی بھی نہ جانے کب کی فوت ہو چکی تھی، وہ بھی اپنے ملازم شکور میں کا اس طرح خیال رکھتے جیسے وہ ان کی اولاد ہو، یا ان کا بھائی ہو۔ اس

”ہاں! یہ خط بہت ضروری ہے، اس کے ساتھ ہی اسے عام ڈاک
سے بھیجننا چاہتا ہوں۔“

”بہت بہتر! میں ابھی جا کر اسے پوسٹ کر آتا ہوں۔“

”پہلے اسے جیب میں رکھ لو، مراد طائی اگر راستے میں ملے تو اسے بھی
یہ نہ بنانا کہ خط پوسٹ کرنے جا رہے ہو:“

”جی بہتر!“

”بس اب جاؤ اور جلد وائپس آنے کی گوشش کرو، پھر میں تمہیں
کچھ اور ہدایات دوں گا۔“

”بہت اچھا! شکور دین نے کہا، لفافہ جیب میں احتیاط سے رکھا اور
بغلوں میں ہاتھ دبا کر کمرے سے نکل گیا، بغلوں میں ہاتھ دینے سے اس
کا مطلب یہ تھا کہ لفافہ اس کے بازو کے نیچے دبائیں۔ آج تک پروفیسر
نے اس قدر پہا سار انداز میں اس سے کوئی کام نہیں یا تھا۔“

تجربہ گاہ سے باہر نکل کر وہ سیڑھیاں اتر کر بیردنی چھانک کی طرف
بڑھا، دوسری طرف سے اس نے مراد طائی کو اپنی موڑ سائیکل پر آتے
دیکھا تو اس نے خود کو کچھ اور سیکڑ لیا۔

”کہاں جا رہے ہو شکور دین!“ مراد طائی نے اسے گھوستے ہوئے کہا۔
”مُم... میں ذرا ڈاکٹر کے پاس جا رہا ہوں، مُم...“ مجھے کچھ سردی
محسوں ہو رہی ہے، پروفیسر صاحب کا کہنا ہے کہ یہ موسم میریا کا ہے،
اس لیے میں فوراً ڈاکٹر صاحب سے ملوں۔“

کے علاوہ پروفیسر کا ایک اسٹرنٹ تھا، جو تجربات کے سلے میں ان کی مدد کیا کرتا
تھا۔ عام لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ پروفیسر افلاک جاہ ایک پاگل اور
مجکی آدمی ہے جس نے آج تک کچھ بھی ایجاد نہیں کیا اور بنا پھرتا ہے بائمسان،
عام لوگوں کے ساتھ کچھ خاص لوگ بھی یہی سمجھتے تھے، لیکن پروفیسر
کو ان لوگوں کی ذرا پروا نہیں تھی۔ ان کی تجربہ گاہ شہر سے ذرا ہٹ کر
تھی، وہ رہتے تھی اسی تجربہ گاہ میں تھے۔ یوں وہ بہت دولت مند تھے اور
ان کے پاس بے تھا شہ جاندہ اور تھی۔ ملازم کی آواز سن کر وہ دردaz سے کی
طرف مرڑے اور بوئے:

”مراد طائی کہاں ہے۔ کچھ پتا ہے اس کا؟“ مراد طائی ان کا اسٹرنٹ تھا۔

”محظوظی دیر پہلے شرگئے تھے، کہ رہے تھے، ایک ضروری کام
ہے، ابھی ایک گھنٹے تک آجائیں گا۔“

”بہت خوب! دیکھو! تمہیں ایک کام کرنا ہے..... لیکن کسی کو بھی
اس کی بھنک نہ پڑے۔“

”آپ فکر نہ کریں میرے آقا، ایسا ہی ہو گا۔“

”تو یہ بخط..... اسے یہ طبع میں ڈال آؤ.... شریحد د میں
داخل ہوتے ہی سب سے پہلا جو یہ طبع نظر آئے گا، بس اسی میں
ڈال دینا۔“

”جی بس! اتنا سا کام!“ شکور دین چونکا، کیونکہ اس کام میں بھلا
کی راز داری تھی۔

"ان کا مشورہ بالکل صحیک ہے، تم جلد از جلد ڈاکٹر کے پاس پہنچو۔" مراد طائی نے کہا اور آگے بڑھا، لیکن پھر رک کر بولا:
"پروفیسر تجربہ گاہ میں ہی ہیں۔"
"جی ہاں؟ شکور دین نے کہا۔

"صحیک ہے، میں بھی ان کے پاس جانا ہوں۔" مراد طائی روشن عبور کر کے سیڑھیاں چڑھنے لگا اور شکور دین اپنی سائیکل پر سوار ہو کر جلدی سے پھاٹک سے نکل گیا۔ مراد طائی تجربہ گاہ کے دروازے کے نزدیک پہنچ کر دبے پاؤں آگے بڑھا اور اس نے دروازے سے کان لگا دیے۔ اسے پروفیسر کی اس عادت کا پتا ہوا کہ وہ خود سے باقی کرنے کا عادی ہے۔ اس نے سنا، پروفیسر کہہ رہا تھا:

"آخر میں کامیاب ہو ہی گی، اب میں دنیا کو بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں، میرے ملک کے لوگ جو مجھے پاگل سمجھتے ہیں، محلک اور بیوقوف خیال کرتے ہیں، اب وہ میری عظمت کو سلام کریں گے....."

ان الفاظ کے بعد پروفیسر خاموش ہو گئے، شاید وہ کچھ سوچنے لگے اسے۔ یہ محسوس کر کے مراد طائی نے دروازہ کھولा اور اندر داخل ہوا۔ آواز سن کر پروفیسر مرٹے اور اسے دیکھ کر بولے:
"آؤ مراد، بیٹھو۔"

"شکریہ پروفیسر.... شکور دین کی حالت کافی خراب معلوم ہوتی ہے۔"

کیا مطلب.... کیا ہوا اسے؟ پروفیسر افلاک جاہ نے چونک کر پوچھا،
کیونکہ ابھی ابھی تو وہ اچھا بھلا خط لے کر گیا تھا، وہ گھبرائے اس
یے کہ نہ جانے اسے یہاں سے جاتے ہی کیا ہو گیا ہے۔ دوسری طرف
مراد طائی ان سے بھی زور سے چونکا کیونکہ اسے شکور دین نے بتایا تھا
کہ پروفیسر نے فوراً ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے کہا ہے۔

"کیا آپ نے اسے ڈاکٹر کے پاس جانے کا مشورہ نہیں دیا؟"
"ڈڈ.... ڈاکٹر.... اوه.... ہاں.... وہ کچھ نزلہ زکام کی شکایت
کر رہا تھا....."

مراد طائی حیرت زده رہ گیا، پھر اس نے اٹھتے ہوئے کہا:

"میں دوسرے کمرے میں جا کر اپنا کام ختم کرتا ہوں۔"

"ابھی بات ہے؟ پروفیسر جلدی سے بولے۔

مراد طائی بے بلے بلے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا، اس کے جانے کے چند سیننڈ بعد پروفیسر بھی اپنے کمرے سے نکلے اور انہوں نے بالکوں سے نیچے دیکھا، دوسرے ہی لمحے ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ مراد طائی اپنے کمرے میں جانے کی بجائے بیرونی پھاٹک کی طرف چلا جا رہا تھا، پھر ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ موڑہ سائیکل پر سوار ہوا اور پھاٹک سے نکل کر شہر جانے والی سڑک پر مرٹا گیا۔ پروفیسر بوکھلا گئے، دوڑتے ہوئے فون کے پاس پہنچے اور یسیور اٹھا کر اس پر جمک گئے۔



بھی سائیکل روک کر چلانگ لگانی اور بھاگ کھڑا ہوا، وہ اس طرح بھاگ رہا تھا جیسے موت اس کے پیچے ہوا جو نبی پک ڈنڈی ختم ہوئی، وہ پھر سڑک پر آگیا، سڑک کے دونوں طرف کھیت رہنے، لیکن اگر وہ کھینتوں کا رونخ کرتا تو یہ ریکس سے دور ہو جاتا، وہ تو چاہتا تھا، کسی نہ کسی طرح یہ ریکس تک پہنچ جائے اور وہ خط پوسٹ کر دے۔

اچانک اس نے سامنے سے دو لوگوں کو آتے دیکھا، وہ آپس میں باہم کرتے چلے آرہے ہیں۔ دوڑتے قدموں کی آواز سن کر انہوں نے بھی اس کی طرف دیکھا اور کسی قدر حیران ہو گئے، پھر اس کے پیچے ایک اور آدمی کو دوڑتے دیکھ کر چونکے راتنے میں شکور دین ان تک پہنچ چکا تھا۔

"کیا تم میرے پیچے آنے والے آدمی کو کچھ دیر کے لیے روک سکتے ہو، میں تمہیں دس روپے الفام دوں گا۔"

"لکھنی دیر کے لیے؟ ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"جتنی دیر تک بھی تم روک سکو۔"

"اچھا! ہم گوشش کرتے ہیں، لیکن یہ جکہ کیا ہے؟"

"میں ابھی آکر بتانا ہوں۔ شکور دین نہ کہا۔"

"تو کیا تم داپس بھی آؤ گے؟ ایک لڑکے نے حیران ہو کر کہا۔

لیکن شکور دین اتنی دیر میں دوڑ لگا چکا تھا۔ دونوں حیران

شکور دین تیز تیز پیدل چلا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد سائیکل پہنچ جائے اور خط پوسٹ کر دے۔ نہ جانے کیوں اسے خطرے کا احساس ہو رہا تھا، حالانکہ اس کے آس پاس، آگے پیچے کوئی بھی نہیں تھا۔ ابھی اس نے نصف فاصلہ تک کیا ہو گا کہ اپنے پیچے موڑ سائیکل کی آواز سنی۔ اس نے جو نک کر پیچے دیکھا، ایک نظر میں ہی اس نے دیکھ لیا کہ مراد طائی موڑ سائیکل پر بیٹھا آندھی اور طوفان کی طرح اس کی طرف آرہا ہے، یہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے، وہ سائیکل اس سے زیادہ تیز نہیں چلا سکتا تھا اور مراد طائی چند سینٹی میں اس کے پاس پہنچنے والا تھا، مراد طائی یوں بھی جوان آدمی تھا اور وہ ادھر عمر کا کمزور سا آدمی، اگرچہ اسے مراد طائی سے کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس سے خط پہنچنے آ رہا ہے۔ اگر پروفیسر اسے اس قدر احتیاط کرنے کے لیے نہ کہتے تو شاید اسے یہ احساس نہ ہوتا۔ اچانک اسے باہم ہاتھ ایک پک ڈنڈی نظر آئی۔ ایک خیال بھلی کی طرح اس کے ذہن میں کوندا۔ مراد طائی اس پک ڈنڈی پر موڑ سائیکل نہیں چلا سکتا، اس خیال کا آنا تھا کہ اس نے سائیکل پک ڈنڈی کی طرف موڑ دی، عین اس وقت مراد طائی اس کے نزدیک پہنچ چکا تھا، لیکن وہ جھونک میں آگے نکل گیا، بریک لگا کر داپس پڑا اور پھر موڑ سائیکل سے اتر کر پیدل شکور دین کی طرف بجا گا۔ شکور دین نے سائیکل کو رکھ رکھا تھا اور دیکھا تو اس نے

چیلائگ لگا دی، پھر اس نے درمیان میں پیدا ہونے والے خلا میں سے
نکل جانا چاہا تو اصفت آڑا کے آیا:

"آخر تم لوگ میرا راستہ کیوں روک رہے ہو، امرے وہ میرے
قیمتی لکھڑی چرا لے گی ہے"

"کیا کہا، لکھڑی چرا لے گیا ہے۔ اصف بولا۔
ہاں، مراد طالی گلکا چھاڑ کر چلا یا۔

"اچھا! تم پھر آؤ، تمہارے ساتھ ہم بھی اسے پکڑنے کے لیے
دوڑتے ہیں۔ آفتاب نے کہا اور تینوں اوپنیزٹ عمر آدمی کے پیچے چھاکنے
لگ، لیکن اتنی دیر میں شکور دین کافی آگے سڑک کے موڑ تک جا چکا
بھتا۔ سڑک کا موڑ مرڑتے ہی وہ ان کی نفلوں سے ادھل ہو گی:
اوپنیزڈوڑو، کسی دہ نکل نہ جائے۔ مراد طالی چلا یا۔

انہوں نے رفتار پڑھا دی۔ موڑ مرڑتے ہی انہیں دہ نظر آگی،
لیکن یہ دیکھ کر آفتاب اور اصف حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے کہ اب
وہ بھاگ نہیں رہا تھا، لیکن ایک جگہ کھڑا ہاپ رہا تھا۔

ہی ہوتے رہ گئے۔
"بار اصف! اس کمزور آدمی کی مدد کرنی چاہیے۔.... دوسرے آدمی
کو کچھ دیر کے لیے روک بھی لینا چاہیے۔
اور اگر وہ کمزور آدمی اُس نوجوان کی کوئی چیز چرا کر بھاگ رہا ہو
تو... اس صورت میں ہماری مدد کس حد تک مناسب ہو گی تا اصف
نے کہا۔

"اگر وہ کچھ جدا کر بھاگ رہا ہے تو پھر اس نوجوان کی خاطر
ہم اس کے پیچے دوڑ لگا دیں گے اور وہ چیز اس سے لے کر
نوجوان کو دے دیں گے، پھر اس کمزور کو قانون کے حوالے بھی کروں گے۔
چلو منفلو، تم بھی کیا یاد کر دے گے، کس رئیس سے پالا پڑا تھا۔

اصف نے کہا۔
"پالا کہاں، یہ تو گرمی پڑ رہی ہے؟ آفتاب نے منہ بنایا اور
جلدی سے سڑک کے درمیان میں آکھڑا ہوا۔ اصف نے بھی یہی کیا،
یکونکر نوجوان قریب آگی تھا، لیکن ان دونوں کے راستہ روک لینے کی
جگہ سے اسے اپنی رفتار آہستہ کرنا پڑی۔

"ہٹ مبارے راستے سے دہ چلا یا۔
بات کیا ہے، تم اس کمزور سے آدمی کا بیچا کیوں کر رہے ہو؟
آفتاب نے بھی چلا کر کہا۔ مراد طالی جھلا اٹھا، اس نے پہلے دامیں طرف
سے نکل جانا چاہا، لیکن آفتاب نے بھی اس کے ساتھ ہی ادھر

خط و پرہیز اسے

ڈی ایس پی سلطان محمود راجہ کامنے بن گیا۔ پروفیسر افلاک جاہ کو وہ بالکل
اور سلطان محمود راجہ کامنے بن گیا۔ پروفیسر افلاک جاہ کو وہ بالکل
پاگل خیال کرتا تھا اور ہمیشہ اس کا فون آنے پر تعجبلا جاتا تھا۔
جی ہاں پروفیسر صاحب! یہ میں ہی ہوں۔
تو سنے! میں سخت خطرے میں ہوں، فورا چنچے۔
آپ تو کس سے خطرہ ہے؟ پروفیسر کی نئی بات سن کر بھی سلطان
محمود کے کان پر جوں تک نہ رہی۔
میں اپنی جان کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ میری موت تک اور قوم
کے لیے بہت بڑا نقصان ثابت ہوگی، اگر آپ نہ چنچے تو شاید
آپ بھی ساری عمر افسوس کریں۔
عجلًا میں کیوں افسوس کروں گا، آپ کو ضرر دہم ہوا ہے، کیا آپ
نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو آپ کی جان لینا چاہتے ہیں؟
نتیں؛ لیکن وہ چنچے ہی دالے ہیں۔
آخر کوئی کیوں آپ کی جان لے گا۔
یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا، ابھی کسی کو بھی نہیں بتا دیا گا۔ یہ
ایک بہت بڑا راز ہے، اتنا بڑا کہ تک کے صاحبِ اقتدار لوگ جب
انھیں سینے گئے تو ان کی انکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور اس وقت مجھے
جو رقم دیا جائے گا، اس کے بارے میں آپ بھی سچھ نہیں سکتے۔

سلطان محمود کام چور دافع ہوا تھا، اس وہ چاہتا تھا،
ہر کسی میز پر بیٹھے بیٹھے مل کر لے اور موسم گرم میں تو اپنے
وفرہ سے نکلن اس کے لیے موت تھا۔ اچانک اس کے فون کی گھنٹی^{ڈیکھنا}، چند سیکنڈ تک وہ فون کو لکھا جانے والی نظرؤں سے دیکھتا رہا،
اس وقت اگر فون کا موجہ اس کے سامنے آ جاتا تو شاید وہ اسے
کپی چبا ڈالتا، فون کی گھنٹی سے وہ بہت چڑتا تھا، لیکن مرتا گیا نہ
کرتا، رسیور تو اٹھانا ہی پڑتا،
سیلو! وہ وھاڑتا۔ اس کے قد و قامت کی طرح اس کی آداز بھی
بہت گھن گرج دالی تھی۔

”بہت بہتر میں آ رہا ہوں“ سلطان محمود نے برا سامنہ بنا کر کہا اور پیسوں رکھ دیا، لیکن پھر مانگ پڑھنے کی گوشش کرنے لگا، پھر اسے خیال آیا، موٹا پے کی وجہ سے وہ مانگ پڑھنگ تو رکھ ہی نہیں سکتا۔۔۔ چنانچہ اس نے اپنا سر کر سی کی لپشت سے لگا دیا اور بڑھایا:

”احمق پر و فیسر.... بھلا اس بے وقوف کو کون جان سے مارے گا اور کیوں مارے گا، حکومت کی نظروں میں اس کا کچھ بھی تو مقام نہیں۔۔۔“

پھر اس نے گھنٹی بجا کر ایک کافٹیل کو جایا اور بولا:

”دنیخو! مجھے نیند اڑھی ہے، اگر کوئی شخص روپرٹ درج کرنے آئے تو اسے باہر سے ہی ٹرغا دینا، اگر کوئی مجھ تک پہنچ گیا تو بتھاری یخز نہیں۔“

”بہت بہتر جناب! اس نے گھبرا کر کہا اور باہر چلا گیا۔ سلطان محمود نے آنکھیں بند کر لیں، لیکن ابھی دس منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ ایک بار پھر گھنٹی بھی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں، فون کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور بڑھایا۔

”صحت ہے۔ پھر پیسوں ایٹا کر کان سے لگا یا۔

”ہیلو! وہ اسی انداز میں دھاڑا۔“

”تو ابھی تک آپ روانہ نہیں ہوئے، میرا بھی یہی خیال تھا کہ آپ

تجھوٹ موت کا وعدہ کر رہے ہیں، خیر، میں اپنی میز پر یہ لکھ کر رکھ رہا ہوں کہ میں نے اپنی جان کا خطہ محسوس کرتے ہوئے دو مرتبہ ڈی ایس پی سلطان محمود کو فون کر کے مدد کے لیے لایا، لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔۔۔ اور سن لیں سلطان محمود صاحب! اگر مجھے کچھ ہو گی تو آپ کو یعنے کے دیتے پڑ جائیں گے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گی۔ سلطان محمود نے اس بار بھی منہ بنا کر پیسوں رکھ دیا اور آنکھیں بند کرتے ہوئے بولا:

”میں جانتا ہوں، بتھاری بے کار سی جان کو سرے سے کوئی خطرہ نہیں۔۔۔ اندر سے بند کیا اور پھر تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کرنے لگے۔۔۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے بالکوئی سے نیچے دیکھا، در سے انہیں ایک موڑ سائیکل آتے دکھائی دی۔ وہ بڑھایے۔

مجھے تم پر بہت دونوں سے شک تھا مراد۔۔۔ لیکن میں یہی خیال کرتا رہا کہ مجھے دہم ہو گیا ہے اور تم مخلص آدمی ہو۔۔۔ لیکن آج یہ بات ثابت ہو گئی کہ تم مخلص نہیں ہے۔۔۔ تم۔۔۔ تم اس سے آگئے وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ موڑ سائیکل پھاٹک تک ۲ گئی تھی۔



معلوم ہوتا ہے، دوڑتے دوڑتے رجھک گیا ہے؟ آصف نے کہا۔
ہاں! بڑی طرح ہات پ رہا ہے، سڑک کے کنارے لگے یمنہ بکس
سے میلے گئے کھڑا ہے؟ آفتاب بولا۔
مجھے یہ شخص چور نظر نہیں آتا، اگر یہ چور ہوتا تو اس طرح
کبھی نہ رکتی۔

” یہ عادی چور نہیں ہے...“ مراد طائی نے بھٹاک کر کہا۔
” خیرا بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کس قسم کا چور ہے۔
وہ اس کے نزدیک پہنچ کر رک گئے۔

” پڑے میاں! تمہارے کھنے پر ہم نے ان صاحب کو روک لیا
ہتا، لیکن ان کا کہنا ہے کہ تم چور ہوئے۔
” یہ غلط ہے، میں چور نہیں ہوں! شکور دین نے کہا۔
” لیکن ان کا کہنا ہے کہ تم ان کی گھر بڑی نے کر بھاگے ہوئے۔
” تو پھر میری تلاشی لے لیں! شکور دین نے کہا۔

” بات تو عیّل ہے.... ہو سکتا ہے، مجھے وہم ہو گیا ہوئے۔“
مراد طائی نے زم لجھے میں کہا اور آگے بڑھ کر شکور دین کی تلاشی لیئے
لگا۔ اچھی طرح تلاشی لیئے کے بعد کچھ نہ ملا تو مراد طائی کی مالیوں کی حد
نہ رہی۔ آخر اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا:

” مجھے افسوس ہے، میں یہی سمجھا تھا کہ تم میری گھر بڑی چرا کر بھاگے ہوئے
یہ سختے ہی مراد طائی تیرزی سے مردا اور داپس اس طرف پل پڑا۔

بھول اس نے اپنی موڑ سائکل چھوڑی تھی۔

” میں تم درنوں کا شکر گزار ہوں۔“ شکور دین نے اس کے جانے
کے بعد کہا۔

” عجیب بات ہے؟ آصف نے اسے گھوڑا۔

” کیا عجیب بات ہے؟“ شکور دین نے جلدی سے پوچھا۔

” جب تم نے اس کی کوئی چیز چنانچہ نہیں بھتی تو پھر بھاگ کیوں
رہے ملتے...“

” میں ڈر کر بھاگا تھا کہ شاید یہ شخص مجھے کوئی نقصان پہنچانا جائے تا
ہے.... اچھا یہ دس روپے بن کا میں نے وعدہ کیا تھا۔“ شکور دین نے
یہ کہر کر دس روپے کا فوٹ نکال کر ان کی طرف بڑھایا۔

” نہیں شکریہ! ہمیں اس کی صندوقت نہیں، ہم نے اپنا احتلاطی فرمن جان
کر تمہاری مدد کی تھی، لیکن جب اے کہا کہ تم اس کی گھٹری

لے کر بھاگے ہو تو ہم بھی اس کے ساتھ دوڑ پڑے۔
” یقین کر دیں، میں چور نہیں ہوں۔“

” چلو کریا یقین!“ آصف بولا۔

” اچھا خدا حافظا۔“ شکور دین نے کہا اور اس طرف پل پڑا جس
طرف دوسرا آدمی گیا۔

” ارے! یہ کیا، تم بھی اسی طرف جا رہے ہوئے۔“

” ہاں! میں اسی طرف رہتا ہوں۔“

یہ کہہ کر شکور دین تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ آفتاب اور اصف اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

”بات کچھ پلے نہیں پڑی۔“ اصف بڑا بڑا۔

”بات کچھ ہو تو پلے بڑے بھی، سیدھا سادا معاملہ تھا۔“ اس میں پلے پڑنے یا نہ پڑنے والی کوئی بات ہے؟

”میں پھر بھی کہوں گا، اگر یہ بڑے میاں چور نہیں تھے، انہوں نے اس آدمی کی گھری بھیں جرائی تھیں تو انہیں بھاگنے کی کیا ضرورت تھی... کیسیں ایسا تو نہیں...“ اصف کچھ کہتے رک گیا، اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

”کہیں ایسا تو نہیں، کہیں وسا تو نہیں، تمہیں تو اس کی عادت ہے، ہر بات میں کوئی رُنگوئی جکر پیدا کر دینے ہوتا۔“

”سنوا!“ اصف نے کھونے کھونے لبھے میں کہا۔ ”آخر وہ اس جگہ پہنچ کر اچانک رک کیوں گیا تھا؟“

”اس نے جان لیا تھا کہ اب وہ اور نہیں دوڑ سکتا۔“ آفتاب نے منہ بنایا۔

”یہ بات نہیں، یہاں اسے یہ بڑے نظر آگیا تھا۔“

”کیا مطلب؟“ آفتاب زور سے چونکا۔

”مطلب یہ کہ اس نے وہ گھری اس بڑے بند کیوں میں ڈال دی، بچاؤ کا یہی طریقہ تھا، وہ جان گیا تھا کہ جاگ کر وہ پنج نہیں کے گا، بھاگتے

بھاگتے اسے یہ بڑے بند نظر آگی۔ چنانچہ اس نے گھری اس میں ڈال دی۔ ”چلو! میں مانے یہستے ہوں، لیکن اب وہ اپنی گھری کس طرح حاصل کرے گا۔“

”اس بڑے بند سے ڈاک اب بھل سمجھ پانچ بجے نکالی جائے گی، وہ یہاں پانچ بجے سے چند منٹ پہلے آکر گھر اہم جائے گا اور جب محکر ڈاک کا آدمی ڈاک نکالنے آئے گا تو وہ اس سے کہے گا، کل نجیے ایک خط اس بڑے بند سے ڈالنے تھا، لیکن غلطی سے خط کی بجائے گھری ڈال دی، چنانچہ محکر ڈاک دلا اسے گھری دے دے گا：“

”اوہ!“ آفتاب کے منہ سے نکلا، پھر اس نے کہا: ”اگر یہ بات ہے تو ہم پانچ بجے یہاں آئیں گے۔“

”بالکل صحیح! میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“ اصف نے کہا۔ ”آداب چلیں۔“



مراد طالی مورٹر سائیکل سے اتر، چانک بند دیکھ کر اس نے بلند آواز میں کہا:

”پروفیسر صاحب! آپ نے چانک کیوں بند کر دیا ہے؟“

”بھی تم تو اپنے کمرے میں کام ختم کرنے لگئے تھے، باہر کے پہنچ گئے۔“

”مجھے ایک کام یاد آگیا تھا۔“ اس نے کہا۔

”خیر! تو میں تمہیں تین دن کی چھٹی دیتا ہوں۔ ان تین دنوں میں میں کہیں پرستاشے کے لیے جانا چاہتا ہوں، لہذا تم بھی اپنے گھر ہو آؤ۔“
”تو مجھے اپنا سامان تو لے لینے دیں مراد طالی نے کہا۔
”بھی سامان کی کیا ضرورت ہے.... اچھا بھڑو، میں تمہارا سامان پہنچے پہنچنک دیتا ہوں۔“

”خیر! رہنے دیجئے.... سامان۔“ یہ کہہ کر مراد طالی پڑا اور موڑ سائکل پر بیٹھا کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف سے اس نے سائکل پر شکور دین کو آتے دیکھا، لیکن کوئی توجہ نہ دی۔ شہری حدود میں پہنچ کر اس نے داؤں کی ایک دکان سے کسی کو فون کی اور واپس پہنچا۔ اب وہ پھر پروفیسر افلاک جاہ کی تجربہ گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ تجربہ گاہ سے کچھ فاصلے پر رک کر اس نے موڑ سائکل ایک درخت کے ساتھ لگا کر کھڑی کر دی اور اس کا خانہ کھول کر اس میں سے زبردست کالا۔ تجربہ گاہ کے قریب پہنچ کر وہ تاروں کے پول پر چھڑھ گی اور ٹیکلیفون کے تار کاٹ دیے، اس کے بعد دیوار کے ساتھ لگ کر کسی کا انتظار کرنے لگا۔

سوندھ غروب ہو چلا تھا اور شام کی تاریکی پھیل رہی تھی۔ اپنیک اس نے ایک کار آتے دیکھی۔ کار تجربہ گاہ کے قریب آ کر رک گئی، مراد طالی تیزی سے اٹھا اور کار کی طرف بڑھا:

”ہیلو مراد! کیا رپورٹ ہے؟“

”پروفیسر نے تمام دروازے بند کر لیے ہیں، معلوم ہوتا

ہے، اس نے اپنا کام کمل کر لی اور اس میں کامیابی بھی حاصل کر لی ہے..... جہاں تک میرا خیال ہے، اس نے کسی کو خط کے ذریعے اس کامیابی کی اطلاع بھی دی ہے، میں نے وہ خط حاصل کرنے کی پوری گوشش کی تھی، لیکن چوک ہو گئی، لیکن خیز وہ خط ہم اب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔۔۔ پہلے تو ان لوگوں سے بہٹ یا جائے۔۔۔ میں نے فون کے تار کاٹ دیے ہیں۔“

”یہ تم نے بہت اچھا کیا، تمہیں اسی لیے پروفیسر کی ماتحتی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا، بہت عرصہ پہلے ان کا ایک مصنفوں ایک رسائے میں پہنچا تھا، اس دن سے ہم نے ضرورت محسوس کی تھی کہ ایک آدمی ہر وقت پروفیسر کے آس پاس رہنا چاہیے۔۔۔“

”آپ اندر پہنچنے کا سامان لے آئے ہیں؟“
”ہاں ہے آئنے والے نے کہا۔

”بہت خوب! تو پھر آئیے میرے ساتھ۔۔۔ اور وہ سامان مجھے دے دیجئے: مراد طالی نے کہا۔

سامان نکال کر دونوں تجربہ گاہ کی طرف بڑھے۔ چھانگ پر چڑھ کر دیوار چلانگتا کوئی مشکل کام نہیں تھا، دونوں اندر پہنچ گئے، مراد طالی رے سے میں بندھے آنکھے کو لگمانے لگا، اس رے کے ساتھ مکڑی کی ریڑھی بندھی ہوئی تھی۔

بھی موڑ سائیکل سے اترنا پڑا، سامنے سے دو لڑکے آ رہے تھے،
وہ نے ان سے مدد کی درخواست کی اُنہوں نے مراد طانی کو روکنے
لی گوشش کی، اس طرح مجھے عجوڑا سا وقت مل گیا اور میں بیڑکبی
کرنے پہنچ گی۔ ادھر مراد نے ان رُذکوں سے یہ کہا کہ میں نے اک

لگھڑی جرہی ہے، اچانکہ وہ دونوں ہی میرے پیچے بھاگ
ہو رہے ہے، لیکن خط پوسٹ کرنے کے بعد مجھے بھانگنے کی
زورت نہیں تھی، لہذا میں رُک گی، مراد نے میری تلاشی لی اور
میں اپنے ادھر آگئی، لیکن وہ اب بھر کہاں گیا ہے۔

وہ سور کا بچھ غدار ہے، کافی دلوں سے میں نے یہ بھسوں
تباہ شروع کر دیا تھا، لیکن میں یہ بھی خیال کرتا رہا کہ مجھے دہم
و گیا ہے، اس وجہ سے اسے نکال نہیں سکا، اس کا اس طرح
موشی سے واپس چلے جانا خطرے کی گفتگی ہے، شاید وہ جلد واپس

کھوں دیا:

”فوراً اندر آ جاؤ۔ ایسا نہ ہو، مراد طانی آ جائے۔“

شکور دین نے بھرتی کا مقابلہ کیا۔ اندر آنے کے فوراً بعد میں اس کے واپس آنے سے پہلے اپنی حفاظت کا کوتے

چالک بند کر دیا۔ بھر دونوں ادپر آئے اور تجربہ گاہ کے اندر داخل مدبست کر لینا چاہیے۔ پروفیسر کتنے چلے گئے۔

”آپ پویس کو کیوں نہیں بلائیتے؟“

”پویس مجھے پاگل اور بے وقوف خیال کرتی ہے، وہ دی ایس پی
ہو کر اس کا دروازہ بھی بند کر لیا۔“

”تم نے وہ خط پوسٹ کیا یا نہیں؟“

”جی ہاں میرے آقا، پوسٹ کر چکا ہوں... مراد طانی نے بچہ میری کوئی بات سنبھال گئی سے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔۔۔“

”مجھے پکڑ لینا چاہا تھا، میں ایک پکڑنڈی پر ملا گیا، اس طرح اسے حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

موت قبول ہے

پروفیسر ا فلاک جاہ نے مراد طانی کو جاتے دیکھا تو اٹھیاں کا سانس
پی، لیکن بھر یہ سوچ کر پیشان ہو گئے کہ شبانے شکور دین کہاں رہ
گی، اس نے خط پوسٹ کیا یا نہیں۔ اُنہوں نے بالکل میں کھڑے
ہو کر ادھر ادھر نظریں گھماہیں۔ دور سے اُنہیں ایک آدمی سائکل پر
آتا نظر آیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ شکور دین ہی ہے، جلدی سے بیچے
اُتر آئے اور جو ہنسی شکور دین اندر داخل ہوا۔ اُنہوں نے بچالک
کھوں دیا:

”فوراً اندر آ جاؤ۔ ایسا نہ ہو، مراد طانی آ جائے۔“

شکور دین نے بھرتی کا مقابلہ کیا۔ اندر آنے کے فوراً بعد میں اس کے واپس آنے سے پہلے اپنی حفاظت کا کوتے

چالک بند کر دیا۔ بھر دونوں ادپر آئے اور تجربہ گاہ کے اندر داخل مدبست کر لینا چاہیے۔ پروفیسر کتنے چلے گئے۔

”آپ پویس کو کیوں نہیں بلائیتے؟“

”پویس مجھے پاگل اور بے وقوف خیال کرتی ہے، وہ دی ایس پی
ہو کر اس کا دروازہ بھی بند کر لیا۔“

”تم نے وہ خط پوسٹ کیا یا نہیں؟“

”جی ہاں میرے آقا، پوسٹ کر چکا ہوں... مراد طانی نے بچہ میری کوئی بات سنبھال گئی سے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔۔۔“

”مجھے پکڑ لینا چاہا تھا، میں ایک پکڑنڈی پر ملا گیا، اس طرح اسے حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔“

”آپ کسی اور آفیسر کو فون کر لیں۔“

”سب کا میرے بارے میں ایک جیسا ہی خیال ہے، کوئی فوج ناٹر کروں گا، یہری انگلی ٹریگر پر دباؤ کس طرح ڈالے گی۔“
”نہیں آئے گا۔ پروفیسر افلک جاہ کے بھے میں حضرت بختی۔“

”لیکن ایک شخص ایسا ہے جو آپ کی مدد کر سکتا ہے۔“ شم نجیے بھی پستول چلانا نہیں آتا، لیکن میرے آقا۔۔۔ آپ فخر
ذکریں، یہری زندگی میں وہ آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔“
”دین نے پڑھیاں بھے میں کہا۔“

”اور وہ کون ہے؟“ پروفیسر نے جلدی سے پوچھا

”ان پکڑ کامران مرزا! وہ بہت عقل مند آدمی ہیں، آپ کی
سماز میں کہا۔“

”کر رہ نہیں کریں گے۔“

”اوہ! تمہارا خیال ٹھیک ہے، ٹھہرہ، میں ان کے نمبر دیکھ دیے، ایک کھڑکی ذرا سی کھول کر انہوں نے باہر چاہنا کا۔ بالکل میں
فون کرتا ہوں۔“

پروفیسر افلک جاہ نے جلدی جلدی ڈائرکٹری میں نمبر دیکھے اور میں ایک آنکھا بالکل میں بھنا نظر آیا۔ دونوں بوکھلا اٹھئے:
”شکور دین!“ میں اس آنکھے کو نیچے پھینک دینا چاہیے۔“ پروفیسر
پھر ریسور اٹھا کر کان سے لگایا تاکہ نمبر ڈائل کریں، لیکن دوسرا۔“

”لے دہ چونک اٹھے۔ ان کا رنگ یک دم اڑا گیا۔“

”شکور دین! اس نے ٹیلیفون کے تار کاٹ دیے ہیں۔“

”اوہ! اب کی ہو گا۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں میرے آقا۔“ شکور دین یہ کہہ کر تجوہ پر گاہ کے
وارزے کی طرف دوڑا۔ چلتی گرا کر دہ باہر نکلا۔ پروفیسر بھی
”ہمیں اس سے مقابلہ کرنا ہو گا، وہ کسی نہ کسی طرح اندر ضرر نکل آئے۔ ان کے قدموں کی آداز نیچے موجود مراد طائی اور اس
پہنچ جائے گا۔“

”آپ کے پاس پستول تو ہے۔“ شکور دین جلدی سے بولایا۔

”ہاں! لیکن میں نے کبھی کسی انسان پر گولی نہیں چلانی، میں کہ پروفیسر اہم تم سے صرف چند باتیں کرنا چاہتے ہیں، نیچے آ
ر زینے کا دردرازہ کھول دو۔“ مراد طائی کے ساتھی نے کہا۔

• باقی تو تم رہا سے بھی کر سکتے ہو ڈپروفیسر افلاک جاہ برو
پھر چونکے ہیں تھم کون ہو ، تمہاری آداز مجھے جانی پہچانی سی کیوں نہ
ہو رہی ہے ؟ یہ کہتے ہوئے ڈپروفیسر نے نیچے جھانک ہی یا ، اگرچہ
تماک کہ کہیں نیچے سے فائزہ کر دیا جائے ۔ دوسرا ہی لئے پڑا
ہو ، تمہاری تجویہ گاہ تمہارے یہے پنجو بن چکی ہے ۔
خوفزدہ انداز میں چلائے :

• میر سانانا..... یہ تم ہو ؟

• تم نے ٹھیک پہچانا ڈپروفیسر ۔ ۔ ۔ اب تو دروازے کھول دو ۔
”اب میں کس طرح دروازہ کھول سکتا ہوں سانانا ، تم میرے
ہترین دشمن ہو ، میرے ملک کے خوفناک دشمن ہو ، مجھے یاد ہے ۔

رسالے میں شائع ہونے والا میرا مضمون پڑھ کر تم میرے پاس
آئے بختے اور مجھ سے ایک سودا کرنا چاہا تھا ، لیکن میں نے ازا
کر دیا تھا ، کیونکہ میں اس ملک میں پیدا ہوا ہوں ، میرے ماں ।

نے بھی اس ملک کے یہے قربانیاں دی ہیں ، میں کوئی ایسی بات
کس طرح قبول کر سکت تھا جس سے ملک کو نقصان پہنچنے کا خطہ ۔
میں نے تمہیں اسی وقت دعویجہ دیا تھا ، اب مراد طائی کو تمہارے

ساتھ دیکھا ہے تو یہ راز مجھ پر کھلا کر تم نے ہی اسے میرے پا
لازمت کرنے کے یہے بھیجا تھا ، تاکہ یہ میری روزمرہ کی کارگزاری
کی روپرث تم ملک پہنچاتا رہے ، کاشش یہ بات مجھے پہلے معلوم ہے
۔ اب بھی کچھ نہیں بگردا ڈپروفیسر ، دروازہ کھول دو ، ہم آپس

بات چیت کے ذریعے معاملات طے کر لیں گے ۔

” یہ ناممکن ہے ڈپروفیسر بولے ۔

” لیکن ہم ہر حال میں اور پہنچ جائیں گے ، فون کے تارکاٹ
دیے گئے ہیں ، اب تم اس تجویہ گاہ میں ایک چڑیا کی طرح بے بس
ہو ، تمہاری تجویہ گاہ تمہارے یہے پنجو بن چکی ہے ۔

” دیکھا جائے گا ، جو تم چاہتے ہو ، وہ پھر بھی نہیں ہو گا ۔

” تم نے اپنے طازم کے ذریعے کیا پیزز بھیجی تھی ؟

” میں نہیں بتا سکتا ڈپروفیسر نے نک کر کہا ۔

” لیکن ہم جانتے ہیں ، وہ ایک خط تھا ۔ ۔ ۔ ”

” جلوی ہی سی ۔ ۔ ۔ اب وہ خط لیٹر بجس میں ڈالا جا چکا ہے اور تم
یہ بھی نہیں جانتے کہ میں نے خط کے پوسٹ کیا ہے ڈپروفیسر افلاک
جاہ بنتے ۔

” مراد طائی ، یہ اس طرح نہیں مانے گا ، ہمیں اور جانا ہی ہو گا ،
آنکڑہ بھینکو ، جو ہمی آنکڑہ اٹکے ، ہم دونوں اس سے نک جائیں گے ،
اس صورت میں یہ آنکڑے کو اٹھا نہیں سکیں گے : سانانا نے کہا ۔

” ترکیب اچھی ہے ” مراد طائی نے کہا اور گھما کر آنکڑہ بھینکا ،
لیکن وہ اس مرتبہ اٹکا نہیں ، اس نے پھر گوشش کی اور آنکڑہ جالی
میں پھنس گی ، ڈپروفیسر افلاک جاہ اور شکر دین ایک دم اس پر حصے ،
لیکن اس سے پہنچ کر وہ اسے اکھاڑ سکتے ، مراد طائی اور سانانا سے

کی میر حسی سے لک پکے بختے۔ یہ دیکھو کہ شکور دین چلا ایٹھا:

"ماں! اب ان پر فائز کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، ورنہ یہ ہمیں مار ڈالیں گے:

"تم بھیک کرتے ہو... ملٹری میں پستول لانا ہوں۔"

یہ کہ کہ پر دفیر افلک اندر دھڑے۔ ادھر مراد طائی جلدی ملٹری پر چڑھنے لگا۔ یہ دیکھو کہ شکور دین کے باختہ یادوں پھول گئے۔ وہ چلایا:

"آقا جلدی کچھی، یہ اوپر پہنچنے ہی والا ہے"

پر دفیر فوراً واپس پلٹ آئے، ان کا چہرہ وحشیان ہو رہا تھا۔ باختہ میں پستول بھی نہیں تھا:

"کی ہوا میسکر آقا، آپ پستول نہیں لائے۔ اس نے مرزا آداز میں کما۔"

"پپ... پستول میز کی دراز میں نہیں ہے شکور دین... شاید اسے مراد پہنچے ہی ادا چکا ہے۔"

"اوہ! شکور دین کے منہ سے نکلا، پھر وہ پک کر تجربہ گاہ میں گی اور کسی ایسی چیز کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دھڑائیں جو مراد کے سر پر دے ماری جائے، لیکن تجربہ گاہ میں ایسی کوئی چیز نظر ہمیں آئی، ماہوس ہو کر وہ پیٹا تو بالکونی کے سرے پر اُسے مراد طائی کا سر نظر آیا۔ اس کے چہرے پر ایک دھنیانہ مسکراہٹ نباچ رہی تھی۔"

پر دفیر افلک اور شکور دین کے چہرے بالکل سفیدہ پڑ گئے۔ سانس ان کے سینتوں میں اٹکنے لگے۔ دل دھکڑا دھکڑ کرنے لگے۔



مراد طائی کے بعد سانٹنا بھی اوپر آگیا۔ اس نے سرد آداز میں کہا۔ "اوہ پر دفیر! تجربہ گاہ میں... امیتیں سے بیٹھ کر باتیں کریں گے: "سانٹنا! میں جانتا ہوں، تم کیا چاہتے، لیکن جو تم چاہتے ہو، وہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"مراد طائی کا کہتا ہے کہ تم اپنا کام مکمل کر جکے ہو۔" سانٹنا نے اپنی خوفناک آنکھیں پر دفیر کے چہرے پر جما دیں۔

"نہیں! ابھی میں ناکامی کے دور سے گزر رہا ہوں۔"

"غلط! مراد طائی نے تمہیں خود سے باتیں کرتے اکثر تباہے۔ اور آج بھی تباہے، لہذا تمہارے یہے بہتری ہی ہے کہ پچ پچ بتا دو۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے، ہم تمہیں زندہ چھوڑ دیں۔"

"یہ نہیں ہو گا، میں کہ چکا ہوں۔" پر دفیر بولے۔

سانٹنا کامنہ غصے سے تن گی۔ وہ اور مراد طائی دونوں کو دھکیلتے ہوئے تجربہ گاہ میں لائے اور دروازہ اندر سے بند کر دیا، فوراً چاقو کھنتے کی کوڑاہٹ کرے میں گوئچہ اٹھی۔ پر دفیر اور شکور دین کے جسموں میں عفر عفری دوڑ گئی۔

” بتاؤ پر و فیسر! وہ کیا چیز ہے جو تم نے ایجاد کی ہے، ہم اس طب
ہے، اس ایجاد کی شکل صورت کیا ہے، یہ تو میں جانتا ہوں کہ ایجاد
کیا ہے؟ ”

” کاش میرے ملک کی پویں فرمیں سن سس ہوتی، میں اس ملک کے
یہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں، یہاں تک کہ جان بھی دینے سے
نہیں ہجکیا دیں گا، لیکن یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اسکی ملک کی
پویں میرے فون کرنے کے باوجود بھی نہیں آئی... کچھ بھی ہو،
سرسری سانٹا، یہ چیز ایسی نہیں، جو میں تمہارے حوالے کر دوں، اذل
تو یہ میری برسوں کی محنت کا پیخواڑا ہے، دوسرے یہ ملک اور قوم
کی امانت ہے، اب تم ہی بتاؤ۔ میں اس امانت میں خیانت کس
طرح کر دوں، میں نہ تو سوچا تھا، ملک کے سربراہ اور دوسرے
بڑے بڑے لوگ میری تجربہ کاہ میں آئیں گے اور جب میں انہیں
بتاؤں گا کہ میں نے کیا کام کی ہے تو ان لوگوں کی نظری شرم سے
چک جائیں گی جو مجھے پاگل اور جھکنی خیال کرتے ہیں، پھر پرے ملک
میں مجھے احترام کی نظر سے دیکھا جائے گا، لیکن شاید ایسا دن دیکھتا
میری صفت میں نہیں تھا: یہ کہتے ہوئے پر و فیسر کی آواز چھرا گئی۔

” مراد طائی، پر و فیسر کو گولن سے پکڑا لو، اس کا گھلا گھوننا شروع
کر دو اور جب تک یہ نہ بتا دے، گھلانہ چھوڑو، تم دیکھنا یہ کس
طرح فرفر بولے گا۔ ”

بہت اچھا بس! مراد طائی نے کہا اور آگے بڑھا۔ پر و فیسر خرچہ
کا نہیں لے گے، لیکن اچانک شکور دن ان کے سامنے آگیا، اس نے
عشری ہونی آداز میں کہا:

” یہ میرے آقا ہیں، میں نے ان کا نک کھایا ہے، میں یہ نہیں
دیکھ سکتا کہ میرے سامنے ان پر ہاتھ اٹھایا جائے.... تم پہلے میرا گلا
گھونٹ دو۔ ”

یہ کہتے ہی شکور دن مراد طائی کی طرف جھپٹ پڑا۔ اس نے
سر کی ایک نزد دار ٹکر اس کے پیٹ میں رسید کی۔ مراد طائی پہلے
تو لاکھڑا یا، پھر سنجھل گیا اور غصب ناک ہو کر شکور دن کو بازو سے
پکڑ کر ایک بھٹکا دیا۔ وہ اس کے قدموں میں آگرا، اب مراد طائی
اس کے سینے پر چڑھ گی اور اس کے گلے پر دونوں ہاتھ رکھ کر دباد
ٹالنے لگا۔ چند لمحے تک تو شکور دن خود کو چھڑاتے کے لیے جدوجہد
کرتا رہا، لیکن پھر اس نے ہاتھ پر ڈھیلے چھوڑ دیے، بھنسی بھنسی آواز
اس کے حق سے نکلی:

” آقا میں چلا، میں تم پر نثار ہو رہا ہوں، اس کا افسوس ہے
کہ میں تھیں ان درندوں سے بچا نہیں سکا..... خدا..... جا.... جا.... ”
شکور دن خدا حافظ کا لفظ مکمل افادہ کر سکا، اس کی انکھیں باہر کو
ابل آئیں، سر ایک طرف کو ڈھک گیا اور جب مراد طائی اس کے سینے
پر سے اٹھا تو زبان بھی باہر نکل آئی تھی۔

کرے میں چند لمحے تک موت کی خاموشی طاری رہی، بچھر سانانا نے کہا:
”اب تم کیا کہتے ہو پروفیسر؟“

”تم نے شکور دین کو مار ڈالا، ظالمو... اس جیسا ملازم بہت کم لوگوں کو نصیر ہوتا ہے، میں اس کے بغیر اب جی کیا کر دیں گا، آدم، مجھے بھی مار ڈالو، شکور دین... میں بھی تمہارے پیچھے آ رہا ہوں... ہم... ہم عالم بالا میں بھی ایک ساخت رہیں گے اور دہاں ہیں کوئی جدا نہیں کر سکے گا۔“
پروفیسر افلاک جاہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ سانانا مراد طالی کی طرف مڑا:

”مراد بیہ نہیں بتاتے گا، لیکن اگر ہم نے اسے زندہ چھوڑ دیا تو یہ اپنے ملک اور قوم فالوں کو ضرور بتا دے گا، لہذا اسے ختم کر دینا ہی بہتر ہے گا اور اس کے بعد تم اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر یہ معلوم کرنے کی گوشش کر سکتے ہو کہ ایجاد کس صورت شکل میں ہے：“
”بہت بہتر باس! جو تمہاری مرضی، مراد طالی نے خوفناک انداز میں کہا اور پروفیسر کی طرف بڑھنے لگا۔ پروفیسر افلاک جاہ نے طنز بھری نظر دی سے اسے اور سانانا کو دیکھا اور بولے:

”تم کبھی زندگی کو گے... میری موت تمہاری شکست ثابت ہو گی۔“
مراد طالی ان کے عین سر پر پیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ ان کے گلے کی طرف بڑھنے لگے۔

خطوط میں گھڑی

آنتاب کی آنکھ ٹھیک چار بجے کھل گئی۔ اس نے دیکھا آصف گھری
پیند کے ہر سے لے رہا تھا۔ اس نے اسے جھنجھٹ ڈالا۔ آصف کی آنکھوں
میں غصے کے آثار نمودار ہو گئے:
”کیا مصیبت آگئی ہے؟“

”کیا یہر بکس کے پاس نہیں چلو گے، ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ
وہ بوڑھا واقعی چور بھا یا نہیں：“

”ارسے ہاں! اسے تو میں بھجوں ہی گی، لیکن یار اتنے صبح سویرے
ہم گھر سے نکلیں گے کیسے.... انکل کو اگر پتا جل گیا تو کیا جواب
دیں گے؟“

”بعنی کھڑکی کے ذریعے چلیں گے اور اسی راستے سے واپس آ
جائیں گے: آنتاب نے کہا۔

”ٹھیک ہے: آصف اٹھتے ہوئے بولا۔
دولوں نے جلدی بس تبدیل کی اور کھڑکی کھوں کر باہر نکل
گئے۔ گرمی کے دن سچے اور صبح سویرے بہت پیاری ہوا چل رہی

عشقی۔ فرحت بخش ہوا کے جھونکوں سے لطف اندازہ ہوتے ہوتے آصف نے کہا:

"بذریم تو بے وقت ہیں، شام کی سیر کی بجائے صبح کی سیر ہیں

زیادہ مزا ہے۔"

"مجھی! صبح اٹھ کر ہنانا دھونا، نماز پڑھنا اور پھر سکول کی تیاری

کرنا، اتنے بہت سے کام ہوتے ہیں، ان کا مول میں اگر صبح کی سیر شامل کر لی جائے تو شاید ہم سکول سے بیٹھ ہو جایا کریں گے:

"یہ ضروری نہیں! ہم وقت کا خاص خیال رکھیں گے۔"

خیر دیکھا جائے گا، نبی الحال تو ہمیں اس پیر بھس تک پہنچا ہے۔

"اور وہ یہاں سے کافی دور ہے، لہذا آؤ، اپنی سائیکلوں پر چلتے ہیں

سائیکلوں پر سفر کرتے ہوئے وہ پانچ نجی سے کچھ پہنچے ہی پیر بھس کے قریب پہنچے گے۔ سائیکلیں اہمول تے کافی فاصلے پر روک لیں اور انہیں

سرٹک سے نیچے ایک درخت کے ساتھ کھڑا کر کے درختوں کی اوٹ لیتے

ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اچانک ان کے قدم رک گئے۔ ایک درخت کے

پیچے کوئی کھڑا تھا، لیکن چونکہ ابھی دن کا اجلا مکمل طور پر نہیں پہنچا، اس یے وہ یہ زدیکھ سکے کہ یہ وہی محل دالا بودھا ہے یا کوئی

اور تاہم اسے دیکھ کر وہ دونوں بھی درخت کے پیچے چھپ کر کھڑے ہو گئے اور استظار کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ اب انہیں پانچ نجی تک

استظار کرنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا، باقیں بھی نہیں نہ کر سکتے تھے،

آصف اور آصف نے ایک دوسرے کی طرف یہر تزوہ انداز میں

اواز اس آدمی کے کافنوں تک پہنچ سکتی تھی۔ اور پھر انہوں نے سڑک پر ایک سائیکل سوار کو آتے دیکھا۔ سوار پیر بھس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس نے سائیکل کھڑی کی اور پیر بھس پر جمک گیا۔ چند لکینڈ جھکا رہا، وہ تالا کھوں رہا تھا۔ عین اسی وقت انہوں نے درخت کے پیچے پہنچے ہوئے آدمی کو اپنی جگہ سے بہت کر کر حکمہ ڈاک کے آدمی کی بڑھتے دیکھا۔ اب ان دونوں نے بھی کھکنا شروع کر دیا۔ اچانک ان کی ہنکھیں حرمت سے بھیل گئیں۔ انہوں نے اسے پہچان یا تھا، وہ ادھیر عمر آدمی نہیں تھا جس پر کھڑی کی چوری کا الزام لگایا گیا تھا، بلکہ دوسرا تھا جس نے ازام لگایا تھا۔ انہیں اس کے یہاں موجود ہونے کی امید تو ہرگز نہیں تھی۔ ابھی وہ حیران ہی ہو رہے تھے کہ انہوں نے اچانک اس کا ہاتھ ادپر اٹھتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ دوسرے ہی لمحے اس کا ہاتھ تیزی سے نیچے گرا، ایک پیچھے فضا میں گونجی اور حکمہ ڈاک کا آدمی دھرم سے نیچے گرا۔ اس کے ساتھ ہی خطوط کا تھیڈ انہیں اس آدمی کے ہاتھ میں نظر آیا۔ مجھے کا آدمی اتنی دیر میں پیر بھس سے خط نکال کر تھیں میں ڈال چکا تھا۔ اس آدمی نے بکس کے اندر ہاتھ پھر کر دیکھا کہ کچھ رہ تو نہیں گیا اور پھر سڑک پر اسی سمت میں تیز تیز قدم اٹھاتے لگا جس طرف کل گیا۔

دیکھا اور پھر آنکھوں میں بردگرام بنایا، وہ فوراً سڑک سے پیچے درختوں کی اونٹ لیتے ہوئے نہایت تیزی سے اسی سمت میں آگے آگے بڑھنے لگے جس طرف وہ آدمی چلا جا رہا تھا، اس قدر تیز چلتے کے باوجود انہوں نے اہست پیدا نہ ہونے دی اور عبلہ ہی اس سے آگے نکل گئے۔ وہ اس پر بھی نہ رکے اور بڑھتے ہی چلتے گئے، جب اس سے کافی آگے پیچے لگئے تو سڑک پر آگر اس آدمی کی طرف منہ کر کے شلنے کے انداز میں قدم اٹھانے لگے۔ ادھر سے وہ تھیلا اٹھائے اپنی ہی دھن میں چلا آ رہا تھا۔ اس کی نظر ان دونوں پر پڑی تو اس نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ یہی خیال کیا ہوا کہ سیر کرنے نکلے ہیں گے۔ پھر جوہنی وہ ایک درسرے کے قریب پیچے، آصف نے تھیلے والے ہاتھ پر ایک بھیپٹا مارا اور دوڑ لگا دی۔ آفتاب نے بھی اس کا سامنہ دیا۔

وہ آدمی ہسکا بکارہ گیا اور پھر پوری قوت سے چلایا: "اے..... یہ تھیلا کہاں یہے جا رہے ہو، عظیر جا و بدمعاشوں یہ کہ کر وہ اس کے پیچے دوڑا۔

اس کے دوڑتے قدموں کی آداز سن کر آفتاب اور آصف نے لمبی لمبی چپلانگوں کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ریڑ کس کے پاس سے بھی گزر گئے۔ محکمہ ڈاک کا آدمی ابھی تک بے ہوش پڑا تھا۔ انہوں نے اس کی بھی کوئی پرواہ نہ کی اور بھاگتے رہے۔

دریانی فاصلہ بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ شہری حدود میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے ایک بار مرڑا کر دیکھا، ان کا تعاقب کرنے دالا بہت دور رہا گیا تھا، یہ دیکھ کر بھی انہوں نے رفتار کم نہ کی۔ شہر میں اکا دکا لوگ سڑک پر آتے جانتے نظر آتے۔ انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سن کر ان کی طرف دیکھا، اور یہی خیال کیا کہ صبح کی سیر کرنے نکلے ہیں اور دونوں میں دوڑ لگانے کی عقینگی ہے۔ ادھر شہری حدود دیکھ کر ان کا تعاقب کرنے دالا مایوس ہو گی، یہ مراد طالی تھا اور اس نے بھاگنا تو ترک کر دیا، ابتدہ تیز تیز قدم اٹھاتا رہا..... لیکن پھر جلد ہی دونوں لڑکے اس کی نظر میں اوجعل ہو گئے۔

آصف اور آفتاب کھڑک کے ذریعے اپنے کرسے میں داخل ہوئے اور پھر ٹھٹک کر دہ گئے، اس پکڑ کامران مزا کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے۔ ان کی گھورتی نظر ان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی۔ بہت دور تک بھاگتے رہنے کی وجہ سے وہ برمی طرح ہانپ رہے ہتھے اور ان کے سینے تیزی سے پھول اور پچک رہے ہتھے۔



مراد طالی ناکام والیں لوٹا، لیڑا بکس کے پاس سے گزرتے ہوئے

اس نے دیکھ کر ملکر ڈاک کا آدمی ابھی تک بے ہوش تھا اور اس کے گرد چند آدمی جمع ہتے۔ وہ دہائی رکے بغیر تجربہ گاہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پھاٹک عبور کر کے وہ اندر پہنچا تو سانٹانا ٹھٹ نظر آیا۔

”ہیلو مراد، کیا رہا؟“

”خطوط کا تھیلا میں نے حاصل کر لیا تھا، لیکن افسوس وہ لڑکے وہ تھیلا مجھ سے بچپت لے گئے۔“

”وہ لڑکے بیوی سانٹانا نے حیرت بھرے بھے میں کہا: جلا انہیں ایسا کرنے کی کیا صورت تھی؟“

”میرا خیال ہے، یہ وہی لڑکے تھے۔ مراد طائی کے منہ سے نکلا۔“

”وہی لڑکے کیا مطلب؟ سانٹانا چونکا، اور مراد طائی نے کل کا دافعہ تفعیل سے نا دیا۔ سانٹانا چند لمحے تک عذر کرتا رہا۔ پھر اس نے کہا:“

”یہ معاملہ اب ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے، کاشش ہم پروفیسر کا وہ خط حاصل کر سکتے، پھر ہم بہت کچھ معلوم کر سکتے تھے۔ خیراً اب مجھے اور پہ الملاع دینا ہو گی۔۔۔ تم ایسا کرو کہ فون کے تار جوڑ دو، ہم یہیں سے فون کریں گے اور جو حکم بھی ملے گا، اس پر عمل کریں گے۔“

”بہت بہترآ مراد نے کہا اور تار جوڑنے چلا گیا۔ چند منٹ بعد سانٹانا فون پر کسی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔“

”ہیلو.... کون.... اوہ.... سر معاملہ کچھ بگڑ گیا ہے، ابھی تک ہم یہ معلوم نہیں کر سکے کہ ایجاد کس مسورت میں ہے اور نہ پروفیسر کا خط حاصل کر سکے جو اس نے کسی کو لکھا تھا۔۔۔“

”عشرہ: میں تجربہ گاہ میں پہنچ رہا ہوں۔۔۔ میرا انتظار کرو: دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسہ کٹ گیا۔ سانٹانا نے یہ سیور رکھتے ہوئے کہا۔“

”کرنل بایان خود پہاں آ رہے ہیں:“

”اوہ! مراد طائی گھبرا گیا۔“

”تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، تم ہمارے بہت اچھے کارکن ہوئے۔“

ٹھیک ایک گھنٹے بعد ایک کار تجربہ گاہ کے سامنے رکی۔ ایک بہت لمبا تراویح آدمی کار سے نکل کر پھاٹک کی طرف بڑھا۔ دونوں تیزی سے اس کے استقبال کے لیے پکے:

”یہ کس طرح ہوا۔۔۔ آخر خط حاصل کرنے میں کیا دشواری پیش آئی؟“ اس کے بعد میں تاگواری تھی۔ سانٹانا نے اسے ساری بات کہہ شاید۔

”ان لڑکوں کا حلیہ کیا تھا؟“

مراد طائی نے لرزی ہوئی آذار میں دونوں کا حلیہ بتایا۔ کرنل بایان کا چہرہ تن گیا، آنکھیں سکڑ گیئیں، آنکھوں پر چمک آئیں، پھر اس نے سرسراتی آواز میں کہا:

”یہ حلیہ تو انسپکٹر کامران مرزا کے لڑکوں کا ہے۔“

”اوہ! سانٹانا اور مراد طائی کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔“

”تم دونوں فرماں کے گھر پہنچو اور کسی طرح خطوط کا دہ تھیا ان سے دالپس لاد، اتنی دیر میں میں تجربہ گاہ کا جائزہ لیتا ہوں۔ شاید میں یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں کہ ایجاد کس صورت میں ہے۔“ بہت بہتر! انہوں نے کہا اور دہاں سے روانہ ہو گئے۔



”کہاں سے آ رہے ہو تم دونوں، یہ تم نے صحیح کی سیر کب سے شروع کی، وہ بھی بغیر اجازت، بغیر اطلاع.... اور یہ عمارے ٹھیک ٹھیک کیا ہے، یہ تو ایسا ہے، بھیسا ڈاک دالوں کے پاس ہوتا ہے؟“ مم.... مجھے افسوس ہے ابا جان.... مم.... میں.... آفتاب سکلا۔ کیا مطلب، کسی مات پر افسوس کر رہے ہوئے؟

”اس بات پر افسوس ہے کہ میں آپ کے اتنے سارے سوالات کے جوابات یک دم نہیں دے سکتا۔“

”بخوبی! آصف تم بتاؤ۔“

”جی.... جی اچھا، انکل بات دراصل یہ ہے کہ....“ اب تم بھی آفتاب کی نقل کرنے لگے، بات دراصل یہ ہے کو اپنے ذہن سے نکال کر چینک دو اور یہ بتاؤ کہ بات ہے کیا؟ ”جی بہتر! وہی بتانے لگا ہوں، دراصل یہ ٹھیک ڈاک کا ہی ہے اور اس میں خطوط ہیں، شاید اس تھیلے میں ایک گھر ہی بھی ہو۔“ خطوط میں گھر ہی.... کیا بے تکی ہائک رہے ہو۔“

”یوں کام نہیں چلے گا، ہمیں شروع سے ہی بتانا ہو گا۔“
”تو بتاؤ نا.... جلدی کرو۔“
آخر آصف نے کل سے کر آج تک کی ساری کمائی کہہ دی۔
انپکٹر کامران مزرا چند لمحے تک سوچتے رہے اور پھر بولے:
”اس تھیلے میں اگر کوئی گھر ہی ہے، تب ہم اس گھر ہی کو نکال لیں گے، اور خطوط مکمل ڈاک دالوں کے حوالے کر دیں گے، ورنہ اس معاملے میں کوئی عجیب بات نہیں ہے۔“
”آخر وہ شخص خطوط کا تھیلا کیوں لے جانا چاہتا تھا؟ آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔
”بھی وہ بھی اپنی گھر ہی کے چکر میں ہو گا، چھوڑو اس بات کو، عتیلا میز پر اٹ دو۔“
ٹھیک آمد گھنٹے بعد ایک جیپ ان کے دروازے پر آ کر رکی، اس میں سے مکمل ڈاک کے ایک ذمے دار افسر اترے۔ انپکٹر کامران مزرا نے خطوط کا تھیلا ان کے حوالے کر دیا، وہ تھیلا لے کر چلے گئے، ہمیں اسی وقت ایک موٹر سائیکل لگی میں داخل ہوئی، لیکن پھر مکمل ڈاک کی گاڑی کو دیکھ کر اس کے تعاقب میں لگ گئی۔ اس موٹر سائیکل پر

ساشنا اور مراد طائی بھتے:

"الپکٹر کامران مرا نے خطوط کا حصہ ملکہ کے پرد کرنے میں بہت تیزی دکھائی۔ ساشنا نے فکر منہ بھے میں کما۔

"اب کیا ہو گا؟"

"ہم اپنی پوری گوشش کریں گے"

"یہ تعاقب جزل پوسٹ آفیس تک بجاري رہا..... ان کی موڑ سائیکل جپ کے پیچے آگئی، اسی وقت جپ سے دو آدمی اترے، ان میں سے ایک کے ٹاٹھ میں دہی حصیلاً تھا، ساشنا تیزی سے بختیے والے کی طرف دورٹا، انہوں نے دورٹے قدموں کی آواز سن کر پیچے مرڑ کر دیکھا اور پھر نہ جانے کس خیال کے تحت بختیے والا بلا کی تیزی سے عمارت کی سیڑھیاں پھلانگ گیا۔ ساشنا اور مراد طائی اس کے پیچے دورٹے، لیکن اتنی دیر میں وہ خطوط کے اس ڈھیر کے پاس پہنچ چکا تھا جس کی سارنگ ہو رہی تھی اور پھر اس سے پہلے کہ ساشنا اس تک پہنچتا اس نے حصیلاً اٹھ دیا۔ بختیے کے تام خطوط ڈھیر پر بکھر گئے۔

ساشنا اور مراد طائی ہلکا بکارہ گئے، واپس مرڑے تو دردارے میں پویس کے کچھ کافیبل کھڑے تھے۔ ان میں ایک ٹرینک سارجنٹ بھی تھا، انہیں فوری طور پر شرک سے بلا یا گیا تھا۔ سارجنٹ کے پستول کی نالی ان دونوں کی طرف اعلیٰ ہوئی تھی۔

ایک خط کی خاطر

الپکٹر کامران مرا، آفتاب اور شہزاد بیکم ناشتے کی میز پر بخے کر فون کی گھنٹی بجی جب کہ ابھی انہیں ڈاک کا حصہ ملکہ ڈاک والوں کے پرد کے آدھے گھٹا ہی ہوا تھا۔ فون نزدیک ہی پیانی پر رکھا تھا۔ انہوں نے ریسوٹ اٹھا کر کان سے لگا یا، دوسرے ہی لمحے وہ چونک ابھی، آخر انہوں نے کہا:

"اوہ ہو... یہ آپ کی کہہ رہے ہیں..... اس کا مطلب ہے میہ کوئی اور چکر ہے.... اچھا میں دیکھا ہوں کہ کیا معاملہ ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے ریسوٹ رکھ دیا۔

• بھی یہ خطوط دالا معاملہ تو ٹیرھا ہو گی؛ وہ مسکراتے ہو جو بھی ہو گی، لیکن ہم تو حصیلاً ڈاک والوں کے حوالے کر پکے ہیں۔ آصف نے جیران ہو کر کہا۔

• ہاں! جیپ کا دو آدمیوں نے تعاقب کیا تھا، ان میں سے ایک دہی تھا جس نے پوسٹ میں کو زخمی کر کے حصیلاً حاصل کر لیا تھا، دوسرا کوئی اور ہے.... انہوں نے عین جی پی او کے احالتے میں حصیلا

”کی مطلب ہے تھانے دار بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔
چاروں تقریباً دوڑتے ہوئے حالات کے چھوٹے سے کمرے میں
داخل ہوئے۔ مراد طائی اور سانچا نے جس حرکت فرش پر پڑے تھے
ان کے منہ سے نیلے رنگ کا جھاگ نکل کر مخوازی تک آگئی تھا:
” انہیں زہر دیا گیا ہے، کیا کوئی ابھی ابھی ان سے ملنے آیا تھا؟ انپکٹر
کامران مرزا نے پوچھا۔

” میں معلوم کرتا ہوں۔ تھانے دار نے کہا اور گیٹ پر کھڑے پریار
کو بلاکر پوچھا۔ اس نے جواب دیا:

” جی ہاں! ابھی ابھی ایک بہت بے قدر کا آدمی ان سے ملاقات کرنے
آیا تھا، اسے دیکھ کر یہ دونوں ساخوں تک آئے تھے۔ لیے آدمی نے ان
سے دو ایک باتیں کیں اور پھر چلا گی۔۔۔ اسی وقت یہ گرفتار گئے تھے،
لیکن میں نے یہ خیال کیا کہ حالات کے ماحول نے ان پر بے ہوشی طاری
کر دی ہے، بہت سے لوگ یہاں بے ہوش بھی ہو جاتے ہیں۔ ”

” اس کا حلیرہ بتاؤ، جوان سے ملنے آیا تھا۔ ”

” وہ بہت لمبا چورا تھا۔ انہیں نیلے رنگ کی ٹھیکنی، ناک بہت
چھوڑا ہوا اور مخوازی تکونی عصتی۔ سونپھیں بہت لگنی ٹھیکنی۔ نیلے رنگ
کے سوت میں ملبوس تھا۔ ”

” ٹھیک ہے، میں دیکھتا ہوں، یہ کیا چکر ہے؟
انپکٹر کامران مرزا ان دونوں کو ساتھ لے کر تھانے سے باہر

ایک بار پھر جھپٹ لینا چاہا، لیکن مجھے کا آدمی ان سے تیز نکلا،
اس نے اندر چلانگ لگا دی اور بھیلا ڈاک کے ڈھیر پر الٹ دیا۔
یہ دیکھتے ہی دونوں والپس مڑے، لیکن اتنی دیر میں دوسرے آفیسر
ٹریفیک پولیس کو ہدایہ کے لیے بلا جکے تھے، لہذا انہیں گرفتار کر لیا
گیا۔ اس کا مطلب ہے، یہ چکر کسی گھری کا نہیں، بلکہ کسی خاص
خط کا ہے، وہ ڈاک کے تھیں میں سے کوئی خط حاصل کرنا چاہتے تھے
” اور؟ یہ تو واقعی معاملہ ٹیڑھا ہو گی۔ آصف بولا۔

” ہاں! اب میں ان دونوں سے پوچھ گچھ کرنے جا رہا ہوں، اگر تم
پلنا چاہو تو چل سکتے ہو۔ انپکٹر کامران مرزا بولے۔
” جی ہاں! ہم ضرور جیسے گے، کیونکہ یہ چکر ہم نے ہی چلا یا ہے
آفتاب سکرا کر بولا۔ ”

” تینوں مستغلق تھانے میں پہنچے۔ سانچا اور مراد طائی حالات میں
جاتے۔ ”

” انہیں میں نے آئیے؟ انپکٹر کامران مرزا بولے۔ تھانے دار نے
حوالدار کو ان دونوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا، حوالدار گیا اور پھر مانپنا
کا پتا والپس آیا۔ ”

” وہ..... وہ..... سر..... وہ ”

” کیا ہوا؟ تھانے دار چونکا۔ ”

” وہ دونوں مر چکے ہیں، ان کے منہ سے تجاگ بہرہ رہا ہے۔ ”

لکھ اور بیجہ جس سیٹھے ہوتے رہے

"جے مسالو اک کمپ نیا ہا ری پر انہیں جمکا ج رہا ہے، فرم بچے اس س
بلڈنگ کے ہاں سے ہو، تاکہ یہ، لیکن وہ کس سمت سے آئے ہے
سمت صورت، اگر بھی، وہ اپنے گھر کو اپنے ہاں سے تو ساری
بات صورت درست ہے، اس سے کیا۔"

"ہم اپنے کی کے۔"

"اپنے لکھنا بدھو، بلڈنگ کے ہاں پہنچنے ہے، بڑیں
کے ہاں اپنی بے شمار، قبور کے تھات کھڑا ہے، لیکن تو رُبی
چشم کے کروہ بیت سے ووک بیچ پہنچتے ہوں، لہذا اسی طریقے کی
سڑائی کے ملکے کی ایسا بھی جگہی۔
بیان سے لگی، اب اپنی سانچی بیوی اپنے ہاں آپھے، اس سے کبھی درجہ خدا،
لیکن یہیں اسی وقت مددی ہیں ملنا۔"

"بیت بہت شکر، اتنی ہی کافی ہے؛" اس سے ملما ہے، اس سے

"ای کی بات پر قوبہ دیں، بیٹھو۔"

"اس طرف...، یہتھے، اسی طرف سے بیانیں ہو سکتے اور پہ

"سے اس، ہبہ اپنے گھر کو ای کی تھاں پہنچنے پر غصیٰ تھی تو میرزا خان

"اس طرف، اپنی پیٹے کی سیخے، اس سے کافی ہے، اس سے کافی ہے،

"بہت خوب، تو وادا، اس طرف چلتا ہے، اس

"اک، اک، بھر تینوں بیچ بیک، وہ اپنے کا مابا اس کی بیسب

لکھی صورت سے پہنچنے لگی ہیں، اور یہں اکا کا کوشش ان بھی
وہ بھی کا لی گا اسکے پر، وہ اسے بڑھتے ہے۔ بیک کا لگنے کے بعد
پڑا بیس یا کوئی اور اسی تھا نظر آئے، اس کے سبب اس کے قریب
دیکھی، اسی پر کامران ملنا ہے، اسے حراز عالم کا کام سیر ہتا ہے
پڑھ لے دیتا۔

"اسی تھی دھمات کا احمد اس کو اپنی سے قصیر کرتے ہے، اسے
پڑھ لے دیتا۔"

"اسی پڑھ کے نہیں کوئی ہے پہنچنے اٹھک ہو، کی کوئی جس اور زند
انسے ہاتھے دیکھا ہے۔۔۔ انہوں نہاد کی کوئی وہ مدد نہ ہے، انہوں
آپ کو ہبھی تباہ کرنے کی وجہ سے آئے، اسی طبقے کے احمد کو یک
بڑھتے اور اس کے ساتھ پہنچنے کی وجہ سے آئے، وہی سب کے سچے درجہ خدا،
لیکن یہیں اسی وقت مددی ہیں ملنا۔"

"بیت بہت شکر، اتنی ہی کافی ہے؛" پہنچ کر اس کو
وہ پہنچنے کا جو، اسی کا جو اس کے ساتھ ہے۔ پہنچ کر اس کو
نظر آئی، تینوں بیب، پاہر کی چورا کر احمد دلیل پہنچے، اسکے بعد
انس کے سختی کا جان دنیا ہے، وہ کسی کو سختی پہنچنے کی کوارٹی دی،
لیکن اس کو سخت گردئے ہے، سچا کوئی اندر وون اسکے نظر سے نہ آئے، اس کو
نہ کب اپنے پر کھلی جائی، اس کو تھیری مرد کی سکنی، بک سختی پہنچے
پہنچے لگتے، اس کے اندر سے کوئی نہ آئے، تو درد و انس سے پر بہادر قابل

کر دیکھا، دروازہ اندر سے بند تھا۔

چیزیں بات ہے؟ دروازہ اندر سے بند ہے، لیکن گھنٹی کی آداز سن کر کوئی نہیں آ رہا؟ انپکڑ کامران مرزا بڑھا۔

آپ یہیں محترم، ہم ذرا کوئی کا جکڑ لگا کر آتے ہیں۔ آفتاب نے کہا۔

ٹھیک ہے۔

دونوں کوئی گی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگے، پھر ایک جگہ ان کے امتحنے قدم رک گئے۔ آنکھوں میں حیرت اور خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے رسی کی بنی ہوئی ایک سیڑھی پڑی تھی اور اس میں ایک آنکڑہ بھی نظر آ رہا تھا۔ اس آنکڑے کا سطلہ وہ سمجھتے تھے۔

جلدی کرو، ابا جان کو یہیں بلا لاؤ۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

انپکڑ کامران مرزا نے وہاں آنے میں دیر نہ لگائی۔ اب ان کی پیشانی پر بھی بل پڑنے تھے۔

معاملہ گڑ بڑھا ہے، خدا خیر کرے!

پھر انہوں نے آنکڑہ اٹھایا اور رسی کو جھلک کر بالکوئی پر چھکا، پسلی ہی ٹوکرشش زنگ لائی اور آنکڑہ چھنس گیا۔

تم دونوں نیچے بھٹرد، اگر اور کوئی خطرہ نہ ہوا تو میں تمہیں اشارہ کر دوں گا، اور پہنچے آنا۔

بہت بہتر۔
انپکڑ کامران مرزا رسی کی سیڑھی کے ذریعے اور پہنچ گئے اور ادھر ادھر کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے ان دونوں کو بھی اور اپر آنے کا اشارہ کر دیا۔ وہ بھی رسی کی سیڑھی کے ذریعے ان کے پاس پہنچ گئے۔ اب وہ آگے بڑھے۔ ان کے سامنے دو گھر دی کے دردرازے تھے۔ بڑے بڑے دردرازے دیکھ کر انہوں نے پہنچے ہی اندازہ لگا یا کہ کمرے سے بہت بڑے ہیں۔ پہنچے کمرے کا دروازہ انہیں کھلا طا۔ یہ تو پروفیسر افلاک جاہ کی تجربہ گاہ معلوم ہوتی ہے۔ آفتاب بڑھا۔

ہاں! میں تمہیں یہ بھی بتاتا چلیوں کہ پروفیسر افلاک جاہ کے باہم میں بے شمار لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ پاگل اور جھکی ہیں۔ انپکڑ کامران مرزا نے سرگوشی میں کہا۔ لیکن یہ پکڑ کیا ہے، آخر پروفیسر اور دوسرے لوگ کہاں گئے؟

تجربہ گاہ میں ہر چیز ترتیب سے موجود تھی۔ میزوں پر آلات ہی آلات نصب تھے۔ دیواروں پر بھی مختلف قسم کے آلات اور ٹیوبیں وغیرہ نصب تھیں۔ انہوں نے ایک ایک چیز کو بغور دیکھا۔ اچانک اصف فرش پر تھکا اور اس نے کاغذ کا ایک پہنچہ جھکی سے پکڑا کر اٹھا یا۔ پھر اس پر لکھے ہوئے چند الفاظ پڑھتے ہی اس کے پہرے پر تیرت کے آثار نمودار ہوئے۔ یہ دیکھ کر انپکڑ کامران مرزا

نے پرندہ اس کے ہاتھ سے ملے لیا، آفتاب بھی اسے پڑھنے کے لیے
زندگی ہو گیا، انہوں نے دیکھا، پر زمے پر لکھا تھا:
”میں نے ڈای ایس پی سلطان محمود راجہ کو دو مرتبہ فون کیا کہ میں
اپنی زندگی شدید خطرے میں محسوس کر رہا ہوں، لیکن ان کے کام پر
جوں تک ہمیں ریلی، اگر مجھے کچھ ہو گیا تو اس سے ضرور پوچھا جائے۔
انسپکٹر کامران مرزا یہ تحریر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے، انہوں نے
بہتران آواز میں کہا:

”اس کا مطلب تو یہ ہے کہ پروفیسر افلک جاہ خطرے میں تھے
..... لیکن سوال یہ ہے کہ وہ میں کہاں، کی وہ کہیں چھپ گئے
ہیں، اور یہ کہ انہیں خطرہ کس سے تھا۔“

”میرا خیال ہے، ہمیں پوری کوئی میں دیکھ لینا چاہیے۔“ آصف
نے کہا۔

”ہوں! بھی کرنا ہو گا، ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لو، شاید
کوئی سراغ مل جائے۔“

تینوں نے تلاش شروع کر دی۔ آصف اور آفتاب تحریر کاہ
سے نکل آئے۔ آصف نے دوسرے کمرے کا رخ کیا اور آفتاب
نچلے حصے میں آ کر تلاشی پیٹنے لگا۔ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے،
لیکن پروفیسر افلک جاہ کا کوئی سراغ نہ ملا..... آخر تھک ہار کر پھر
تجربہ کاہ کے کمرے میں بیٹھ ہوئے۔ بے خیالی میں آفتاب نے ایک

ریفر بھر پر کا ہینڈل پکڑ کر کھینچ لیا، اچانک اسے یوں لگا جیسے دروازہ
اسے دھکیل رہا ہو۔ خوف کی وجہ سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔
اس کی چیخ نے انسپکٹر کامران مرزا اور آصف کو بھی اس کی طرف متوجہ
کر دیا اور بھر ان کے ادپر کے سانس اور پر نیچے کے سانس نیچے
رہ گئے۔ ریفر بھر پر کھلتے ہی اس میں سے ایک اکڑی ہوئی لاش نکل
کر زمین پر آ رہی تھی۔ لاش کے چہرے پر نظر پڑتے ہی آصف
اور آفتاب بُری طرح چونکے:

”اُف میرے خدا.... یہ تو اسی اوپر بھر کے آدمی کی لاش
ہے، جس کے سچے کل وہ نوجوان آدمی دوڑھ رہا تھا اور جس نے الزم
لگایا تھا کہ یہ کھڑی چڑا کر جاگ رہا ہے۔ ابھی ابھی ہم حالات میں
اس کی لاش دیکھو کر آ رہے ہیں۔“

”ادھو اچھا۔“ انسپکٹر کامران مرزا بھی جیران رہ گئے۔ یہ تو کوئی
بہت بھی گرا جگہ معلوم ہوتا ہے..... لیکن سوال یہ ہے کہ
پروفیسر کہاں گئے؟

ان الفاظ کے ساتھ ہی سینگھ ارادی طور پر ان کی نظری ساتھ ہی
رکھے دوسرے فرج پر جم گئیں۔ ان کے قدم خود بخود اس کی طرف
اٹھنے لگے اور پھر انہوں نے اس کا ہینڈل پکڑ کر کھینچ لیا۔ دوسرा
لمحہ سننی تھری تھا۔ پروفیسر افلک جاہ کی لاش ان کے قدموں کے پاس
فرش پر پڑی تھی۔

مگر سے بھی انہوں نے بھتیلا ماحصل کرنے کی گوشش کی اور جب گرفتار ہو گئے تو کوئی میراً آدمی انہیں زہر لی سوئی کے فریبے ہلاک کر گیا، اس سے ساف نلاہر ہے کہ پروفیسر افلک جاہ نے کوئی بہت اہم خط لکھا تھا اور اگر میں ان دونوں سے حالات میں بات چیت کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو مزدود کچھ نہ کچھ معلوم کر لیتا، اسی خوف کے پیش نظر انہیں قتل کر دیا گیا اور ان دونوں سے پہنچ پروفیسر اور ان سچے طالبِ علم کو قتل کیا گیا..... سوال یہ ہے کہ کیا یہ سارا چکر صرف ایک خط کی خاطر چلایا گی؟

• معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے • آصف نے کہا۔

* خیرا یہ تو ہم بعد میں معلوم کریں گے کہ یہ کیا چکر ہے، پہنچ تو متعدد علے کو فون کرنا چاہیے اور ہاں ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ وہ دوسرا آدمی کون تھا جو پروفیسر کے ملازم کے پیچے بھاگ رہا تھا..... پڑوسی تے یہ تو بتایا ہے کہ اسے یہاں آتے جائے دیکھا جاتا رہا ہے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس کا پروفیسر سے کیا تعلق تھا۔ درا ٹھٹھرو، میں دوسرے کمرے کو ایک نظر اور دیکھوں۔ یہ کہہ کر وہ تجربہ گاہ سے نکل آئے اور تینوں دوسرے کمرے میں داخل ہوئے، یہاں بھی مختلف آلات نصب تھے۔

* گویا یہ بھی تجربہ گاہ کا ہی حصہ ہے.... ان پکڑ کامران مرزا بڑھائے، اس سے پہنچے وہ ان کمروں میں پروفیسر افلک جاہ کو

○
” يَا اللَّهُ رَحْمَةُ آدَنَابٍ نَّے بُوكھلا کر آسمان کی طرف دیکھنا چاہا، لیکن اور پوچھتے تھے۔ اس کے چہرے کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔

” ایک گھنٹے کے اندر اندر چار لاشوں سے ملاقات... آخر یہ کیا ہے رہا ہے؟ آصف بولا۔

” لاشوں کی بارش ہو رہی ہے اور ہم اس بارش میں نام ہے ہیں: آفتاب نے کھوئے کھوئے لجھے میں کہا۔

” اسے باپ رے؟ آصف کے منہ سے نکلا۔

” یہ وقت مذاق کا نہیں ہے، حالات اور واقعات کی کڑیاں ملا کر اگر دیکھا جائے تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پروفیسر افلک جاہ نے کوئی خط لکھ کر اپنے ملازم کے نامخ پوست کرنے کے لیے بھیجا، یہ شخص ضرر پروفیسر کا ملازم تھا..... وہ خط اس دوسرے آدمی نے اس سے چھین لینا چاہا، لیکن وہ بھاگ نکلا، کچھ تم نے بھی اس کی مدد کی، یہاں تک کہ وہ یہٹر بکس کے پاس پہنچ گی، یہی وجہ ہے کہ وہ یہٹر بکس سے آگے نہیں بجا گا تھا۔ دوسرے آدمی نے خطا حاصل کرنے کا پروگرام بنایا اور یہٹر بکس کے پاس صحیح سویرے پہنچ گیا۔ الفاظ سے تم بھی یہاں آگئے۔ اس نے پوست میں سے خطوط کا بھتیلا چھینا اور تم نے اس سے ماہم نے وہ بھتیلا محکمہ ڈاک کے حوالے کر دیا۔ اس

تلاش کرے رہے تھے، لیکن اب انہیں کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جو اس دوسرے آدمی پر روشنی ڈال سکے.....سب سے پہلے انہوں نے کھڑپ کر دیکھا.....فوراً اپنیٹ کے ذرے اترنے لگے اور اندر سے آلات دالی میز کی ڈازوں کو کھول کر دیکھنا شروع کیا، آفتاب اور ایک سخت سامانیک نظر انے لگا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے فرش پر بچا آصف عبی ادھر ادھر کی چیزیں کو دیکھنے لگے۔ دوسری، سی دراز میں تاپین الٹ دیا۔ ایک باریک ساتار اس مائیک سے ہوتا ہوا میز انہیں ایک نوٹ بک نظر آئی۔ ایک اکر دیکھا تو اس کے پہلے صفحے پر مراد طالی کا نام لکھا نظر آیا۔ بریکٹ میں استینٹ لکھا تھا۔ نوٹ بک کے مختلف صفحوں پر نوٹ لکھے ہوئے تھے یہ نوٹ ہدایات کی صورت میں تھے، شاید پروفیسر اپنے استینٹ کو ہدایات دیتے رہتے ہوں گے۔

”تو وہ پروفیسر کی جاسوسی کیا کرتا تھا..... یہ معاملہ تو ہر لمحے گھرا ہی ہوتا جا رہا ہے..... بھڑرو، پہلے میں پویس اور دوسرے علی کے لیے فون کر دوں، آصف تم جا کر بیردنی دروازہ کھول آؤ، تاکہ انہیں اندر آتے ہی دیر رہ لگے۔“

”جی بہتر! آصف نے تو نیچے کا رخ کیا اور وہ پھر دوسرے کمرے میں آئے، یہاں فون موجود تھا اور انہوں نے متصلہ لوگوں کو فون کرنے شروع کیے۔ ابھی فارغ نہیں ہوئے تھے کہ آصف دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا اور انہیں فون پر مصروف دیکھتے ہوئے گک گی۔“

”کیا ہوا؟ آفتاب نے اسے گھوا۔“

”بہت ہی حیرت انگریز بات ہے: آصف کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔“

”کم حیرت انگریز باتوں سے ہمارا واسطہ ہی کب پڑتا ہے۔“ آفتاب

”فرج سے جس ادھیر عمر آدمی کی لاش ملی ہے، اس کے باس سے ظاہر ہے کہ وہ اس گھر کا ملازم تھا، تو پھر دوسرा آدمی مراد طالی صدر پروفیسر کا استینٹ تھا۔“ یہ کہتے کہتے وہ اپنیک دنوں کردار کی درمیانی دیوار والے دروازے کی طرف لپکے اور پھر فرش پر بیٹھ گئے۔ دوسرے، ہی لمحے ان کے ہونٹ سیٹی بجانے کے انداز میں سکڑ گئے۔

”یہ دیکھو..... فرش کے قریب دروازے میں بہت باریک باریک سے سوراخ ہیں..... آفتاب تمہاری جیب میں ایک چاقو ہوا کرتا ہے؟“

”جی ہاں! اتفاق سے اس وقت بھی موجود ہے۔“

”بہت خوب! جلدی مجھے دو۔“

لے برا سامنے بناتے ہوئے کہا اور اپنے والد کی طرف متوجہ گیا۔ آخر انہوں نے ریسید رکھتے ہوئے کہا:

”ہاں آصف! کیا بات ہے؟“

”جی وہ... جب ہم یہاں آئے بختے تو بیردنی دروازہ بند تھا، اسی لیے ہم رہی کی سڑھی کے ذریعے اور پر آئے بختے، لیکن اب دروازہ کھلا پڑا ہے۔“

”کی مطلب؟ انپکٹر کامران مرزا اور آفتاب نے ایک سانچہ چڑک کر کہا۔“

”اس کا مطلب ہے جب ہم یہاں آئے تو کوئی اندر موجود تھا، لیکن پر دفتر اور ان کے ملازم کی لاشیں با محل اکڑی ہوئی ہیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ انہیں رات کسی وقت ہلاک کیا گیا ہے، ہواليہ ہے کہ ہلاک کرنے کے بعد بھی تمام رات قاتل کو یہاں محظیر کیا ضرورت تھی، اور شاید ابھی بھی اس کا جانے کا پردگرام نہیں تھا، اسے بھاگنا اس لیے پڑا کہ ہم یہاں آگئے بختے.... اس طرح وہ خط بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے اور معیبت یہ ہے کہ اب ہم بھی وہ خط حاصل نہیں کر سکتے، کیونکہ ایک بڑے ڈھیر میں شامل ہو گیا ہے، ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ خط اکس کے نام تھا۔ قاتل کے نام رات یہاں رہنے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اسے یہاں کسی پیز کی تلاش تھی اور ابھی تک وہ اپنی تلاش میں کامیاب نہیں ہوا۔ لیکن انکل! یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہوا؟“

”اگر وہ کامیاب ہو گیا تو پھر اسے یہاں رکنے کی کیا ضرورت تھی، بجربہ گاہ میں داخل ہونے کی گوشش کرے تو اسے فرما گرفتار کرو، تو یہاں سے مجبوراً گیا ہے: انپکٹر کامران مرزا بولے۔ وہ فرار ہونے کی گوشش کرے تو اسے گولی مار دو، لیکن وہ بچ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ میں اس لمحے اسے وہ چیز مل گئی: کر ز جاتے.... میں نہیں چاہتا، کوئی شخص یہاں سے کوئی چیز جب ہم یہاں پہنچے: آفتاب نے خیال ظاہر کیا۔“ جو چیز جہاں موجود ہاں اس کا امکان ہے، خیر ہم یہ معلوم کر لیں گے کہ اس ہے، وہ دیہی سہنی چاہیے۔ کسی بھی چیز کو ہلا کیا جلایا نہ جائے، وہ چیز مل ہے یا نہیں، کاش ہمیں یہاں سے پردفیسر کی کوئی نہیں۔ بہت بہتر سڑا اقبال خان نے کہا۔“ اس کے بعد وہ آصفت اور آفتاب کو نے کہ شہر کی طرف روانہ مل جاتی..... ارسے ہاں اس ڈی ایس پی کے پہنچے کو تو میں بخواہا۔“ اسکے بعد وہ آصفت اور آفتاب کو نے کہ شہر کی طرف روانہ ہی گی.... یہ سارا کیا دھرا تو اس کا ہے، خیر پہنچے یہاں تھے اور آئی جی صاحب کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اس وقت فارغ ہو لیں تھے۔“ میک جو کچھ بھی ہوا تھا، یا انہوں نے جو بھی اندازے لگاتے تھے، انگلیوں کے تسانات اٹھانے والے اور دوسرے لوگ آدھ گئے۔ سب ان کے رو برو کہہ سنائے اور پھر بولے:

”میں یہاں پہنچ گئے۔ لاشوں کو ایمبولینس میں رکھ کر ہسپتال روانہ۔“ میں چاہتا ہوں، آپ پوپیس چیف سے یہاں آنے کی درخواست کر دیا گیا، تاکہ پورٹ مارٹم کیا جائے۔ اس سے پہنچے انپکٹر کامران کریں، پھر ہم ان کے سامنے ڈی ایس پی سلطان محمود راجہ کا معاملہ میں میں ایس پہنچے اور یہ سمجھو جکے تھے کہ انہیں گلا رکھیں ہے۔“ میں یہاں پہنچ گئے۔ لاشوں کی نیبانی۔“ ٹیک ہے: وہ بولے اور فون کرنے لگے۔“ خود ڈی دیر بعد گھونٹ کر مارا گیا ہے، کیونکہ اس حالت میں بھی لاشوں کی نیبانی۔“ ٹیک ہے: وہ بولے اور فون کرنے لگے۔“ خود ڈی دیر بعد باہر نکلی ہوئی تھیں، سب لوگ رخصت ہو گئے تو انہوں نے پوپیس چیف شیرا فضل ہمایوں موجود تھے۔ انہیں سارے حالات اقبال خان سے کہا:

”میں تمہاری ٹولیوٹی اس تجربہ گاہ پر لگاتا ہوں، جب تک میں ان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ پہنچہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ پہنچہ تمہیں دوسری ہدایت نہ دوں، یہاں موجود نہ ہو اور پوری طاقت رکھ کر ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ایک لفظ کے بغیر انہوں نے چوکس..... اپنے بیٹن ماتحتوں کو بھی اپنے ساتھ رکھو، اگر کامیو اٹھایا اور پوپیس اسٹیشن کے نمبر گھائے۔“

”ہیلو! کون بول رہا ہے؟“

”ٹوی ایس پی سلطان محمود راجہ، کی بات ہے؟ دوسری طرف سے
اکھڑ آفاز میں کہا گیا۔“

”میں شیر افضل ہوں، اس وقت تکمکہ سراغرانی کے دفتر میں موجود
ہوں، آپ ذرا بیال تشریف لے آئیں، میں اُنچی صاحب کے لئے
میں طوں گا۔“

”بنج.... بنج.... جی.... جی.... میں.... میں.... حاضر ہوا۔“ سلطان محمود راجہ
نے بڑی طرح ہمکلاتے ہوئے کہا۔

اس کے آئے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ چھرے پر
ہوا بیان اڑ رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ شیر افضل اس سے بڑھا
کوئی سوال کرتے، انپکٹر کامران مرزا بول پڑے:

”شریں ایک پاگل سائنس دان رہتا ہے، اگر وہ آپ کو فون
کرے یا مدد نانگے تو اس کی کسی بات پر کان نہ دھریے گا، ہم
بہ اس سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔“

”جی.... اور ڈا اس کی ساری گھبراہٹ آن کی آن میں دور ہو گئی
چھرے پر رونق لوٹ آئی۔ مکرا کمر بولا：“

”اس آونے کل مجھے دو مرتبہ فون کی تھا، کہہ رہا تھا، میری زندگی
خطرے میں ہے اور یہ کہ میں نے ملک اور قوم کے لیے ایک بنت
کارنار انجام دیا ہے۔ میں نے اس کی ایک نہیں سنی۔“

”بہت خوب! ہم آپ کی زبان سے یہی سننا چاہتے ہیں، آپ کے
جزم کا بثوت مکمل ہو گیا ہے، آپ نے اپنے فرانش سے انتہائی غفلت
برتنی جس کے نتیجے میں چار آدمی قتل ہو گئے، پر وفیسر انداک جاہ، ان
کا ملازم، ان کا اسٹنٹ اور ایک اور آدمی.... اگر آپ بردقت
ان کی مدد کو پسخ جاتے تو شاید ایسا نہ ہوتا یا ہوتا بھی تو ہم
اک وقت بہت کچھ معلوم کر چکے ہوتے اور قاتل کو بھی گرفتار کیا جا چکا
ہوتا، لہذا آپ خود کو زبر حراست بھیجیے! آپ پر کیس چلے گا۔
شیر ارض غصیے لپھے میں کہتے پہلے گئے۔“

سلطان محمود راجہ کا چہرہ سفید پڑتا گیا۔ پھر یوں رکھا جیسے اس
کے بدن سے جان ہی نکل گئی ہو۔



رات کے بٹیک گیا رہ بجے انپکٹر کامران مرزا کے فون کی گھنٹی بھی۔ وہ
جلدی سونے کے عادی تھے، فون کی گھنٹی نے اسیں بیدار ہونے پر بھجو
کر دیا۔ رسپورٹ اٹھایا تو دوسری طرف سے اقبال خان نے سرگوشی کے انداز
میں کہا:

”سر! میں اقبال خان بول رہا ہوں۔ ہم اس عمارت کے تمام دروازے
اندر سے بند کیے ہیں، ابھی ابھی ہم نے باہر قدموں کی چاپ اور
بلکی سی گٹ پٹ کی آدازی سنی ہیں، ای معلوم ہنگابے جیسے کوئی

خاموشی سے اندر داخل ہونے کی گوشش میں مصروف ہے، ہم ہر مرد اپنے فائز کیا گیا، وہ دھرم سے گرے، ٹارچ ان کے ہاتھ سے نکل پوکس میں، تاہم میں نے آپ کو اطلاع دینا مناسب خیال کیا۔ فوراً ہی انسیں خیال آیا، یہ فائز اقبال خان یا اس کا کوئی ہاتھ قم نے بہت اچھا کہ اقبال خان! میں پہنچ رہا ہوں نہ انہوں نے کر سکت تھا میکونکہ انہیں معلوم تھا میں یہاں پہنچنے والا ہوں، اگر یا کہا اور رسپور رکھ کر اپنے کھڑے ہوئے۔ آفتاب اور صحف کے کمرے بگاہ پر دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ انہیں ایک عجیب سی بے چینی کے پاس سے گزرے تو اندر گھری خاموشی تھی، صاف ظاہر ہے، احساس ہوا، آخر یہ ہو کیا رہا ہے، کسی معمولی چیز کے لیے چار سور ہے تھے۔ انہیں جگانا مناسب نہ سمجھتے ہوئے وہ گھر سے باہر نکل کوہلاک نہیں کیا جا سکتا تو کیا کوئی بہت خاص چیز ہے جس کی آئے۔ جب انہوں نے فون سنا تھا تو شناساز بیگم بھی سو رہی تھیں، ان تلاش ہے، انہوں نے فائز کی سمت کا اندازہ لگا دیا تھا، لیکن جواب یہ وہ انہیں بھی نہ بتا سکے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ جیپ میں انہوں فائز نہ کیا بلکہ یعنی کے بل اس سمت میں ریکٹے گے۔ اچانک ان نے پردہ فیسر افلک کی تجربہ گاہ کا رخ کیا۔ تجربہ گاہ کے نزدیک پہنچنے والے ایک انسان جسم سے نکراۓ، یہ جو کوئی بھی تھا، بے ہوش وہ مکمل طور پر تاریکی میں تھی، جب کہ اقبال خان اور ان کے ساتھیوں کیا ماردا۔ وہ اقبال خان اور اس کے مانشوں کے لیے فخرِ مند ہو گئے، ہوتے ہوئے اندر کمیں روشنی ہوئی پا بیسی تھی۔ انہوں نے خیال کیا کہ جو لوگ چار قتل کر لیکے تھے، ان کے لیے مزید چار آدمیوں اقبال خان نے ضرورتی بھجا دی ہو گی۔ جیپ سے اتر کر وہ آگے بیٹھنے والیں کی مشکل تھا۔ ریکٹے ہوئے وہ اس کونے کے قریب پہنچ گئے، پھر انہیں کھلا پڑا تھا، بیردنی دروازہ بھی کھلا تھا۔ اب تو وہ کھڑا گئے، انہیں یہاں کسی کی موجودگی کا احساس نہ ہوا، اچانک انہوں نے آخر بیردنی دروازہ کس طرح کھل گی، جب کہ اقبال خان اور اس کے کو دروازے کی طرف چلا گئے لگاتے دیکھا، انہوں نے فوراً پلٹ کر ساتھی اندر سے دروازے بند کیے بیٹھنے لگئے۔ خطرہ محسوس کرتے ہوئے رکی، لیکن چلانگ لگانے والا اس سے پہنچے ہی نکل چکا تھا۔ وہ انہوں نے جیپ سے پستول نکال دی اور دوسرے ہاتھ میں پسل نہ پڑنے سے احتی اور دروازے کی طرف دوڑے، لیکن دھرم سے گرے سنبھال لی۔ اندر ہر سے میں انہوں نے زینہ طے کیا اور اپنے پہنچے۔ تجربہ کا، ایک اور انسانی جسم سے الجھ کر گرے تھے، اس کے ساتھ بھی انہوں دلے ایک کرے کا دروازہ انہیں کھلا نظر آیا، آہٹ پیدا کیے بز، ایک اور سائے کو باہر چلا گئے لگاتے دیکھا، اس بارہ وہ اس پر فائز دھ کرے میں داخل ہو گئے، پھر جو نہیں انہوں نے ٹارچ روشن کی، الہ کر کے، گرنے کی وجہ سے ان کا پستول دالا ہاتھ پہنچے دب گی تھا۔

جب تک وہ سمجھلتے، میسر اسایہ بھی دروازہ عبور کر چکا تھا۔ وہاں ہم دروازے پنڈ کے بیٹھے تھے، باہر گرد بڑا محسوس کر کے ہم آئے تو انہوں نے ایک کار شارٹ سونتے کی آواز سنی، جب یہ آپ کو فون کر دیا۔ اس کے نوراً بعد بعد تجربہ گاہ کے باہر تھے تو انہوں نے نیچے کوئی کار نہیں دیکھی تھی، شاید کار پھیل جیب قسم کی آواز سنائی دی۔ بہرا چلنے کی آواز تھی، ہم سمجھ رکھی گئی تھی۔

بلا کی تیزی سے وہ سیڑھیاں اترے اور جیپ کی طرف عالم سہ بھی پستول سمجھمال کر بیٹھ گئے کہ جو نبی دروازہ کھلے گا، ان ہر اسی وقت ایک فائر اور ہوا اور انہوں نے ٹھاٹر بیٹھنے کی آواز اڑ کھول دی گئے، لیکن ہجا اس کے لئے۔ جو نبی دردازہ کھلا، ہم دہ دھک سے رہ گئے۔ دشمنوں نے ان کی جیپ بے کار کر لائے فائر کر دیے، لیکن وہ لوگ پسے ہی ہوشیار تھے، سامنے آئے اور اب وہ ان کا تعاقب نہیں کر سکتے تھے۔ جیپ کے تزویک پستی بھی نہیں، البتہ اندر ایک دھوکی کا ہلکا سا بھم مار دیا گیا۔ ہم نوراً ملائر دفعی بے کار ہو چکا تھا۔ انہوں نے حضرت زدہ نظرؤں سے ہوش ہو گئے، اس کے بعد، ہمیں ابھی ہوش آیا ہے۔ اقبال کی دور ہوتی ہوئی سرخ بیسوں کو دیکھا اور دوبارہ تجربہ گاہ کی اخان نے بتایا۔

مرٹے۔ کمرے میں پسخ کر انہوں نے بلب جلایا۔ اقبال خاں ادا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ انہوں نے کہا اور تجربہ گاہ کی چیزوں کا بغور کے ساتھی کرے کے فرش پر ادھر ادھر بے ہوش پڑے تھے۔ عمارہ یتے گے:

وہ عین اس وقت دہل پہنچے تھے جب دشمن نکلنے کے لیے تیار ہو۔ سوال یہ ہے کہ انہیں آخر کس چیز کی تلاش تھی اور کیا وہ لوگ وہ لیکن ان کی جیپ کو آتے دیکھ کر انہوں نے بتی بھجادی اور کہ چیز لے جائے میں کامیاب ہو گئے ہیں.... فرائم لوگ بھی تمام کے ایک ایک کونے میں دیکھ گئے، کھلے دروازے میں سے چیزوں پر نظر ڈالو اور یہ جاننے کی گوشش کر دکہ کوئی چیز غائب تو نہ تو انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ دیا، لیکن یہ نہ دیکھ سکے۔ نہیں ہے؟

اقبال خاں اور اس کے ساتھیوں کو ہلانے جلانے پر چند روزوں بعد بے ہوش آگئی:

لماں بھائی! کیا گزری تم لوگوں پر نہ انہوں نے قدر سے مسکا! کے منہ نکلا!

"اے! وہ کہاں گیا؟"

"میرا خیال ہے، وہ ضرور پر دفیسر افلاک جاہ کی تجربہ گاہ کی طرف کے ہیں، کیا خیال ہے، ہم بھی چیلیں۔ آصف نے کہا۔

"نیند خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے، جب انہوں نے ہی ہیں

ساتھے جانا پسند نہیں کیا۔"

"یہ خبر! ہم ان کے کام آجائیں۔"

"اگر اتنا ہی شوق ہے تو تم چلے جاؤ اور آجاو، ان کے کام"

آفتاب نے منہ بنایا۔

"تو پھر مجھے جگانے کی کیا ضرورت محتی۔ آصف نے بھٹاکر کہا۔

"میں یہ سمجھا تھا کہ شاید کوئی دشمن اندر گھس آیا ہے۔"

"یہ ہمارا گھر ہے، کوئی دشمن کا اکھاڑہ نہیں..... نہیں جانتے۔

تو نہ جاؤ، میں تو چلات۔

"لا جوں والا توہ، اسے کہتے ہیں آبیل مجھے مار۔ میں نے خود

ہی یہ سیبیت مول لی، اب تو پینا ہی پڑے گا۔"

دونوں گھر سے باہر نکلے اور اپنی سائیکلوں کو سنبھال ہی رہے

اندر سے کھلانظر آیا۔ یہ دیکھ کر چونکے اور فوراً دوسرے کر کا رُخ کیا۔ اس کرے کا دروازہ بھی کھلا تھا اور اندر انپکڑا

مرزا اپنے بستر پر نہیں رہتے۔

"میکسی! میکسی! رک گئی، دونوں اس پر بیٹھ کر تجربہ گاہ کی طرف روانہ

ہوئے۔ کچھ فاصلے پر ہی وہ میکسی سے اتر گئے اور کرایہ ادا کر کے



آفتاب کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے چند لمحے تک ذہن

دیا اور پھر آصف کو ہلاتے ہوئے بولا:

"یار آصف! میں نے قدموں کی چاپ سنی ہے۔"

"تو میں کیا کروں۔ آصف نے نیند کے عالم میں کہا۔

"عجیب آتو ہو، ارے بھائی، قدموں کی چاپ سنی ہے میں

اور وہ بھی رات کے گیارہ نجے..... آخر یہ کون ہے جو ہمارا

میں چل پھر رہا ہے؟ آفتاب نے جسمحلا کر کہا۔

"ادہ! تو یہ بات ہے۔ آصف نے بھی چونکا۔

"تو تم کیا سمجھتے تھے؟ آفتاب نے جل کر کہا۔

دوں بستروں سے اٹھے اور دروازہ آہستہ آہستہ کھوٹ کر

میں دیکھا، لیکن برآمدے میں کوئی نہیں تھا۔ باہر نکلے تو بیرننا

اندر سے کھلانظر آیا۔ یہ دیکھ کر چونکے اور فوراً دوسرے کر کا رُخ کیا۔

مرزا اپنے بستر پر نہیں رہتے۔

"تو وہ چاپ انکل کی بھی۔ آصف بولا۔

"ہاں! میں نے جیپ شارٹ ہونے کی آداز بھی سنی تھی۔

اے رخصت کیا، بھر آگے بڑھے۔ اسی وقت انہوں نے تجویر پر
میں فائزوں کی آواز سنی :
لکھا میں اور ایک ایک کر کے ڈکی کے تالے کے سوراخ میں لگانے
اے اپاںک انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی، عین اسی
منہ سے نکلا۔

” تو تھنڈا کر دو، آخر ہم کس بے آئے ہیں ۔

انہوں نے قدم آگے بڑھایا ہی تھا کہ سڑک سے یونچے تاریڈ
میں ایک کار کھڑی دکھانی دی۔

” یہ کار کسی دشمن کی نہ ہو۔ ” آصف کے منہ سے نکل
” میرا بھی یہی خیال ہے، سنو، اس وقت تجویر گاہ میں اندھ
ہے اور گولیاں چل رہی ہیں، کہیں ایسا نہ ہو، تاریکی کا فائدہ
اٹھا کر دشمن فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں، ہیکوں نہ ہم ان
کار کی ڈگی میں بیٹھ جائیں، اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہم کم
از کم دشمنوں کے لمحکانے سے ضرور دافع ہو جائیں گے۔ ” آفتاب
نے تجویز پیش کی۔

” تجویر تو اچھی ہے، لیکن کہیں ڈکی میں ہمارا دم نہ
گھٹ جائے ۔

” یاد ہم اس میں محظوی سی جھری رکھیں گے ۔

” اچھا تو نکالو جیب سے چابیاں۔ ” آصف بولا۔

نے کہا تو خدا جانے وہ ریڈیو کی بلا تھا، خیر تم لوگ رات یہیں
گزارو، اگرچہ اب ان کے واپس آنے کی کوئی امید نہیں، لیکن پھر
بھی یہاں بھرنا ضروری ہے اور دہاں! تم نے اپنی جیپ کھا
کھڑی کی ہے۔

گیراج میں اور دروازے کو تالا لگا دیا گیا ہے۔
کماش میں نے گیراج کو دیکھ دیا ہوتا، اس صورت میں میں
ان کا تعاب کر سکتا تھا۔ انپکٹر کامران مرزا بڑھتا ہے۔ پھر وہ
دہاں سے اقبال خان کی جیپ میں واپس رخصت ہوئے، لیکن
پھر کوئی خیال آنے پر رک گئے اور دوبارہ اوپر آئے۔ انہوں
نے فون کا رسیور اٹھا کر ادھر ادھر فون کرنے شروع کر دیے
اور ایک ایسی کار کو تلاش کرنے کی ہدایات دیں جس میں کم از کم
یعنی آدمی سفر کر رہے ہوں اور ان کے ساتھ کار میں ایک
خراب ریڈیو بھی ہو۔

پھر وہ خود بھی جیپ لے کر اس کار کی تلاش میں نکل کھڑے
ہوئے، لیکن وہ جانتے تھے کہ اب بہت دیر ہو چکی ہے اور
کار کیسی کی کہیں جا چکی ہو گی، یا اس وقت تک کسی گیراج میں
بندگی جا چکی ہو گی۔ ریڈیو کے غائب ہونے پر وہ یہ سوچنے
پڑے جیسے ہو گئے تھے کہ اس ریڈیو میں پروفسر اخلاق جاہ نے
ضرور کوئی قیمتی ایجاد چھپا رکھی تھی۔ جس کا اندازہ دشمن پہنے

بازی اللہ ہے

کی کھاں گیا؟ انپکٹر کامران مرزا چونکے۔

اس بڑی میز پر ایک ریڈیو رکھا تھا، خراب ریڈیو، مانگت
کے منہ سے نکلا۔

”خراب ریڈیو... کیا مطلب؟ انہوں نے پوچھا۔

”جی ہاں! جب یہاں آئے تھے تو میری نظر اس ریڈیو
پر پڑی تھی، میں نے اس پر خبری سنن چاہا، لیکن وہ لگا ہی
نہیں، میں یہی سمجھا کہ ریڈیو خراب ہے۔

پروفسر اخلاق کی میز پر اور خراب ریڈیو، انپکٹر کامران مرزا
کے لئے میں حیرت تھی۔ پھر انہیں یاد آیا، پہلی مرتبہ جب وہ تجربہ
گاہ میں داخل ہوئے تھے تو انہوں نے بھی اس ریڈیو کو دیکھا
تھا، لیکن نہ انہوں نے اور نہ آصف اور آفتاب نے ریڈیو کی
طرف کوئی توجہ نہ دی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔

”تو کیا وہ ریڈیو ہی لے گئے ہیں؟ اقبال خان نے کہا۔

”اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ انپکٹر کامران مرزا

ن لکا سکا۔

پورے شہر میں چکراتے چھرنے کے بعد بھی کچھ حاصل نہ ہوا، اس دوران انہوں نے پرنسیپ کی جیسوں کو بھی ادھر سے ادھر آتے جاتے دیکھا۔ تھک بار کر والپس لوٹے۔ لگھ کے اندر داخل ہوئے تو آفتاب اور آصف کے کمرے کے دروازے کو کھلا پایا، اندر جھانک کر دیکھا تو دونوں بستروں پر موجود ہیں تھے۔ تیزی سے آگے بڑھے اور اپنے کمرے میں دیکھا۔ بیگم گھری نیند سورہی تھی۔ انہیں جمع جمعوں کر جھکایا، وہ ہر طریقہ اکر اٹھیں:

”آفتاب اور آصف کہاں گئے؟ انہوں نے بوکھلا کر پوچھا۔

”محبے کی معلوم... کیا وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں؟

”نہیں! اسی یہے تو پوچھ رہا ہوں؟

”لیکن آپ کو سوتے سوتے کس طرح خیال آگیا کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔ شہناز بیگم بولیں:

”میں اس وقت باہر سے آ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے جانے کے بارے میں بتایا۔

”اوہ! تب تو وہ بھی آپ کے پیچے بی گئے ہو گئے شہناز بیگم بولیں۔

”بھی مجھے ڈر ہے۔ انہوں نے فخر مند لمحے میں کہا۔ اب سونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، انہوں نے

”دیوارہ باہر نکلنے کا پروگرام بنایا، تاکہ آفتاب اور آصف کو تلاش کر سکیں۔ ابھی کمرے سے نکلنے نہیں تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ وہ تیزی سے فون کی طرف چھپتے۔



”وہ کار جس کی ٹوکی میں آفتاب اور آصف دیکھے ہوئے تھے، ایک عمارت کے اندر داخل ہوئی۔ تین آدمی کار سے اتر کر عمارت میں چلے گئے، ان کے جاتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر آصف نے ٹوکی سے سر باہر نکالا، کار عمارت کے پورچ یہ کھڑی تھی پورچ میں ایک بلب روشن تھا۔ بلب کی روشنی میں اندر ہوئے انہوں نے جائزہ لیا اور اس پاس کسی کو نہ پا کر باہر نکل آئے۔ ”بہتر ہے کہ چھے اس کار کے نمبر نوٹ کر دیے جائیں، پھر تم باہر جا کر کسی جگہ سے انکل کو فون کر دو، میرا خیال ہے۔ ہم اس وقت عرفانی روڈ پر ہیں، کوئی بھٹی کا نمبر تم باہر دیکھ سکتے ہو۔ دا صفت نے سرگوشی میں کہا۔

”لیکن میں رات کے وقت فون کہاں سے کر دیں گا، معلوم نہیں اس پاس کوئی پبلک فون بوخہ ہے یا نہیں؟

”یار کسی کے گھر سے تو فون کر ہی سکتے ہو۔

”لیکن رات کے گیارہ بجے کون میرنے انتظار میں بیٹھا ہو گا

کہ کب اس کے لگھر میں جاؤں اور کب فون کروں اور کب وہ سونے کے لیے بیٹھ سکے۔

”تو ہر ہے، ارسے بھائی، آجھا گل بوگ اتنی جلدی نہیں سوتے۔ لی وی پر دگرام رات کے بارہ بجے سے پہلے ختم نہیں ہوتے۔ لیکو بھی لگھر میں روشنی دیکھ کر گھنٹی کا ہٹن دبا دینا۔“

”اور تم یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے، آخر تم میرے ساتھ کیوں نہیں چلتے؟“

”اس خطرے کے پیش نظر کہیں یہ بوگ یہاں سے بھی نکل نہ کھڑتے ہوں۔“

”اچھا بابا، جاتا ہوں، کارکے بنز تم خود نوٹ کرو۔“

”ٹھیک ہے جلدی جاؤ۔“

آفتاب ڈکی سے نکل کر بچانک کی طرف بڑھا اور اس کھول کر باہر نکل گیا۔ باہری طرف کو بھی کا نمبر لکھا تھا اور یہ داھی عرفانی روڈ تھی، کوئی بھی کا نمبر ایک سو انیس تھا۔ کوئی بچاں قدم کے بعد اسے ایک مکان کی بتیاں نظر آئیں۔ اس نے بڑھا گھنٹی کے ہٹن پر انگلی رکھ دی۔ گھنٹی کی آداز گوئی بھی۔ چند لمحوں کے بعد قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک نوجوان ریکی نے دروازہ کھول کر اس نے حیرت بھری نظر ڈالی۔

”کیا بات ہے؟“ بجے میں ناگواری تھی۔

”بجھے ایک فون کرنا ہے، اس نے کہا۔“

”پہلک فون بوجھے نہیں ہے،“ رذکی بولی۔

”بھی ماں بیس جانتا ہوں، لیکن یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر ایک کوئی میں چند جرام پیشہ اور قاتل بوگ داخل ہوئے ہیں، بجھے ان کے بارے میں ایک ذمے دار آفیسر کو اطلاع دینی ہے۔“ تھاگر دہ ان کی گرفتاری کا بندوبست کر سکیں، کیا آپ معاشرے میں بڑائی پھیلانے والوں کے خلاف جہاد میں کوئی حصہ لینا پسند نہیں کریں گی؟“ آفتاب نے اس کے چہرے پر نظریں جاتے ہوئے کہا۔

”تو یہ بات ہے.... اندرا آجاوٹ رذکی کی ساری ناگواری یک لخت دادر ہو گئی۔“

”وہ اسے فون تکم لے آئی اور خود بھی نزدیک کھڑتی ہو گئی۔“ آفتاب نے لگھر کے نمبر ڈائل کیے، دوسری طرف سے فوراً ہی رسیور اٹھایا گیا۔

”ہیلر.... اب آجان یہ میں ہوں آفتاب.... عرفانی روڈ سے بول رہا ہوں.... پر دفیسر افلک جاہ کی بجربہ گاہ سے فرار ہونے والے اس وقت عرفانی روڈ کی کوئی نمبر ایک سو انیس میں ہیں۔“

”بہت خوب! یہ کام دکھایا ہے تم دونوں نے، وہیں موجود ہنا،“

”میں آرہا ہوں۔“ دوسری طرف سے انپکٹر کامران مرزا نے پر جوش آواز میں کہا اور سلسہ منقطع ہو گیا۔

• آپ کا بہت بہت شکریہ ہے، آفتاب نے بھی رسیور رکھتے ہے۔
 • تم نے اپنا نام آفتاب بنایا ہے نا..... اور تمہارے آبا
 کا کیا نام ہے؟ رٹکی نے کسی قدر حیران ہو کر پوچھا۔
 "انہیں کامران مرزا کہتے ہیں۔" اس نے جواب دیا
 • بہت خوب! بھی خیال میجھے بھی گزرا تھا، آپ انیکڑا
 مرزا کے لڑکے ہیں اور آصف اس وقت کہا ہے: رٹکی نے
 پر جوش آواز میں پوچھا۔
 "وہ اس وقت کو عین نمبر ایک سوانیس کے دروازے پر مولیا
 معلوم ہوتا ہے، آپ ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتی ہیں۔
 ہاں! اخبارات میں آپ کے بارے میں جو کچھ بھی جھیلتا
 میں اسے بہت غور سے پڑھتی ہوں۔"
 "شکریہ! اب میں چلتا ہوں۔"
 جب تک وہ گھر سے نکل نہیں گی، رٹکی اسے بھتی بھتی نظر
 سے دیکھتی رہی، شاید اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا غما
 جن کے کارناموں کو پڑھنے کی وہ اتنی شوقیں ہے، ان
 سے ایک اس کے گھر فون کرنے آیا تھا۔
 آفتاب داپس لوٹا اور آصف کے پاس پہنچا۔ وہ کوئی
 باہر دیوار سے لگا کھڑا تھا:
 "کیا رہا؟ اس نے پوچھا۔

• فون کر دیا ہے، آبا جان آ رہے ہیں۔
 • بہت خوب! آصف نے سلطنت لے جئے میں کہا۔
 • اور ادھر کی کیا روپورٹ ہے؟
 "وہ لوگ ابھی تک اندر ہی موجود ہیں، کار کا نمبر میں نوٹ
 کر چکا ہوں۔"
 "کیوں نہ ہم کار کے ٹاروں سے ہوا نکال دیں، اس طرح
 ان کے فرار ہونے کا خطرہ نہیں رہے گا۔"
 "ترکیب تو ابھی ہے، لیکن ہوا نکلنے کی آواز گونج اکھٹے گی
 اور وہ لوگ بخود اپنے جائیں گے جب کہ ہم چاہتے ہیں، انکل
 کے آنے تک وہ مگن رہیں۔"
 "تمہاری بات بھی صحیک ہے، اس لیے ہم آبا جان کا انتظار
 کریں گے۔"

صرف پندرہ منٹ بعد انیکڑ کامران مرزا ان کے پاس پہنچ
 گئے، شاید وہ بہت تیز ڈرامونگ کرتے ہوئے آئے مجھے۔
 "وہ لوگ ابھی اندر ہی ہیں۔ انہوں نے دبی آواز میں پوچھا۔
 "بھی ہاں!"
 "آؤ میرے ساتھ، یہ سپتوں لا جھتوں میں لے لو، اگر ان میں سے
 کوئی بھی ذرا ہونے لگے تو بے شک خارج کر دینا، اب میں ان
 لوگوں کا فرار ہونا پسند نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا اور دونوں

کو ایک ایک پستول دیا ، میسر پستول انہوں نے اپنے دلیکس ہاتھ میں
لے لی اور چھاٹک کے اندر داخل ہوئے۔ روشن سے گزر کر وہ ایک
ٹولی براہمیے میں داخل ہوئے۔ اس میں صرف ایک طرف کمرے تھے۔ نیند میں تو نظر نہیں آتے۔ اصف نے کہا اور دونوں اندر داخل ہو گئے
لیکن یہ حب تاریک بڑے تھے، برآمدے کے آخر پر انہوں ... ایک

نیند نظر آیا، وہ سڑھیاں چڑھنے لگے۔ دوسرا منزیل پر صرف ایک کمرہ
نظر آیا، اس کے روشن دالوں سے روشنی جہانگیر ہی تھی۔
ٹینوں دبے پاؤں آگے بڑھے۔ انیک پر کامران مرزا نے دروازے
بند دباو ڈالا، وہ اپنی جگہ سے نہ ملا، شاید وہ اندر سے بند تھا۔
انہوں نے کمرے کے دوسریان پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے دیکھا، کمرے میں
اس بیٹے آدمی کے علاوہ دو آدمی اور تھے۔ کمرے میں ایک میز
کے گرد کرسیاں بچھی تھیں اور وہ ان پر بیٹھے تھے۔ دونوں اور
آگے بڑھ کر خالی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

”کیا مطلب ہے کون ہو تم لوگ؟“ بیٹے آدمی نے جھلک کر مرڑتے
ہوئے کہا۔

”ہم ابھی اپنا تعارف کرتے ہیں، میرا نام آفتاب احمد ہے اور یہ
اصف محمود ہیں.... اگر ہمارے ناموں نے آپ کو چونکا یا ہو تو
ساختہ میں یہ بھی سن سیں کہ میں انیک پر کامران مرزا کا بیٹا ہوں...
اور اصف میرا دوست ہے، یہ تو مختلط تعارف، اب میں ایک قدم
آگے بڑھتا ہوں، لیکن نہیں، میں تو کرسی پر بیٹھ چکا ہوں، قدم
آگے کس طرح بڑھاؤں، اودھ بان یاد آیا، قدم آگے بڑھانے

کو ایک ایک پستول دیا، میسر پستول انہوں نے اپنے دلیکس ہاتھ میں
لے لی اور چھاٹک کے اندر داخل ہوئے۔ روشن سے گزر کر وہ ایک
ٹولی براہمیے میں داخل ہوئے۔ اس میں صرف ایک طرف کمرے تھے۔ نیند میں تو نظر نہیں آتے۔ اصف نے کہا اور دونوں اندر داخل ہو گئے
لیکن یہ حب تاریک بڑے تھے، برآمدے کے آخر پر انہوں ... ایک

نیند نظر آیا، وہ سڑھیاں چڑھنے لگے۔ دوسرا منزیل پر صرف ایک کمرہ
نظر آیا، اس کے روشن دالوں سے روشنی جہانگیر ہی تھی۔
ٹینوں دبے پاؤں آگے بڑھے۔ انیک پر کامران مرزا نے دروازے
بند دباو ڈالا، وہ اپنی جگہ سے نہ ملا، شاید وہ اندر سے بند تھا۔
انہوں نے کمرے کے دوسریان پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے دیکھا، کمرے میں اب

اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ دروازہ پر دستک دیتے۔
اچانک ان کے ذہن میں ایک ترکیب آئی، انہوں نے آفتاب اور

اصف کو آگے بڑھ کر دستک دینے کا اشارہ کیا اور خود پچھے ہٹ
کر ایک تاریک گوشے میں دبک گئے۔ اصف اور آفتاب نے پستول
جیبوں میں رکھ لیے، آفتاب نے انگلی سے دروازے پر ٹھک ٹھک کی
یوں لگا جیسے اندر گھری خاموشی طاری ہو گئی ہو، اگرچہ انہیں
بائیں کرنے کی آداز پہلے بھی نہیں آ رہی تھی۔ چند سینٹ گزر گئے،
لیکن دروازہ پھر بھی نہ کھلا، آفتاب نے دوبارہ ذرا زور سے دستک
دی، آخر پرے ایک نٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک بہت بہت بلے آدھا
کا چھرہ نظر آیا۔ اس کے چھرے پر غصہ بھی تھا اور جھنگلا ہٹ بھی۔

سے پیرا مطلب یہ بھاکر میں آگے بیان کرتا ہوں کہ تو آگے
... آگے یارِ اصف میں بھلا آگے کی بیان کروں "اُنستھوں کی ہے تم نے تو آفتاب نے جل بھن کر کھا۔
اس کی طرف مردا اور خاموش ہو گی۔

"تم تو ہو بے وقت، ہمیشہ وقت منبع کرتے ہو تو انکوں دوستو! بات تمہارے پلے پڑ گئی ہے نا۔"
زبان بھی جب چل پڑتی ہے تو یہ نہیں دیکھتی کہ چلنے کا موقع۔ بالکل پڑ گئی ہے اور اب تم بھی وہیں پہنچ جاؤ گے جہاں
یا نہیں۔ اصف نے جنہلا کر کہ اور پھر کچھ کہنے کے لیے تو وہ فیر اس کا ملازم جا چکا ہے۔ لمبا آدمی غزا یا۔
ہوا بھی تھا کہ آفتاب بول پڑا: "اڑے باب رے! یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا کہ یہ
اس یہے موقع نہیں دیکھا کہ اس کی آنکھیں نہیں ہیں: لوگ ہمیں وہاں پہنچا سکتے ہیں، یارِ اصف کیا خیال ہے، جلو
اصف سکرایا۔

"پھر بے تم، سنو آگے یہی بیان کروں گا، ہاں تو دوہن، زیادہ شوق ہے تو تم ہی چنے جاؤ، میں بھی انہیں دھاں
..... بلکہ دشمنو، تم یعنوں ابھی پروفیسر افلک جاہ کی تحریر پر جھینے کا ہندو بست کرتا ہوں۔"
سے آرہے ہیں اور ہم یہ بھی جان پچکے ہیں کہ وہاں سے ان
کی ایک ایجاد چرا کر لائے ہیں، اب ہم تم سے وہ ایجاد کرنا کالا اور بولا:

"تم لوگ ہاتھ اوپرہ اٹھا دو دو دوستو۔" یہ کہنے کے لیے آئے ہیں، کیونکہ پروفیسر افلک جاہ ہمارے ملک
کا سامنی دان تھا، نہ کہ ہمارے ملک کا، دوسرے یہ کہ تم نے انہیں
لبے آدمی اور اس کے ساتھیوں نے پستول پر ایک ایسی
ان کے ملازم کو اور دو اور آدمیوں کو قتل بھی کیا ہے، اس قتل
کے جرم میں ہم نہیں گرفتار بھی کرنا چاہتے ہیں، نہیں کوئی اخلاق
تو نہیں ہے، تم دونوں یہاں تک کس طرح پہنچے؟

"تو بہ ہے، دوسروں کی زبانوں پر اغراض کرتے ہو، یہ مخفی
روپے لی کرتے ہیں، اگر ہمارے پاس نہد ہیں .. اور یہ نہ

کے لیے تیار ہو تو بتا دیتے ہیں ؟ یہ کہتے ہوئے آفتاب نے آفتاب نے بوكھلا کر کہا۔
بھی پستول نکال لیا اور درخواست کرنے کے انداز میں بولا: " یار آصف ! یہ لوگ کس مٹی کے بننے ہوئے ہیں ، سنتے
مجھی اب تو دو دو پستول ہو گئے ہیں ، اب تو ہاتھا ہی نہیں ۔"

اٹھا دو ۔
” وہ اس پر بھی لش سے مس نہ ہوئے۔ لیے آدمی نے پستولوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور غذا کر بولا:
” اگر تم نے ایک منٹ کے اندر اندر یہ نہ بتایا کہ تم یہاں تک کس طرح پہنچے ہو تو میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا ۔ ”
” لیکن ابھی ابھی تو تم ہمیں پروفیسر صاحب کے پاس پہنچا ہے مختے ۔ ۔ ۔ ہمارے خیال میں تو وہ اس وقت جنت میں چل قدیمی گزر ہے ہوں گے ۔ ”
” بحث ! تم نے بتایا نہیں ۔ ”

” سنو دوستو ! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں پستول چلانا نہیں آتا یا ہمارے نشانے کمزور ہوں گے تو یہ ہماری بھول ہے اور اس بھول سے شاید تمہیں پچھتنا پڑے ، لہذا اب بھی وقت ہے ، ہاتھ اوپر اٹھا دو ، شرافت سے مان جاؤ ، ورنہ ہم فائز کرنے پر بجور ہو جائیں گے ۔ ”

” چلو ! کرو فائز ، آزمالو اپنا نشانہ ۔ ” لبا آدمی بولا۔
آفتاب اور آصف کی آنکھوں میں ابھیں کے آثار نظر آئے

” چکنی مٹی کے ۔ ” آصف نے دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
” بہ معلوم ہوا ، تم نہیں بتاؤ گے اور نہ گولی چلاو گے ،
لہذا اب یہ دیکھو کہ میں تم لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہو رہا ۔ ”

” بھڑو بھی ! پہنچے مجھے ہے دو دو باتیں کر لو ۔ ”
اچانک ایک آداز نے انہیں چونکا دیا۔ سب کے سب ایک ساتھ دروازے کی طرف مرٹے اور انہوں نے دیکھا ، انپکڑ کامران مزا کھڑے مکرا رہے تھے ، ان کے ہاتھ میں بھی ایک پستول تھا ، پھر وہ اندر داخل ہوتے ، لیکن یعنی اسی وقت ایک دھماکا ہوا اور کمرہ دھوپیں سے بھر گی۔ دھواں اتنا گمرا تھا کہ وہ سب ایک دوسرے کی نظریوں سے اوچبل ہو گئے۔ انپکڑ کامران مزا فائز کرتے کرتے رہ گئے ، کیونکہ اندر آصف اور آفتاب بھی موجود تھے ، اس کے ساتھ ہی انکا سرزور سے چکرا یا ، شاید دھواں بہت زبریلا تھا ، اگرچہ انہوں نے سانس روک یا تھا ،

لیکن بم پہنچتے ہی ذرا سی مقدار ان کے ناخنوں میں گھس چکی تھی اور اس ذرا سی مقدار نے ہی انہیں سرپکڑنے پر مجبور کر دیا ، پھر اس سے پہلے کہ وہ کرے سے باہر کا رُخ کرتے ، انہیں ایک اور چکر آگی ، وہ دھرم سے گرسے اور بے ہوش ہو گئے ۔

نئی تحریک

صدقی احمد ایک بڑی فرم کے ناک رہتے ۔ ان کی کامی شہر سے ہٹ کر ایک پر فضا مقام پر رہتی ، یہاں کو جیساں دور دور اور گفتگی کی تھیں ، شام کا وقت تھا ، وہ اور ان کی بیگم ذریثہ صدقی میز پر موجود رہتے ۔ میز پر ان کا بیٹا دقار احمد بھی ان کے ساتھ تھا ۔ دوسرا بیٹا آج محل نیس کے یہے ناک سے باہر گیا ہوا تھا ، ملازم یز پر چائے کے برتن لگا رہا تھا کہ دروازے کی گفتگی بھی :

”دیکھو جبار...، کون ہے باہر؟“

جبار ان کے ملازم کا نام تھا ۔ یہ کالے سے ناک اور جھوٹے سے قد کا آدمی تھا ، وہ دروازے پر پہنچا ۔ وہاں دو آدمی موجود تھے ۔ انہوں نے انہوں پر بڑے بڑے چشمے لگا رکھے تھے ۔

ناخنوں میں پر لیف کیسی تھے :

”بھی فرمائیے ۔“ جبار نے کہا

”صدقی احمد صاحب یہیں رہتے ہیں ؟“ ان میں سے ایک نے پوچھا ۔

"جی ہاں :

"ہمیں ان سے کچھ کاروباری بات کرنا ہے؟ دوسرا بولا۔
"میں ابھی انہیں اطلاع دیتا ہوں، آپ اندر آ جائیں۔"
جبار انہیں ڈرائیگ روم میں لے آیا اور خود صدقیق احمد صدیق
کو اطلاع دینے پڑا؛ میز کے قریب پنچ کر اس نے کہا:
"دو آدمی میں جناب! کاروباری بات کرنا چاہتے ہیں؟
"ادھ اچھا۔ بیکم تم اور وقار چائے پیو، میں ابھی آتا ہوں۔
یہ کہ کر وہ اٹھتے ہی بھتے کو ٹھٹک کر رہ گئے۔

دونوں آدمی ڈرائیگ روم سے اٹھ کر کھانے کے کمرے میں
چلے آئے بھتے اور اس وقت ان کے سامنے کھڑے بھتے:
"آپ کو ڈرائیگ روم میں ہی بھترنا چاہیے تھا۔" صدقیق احمد
نے ناخوش گوار بھجے میں کہا۔

"ہمیں افسوس ہے کہ یہاں چلے آئے ہیکن ہم ایسا کرنے پر
محجور ہتھیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔
"کی مطلب؟ صدقیق احمد چونکے بیکم زرینہ صدقیق بھی
پریشان ہو گیں۔"

"ہم یہ دیکھنا چاہتے ہتھیں کہ اس گھر میں کل کتنے افراد رہتے ہیں?
میں سمجھا نہیں، آپ چاہتے کیا ہیں؟" صدقیق احمد بولے۔
"پہلے یہ بتائیے، یہاں اور کون رہتا ہے؟"

"ان دونوں اس گھر میں ہم چار ہیں، رہتے ہیں، ہمارا بڑا بیٹا

بیرون ملک گیا ہوا ہے۔"

"بہت خوب! ہم یہی جانا چاہتے ہتھیں، اب سنیے، ہم اس
گھر میں چند دن گزارنے آئے ہیں، ہم یہیں رہیں گے، یہیں
کھائیں پیس گے۔"

"کیا مطلب؟ صدقیق احمد بڑے زور سے چونکے۔ بیکم زرینہ،
وقار اور جبار تھجرا کئے۔"

"مطلب یہی ہے جو میں کہہ چکا ہوں، تعارف کے طور پر بتائے
دیتا ہوں کہ میرا نام پڑھو ہے اور میرے سامنی کو بالی کھتے ہیں۔
بدعاش لوگ ہمارا نام سن کر گھبرا جاتے ہیں، شریفوں کا ذکر ہی کیا،
لیکن چونکہ آپ لوگوں نے ہمارے نام نہیں سن رکھے، اس لیے
آپ لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہم کیا ہیں، خیر یہ بھی بتائے ہتھیں
ہیں، ہم گولی چلانا ہنسی کھیل سمجھتے ہیں، اس وقت تک نہ جانے
کہنے لوگ ہماری گویوں کا نشانہ بن چکے ہیں.... لیکن اگر کوئی ہمارے
راستے میں رکاوٹ طوا لئے کی گوشش نہ کرے تو ہم اسے کچھ نہیں
کھتے، ہم یہاں صرف چند دن بھریں گے اور یقین جائیں، آپ
لوگوں کو فقط کوئی نقسان نہیں پہنچائیں گے، ہم آپ کو دٹھنے کا
کوئی ارادہ نہیں رکھتے، بس چند دن یہاں گزاریں گے، اس سے آپ
یہ بھی نہ سمجھ لیں کہ ہم جیل سے بھاگے ہوئے ہیں اور پوچیں ہمارے

”گھر نے کی ضرورت نہیں، یہ صرف اس بیٹے کا کالا ہے کہ آپ لوگ کوئی غلط حرکت دکریں... اب اگر آپ چائے پی چکے ہوں تو ہم اپنا کام شروع کریں۔“

چائے پینے کو مچلا دیاں کس کا جی چاہتا؛ چنانچہ بالی آگے بڑھا اور اس نے جیب سے نایلوں کی روکنال کر بے س پید عازم جبار کے ہاتھ پر باندھ دیے۔ پھر صدیق احمد کی باری آئی، ان کے بعد بیگم زرینہ اور دقار کے ہاتھ پر باندھے گئے۔ پھر کمرے کے دروازے بند کرتے ہوتے وہ لوگ باہر نکل گئے۔ جلد ہی انہوں نے سیریاں چڑھنے کی آواز سنی، شاید وہ لوگ دوسری منزل پہ جا رہے تھے۔

”یا اللہ! یہ کی مصیبت نازل ہو گئی۔“ زرینہ بیگم نے گھر کر کہ۔

”خدا جانے، یہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔“ صدیق احمد بڑھا۔ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان کا پروگرام ہمیں دوٹھے کا ہے: جبار نے کہا۔

”نہیں! یہ بات نہیں ہے، تجوہی تو ابا جان کے کرے میں ہے اور وہ لوگ اور پر گئے ہیں، دوسرے یہ کہ نقدی اور زیورات تو گھر میں ہیں ہی نہیں، یہاں تو صرف چند ہزار ہوں گے۔“

”نہیں! یہ کوئی اور ہی چکر ہے، کیا ہے، الجھی کچھ نہیں کہا جا

پہچھے لگی ہوئی ہے، الیسی کوئی بات نہیں، پوسیں کے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں کہ اس وقت ہم کہاں ہیں؟“

”سوال یہ ہے کہ تم چند دن تک یہاں ختر کر کرنا کیا چاہتے ہوئے صدیق احمد نے حوصلہ کر کے پوچھا：“

”ایک بہت ضروری کام.... جو ہم صرف یہیں کر سکتے ہیں اور کہیں نہیں۔“

”اور اگر میں اس معاملے میں تم سے تعاون کرنے سے انکار کر دوں اور پوسیں کو فون کر دوں تو مجھے صدیق احمد بولے۔“

”آپ ایسا نہیں کر سکتے.... اندر داخل ہونے سے پہلے ہم ٹیکیوں کے تارکات چکے ہیں، اب آپ کسی کو فون نہیں کر سکیں گے، نہ کوئی آپ کو فون کر سکے گا۔“ آپ گھر سے باہر جائیں گے۔

”لیکن کھانے پینے کی چیزیں کہاں سے آیں گی؟“

”آپ فتحر نہ کریں، ہم میں سے ایک جا کرے آیا کرے گا، ہم سے کوئی پوچھے گا تو کہہ دیں گے، صدیق احمد صاحب کے نئے ملازم میں۔“

اب تو صدیق احمد، بیگم زرینہ، دقار اور جبار کا رنگ اڑ گیا۔

چہرے پر ہوایاں اڑنے لگیں۔ اسی وقت پیٹھوں نے پستول نکال لیا۔ پستول کو دیکھ کر وہ ختر کا نپینے لگئے۔

سکت۔ صدیق احمد بڑا رہا۔
پیٹو اور بابی اور دالی منزل کے اس کمرے میں پہنچے جس کو خیال آیا ایک عدد پارٹی کا۔ ایک صبح جب تک ان پکڑ جشید و فرط جا کھڑکی سڑک کی طرف تکستی ہتھی۔ انہوں نے کھڑکی کھول دیا، پھر دلوں بریف کیس پلنگ پر رکھ کر کھولنے لگے۔ اس کمرے میں دو پنگوں کے سوا کچھ نہیں تھے، بریف کمیوں میں سے انہوں نے کچھ سیاہ رنگ کے ٹکڑے نکالے اور انہیں آپس میں جوڑنے لگے تھوڑی دیر بعد ایک ٹینڈہ تیار ہو گیا۔ اب انہوں نے دوسرے ٹکڑوں پر توجہ دی اور انہیں جوڑنے لگے، جلد ہی انہوں نے اپنا کام مکمل کر دیا تھا۔ اچانک پیٹو کے منہ سے بڑا بڑا نے کے انداز میں نکلا۔

”ارے! یہ لوگ یہاں کہاں آ گئے؟“

○

محمود، فاروق اور فرزانہ ان دنوں چین کی بانسری بجا رہے تھے۔ محمد گرمائی چھٹیاں ہتھیں اور اپنے کام کا یعنی چوتھائی حصہ دہ مکمل کر کچھ رہتے، لہذا چین کی بانسری نہ بجا تے تو کیا کرتے، ہاں جو لوگ اپنا کام مکمل نہیں کرتے اور کھیل کو دیں میں وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ ان کے یہے چین کی بانسری بجانا صزور مشکل ہے۔ دنکم ان دنوں کوئی جاسوسی چکر بھی نہیں چلا ہوا تھا، لہذا ایسے میں

”میرا خیال ہے، کوئی پارٹی ہونی چاہیے۔“
”کسی پارٹی نے محمود نے بے خیال میں پوچھا۔“
”پارٹی تو پارٹی ہی ہوتی ہے، اس میں کسی کا کیا سوال؟“ فاروق
نے بڑا سامنہ بنایا۔

میرا مطلب ہے، پارٹی کون دے گا، کس سلسلے میں دی چائے گی اور پارٹی اڑائے گا کون نہ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

سید ہمی سادھی بات تو یہ ہے کہ پارٹی اڑائیں گے ہم، دے گا کون اور کس سلسلے میں ہو گی، یہ سوچنا تم دنوں کام ہے، آخر میں ہی ہر بات کیوں سوچوں۔ جب کہ پارٹی میں تم بھی برابر کے حصے دار ہو گے، ذرا اپنے دماغوں پر ہاتھ مارو، اپنی ذہانت کو آواز دو، عقلمندی کو ملکاروں اور سوچ بوجھ کو پکارو.....

”بس! میں سمجھ گئی کہ ہمیں کس کس چیز کو پکارنا، بلانا اور آذانا ہے..... آبا جان تو پارٹی دیتے سے صاف انکار کر دیں گے! انکل خدا رہمان کے ہاں ہم آکے دن پارٹیاں اڑاتے رہتے ہیں، لہذا کیوں نہ اس مرتبہ پروفیسر انکل سے پارٹی لی جائے۔“

”اگر تم دونوں نے اپس میں رہنا چکرنا شروع کر دیا تو پارٹی
دالا معاملہ کھلائی میں پڑ جائے گا۔“
”اور کسی معاملے کا کھلائی میں پڑنا کچھ اچھی بات نہیں ہوتی۔“
فاروق صلبی سے بولا۔

”شروع ہو گئے، اب کہاں رکو گے؟“ محمود جل کر بولا اور فرزانہ
مکرانے لگی۔ محمود کی آنکھوں میں شدید غصتے کے آثار دیکھ کر فاروق
نے دونوں باتھوں سے اپنا سندھا لیا۔ اخْر محمود نے خان رحمن کے
بزرگ ائل کیے... مسدود ہٹنے میں چند منٹ لگ گئے، شاید خان رحمن
فون پر کسی سے گفتگو کر رہے تھے اور جب وہ فون پر گفتگو
کرتے تھے تو گفتگو عام طور پر لمبی ہو جاتی تھی۔

”ہمیکو انکل احمدود بول رہا ہوں، خدا کی ذات سے پوری
امید ہے کہ آپ بالکل خیریت سے ہوں گے، ہم سب بھی
بہان خیریت سے ہیں، دیگر احوال یہ کہ.....“

”بھتی یہ تم فون کر رہے ہو یا خط پڑھ رہے ہو؟“ دوسری
طرف سے خان رحمن نے بات کاٹ دی۔

”سوری انکل اور ازبان بچسل گئی تھی تو محمود بولا۔“
”لیکن تم تو محمود ہو، فاروق تو نہیں تو خان رحمن بولے۔“

کتنے کا مطلب یہ تھا کہ زبان تو فاروق کی بچسلتی ہے۔
”جی کیا کروں، صحبت کا اثر ہو گی ہے تو محمود بولا اور فاروق

”شاندار خیال ہے، میں تائید کرتا ہوں۔“

”اب سوال یہ ہے کہ ان سے پارٹی کس طرح لی جائے، آخر“
بلادچہ تو پارٹی دینے سے رہے تو فاروق بولا۔

”یہ محمود تائے گا، کیونکہ اس نے ابھی تک صرف تائید کی ہے
اپنی طرف سے کوئی تجویز پیش نہیں کی۔ فرزانہ بولی۔“

”یہ کیا مشکل ہے، تم مجھے پروفیسر انکل سے فون پر بات کریں
دو۔ بلکہ پسے میں انکل خان رحمن سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”مہماں سے ذہن میں کیا ہے؟“ فرزانہ نے اسے لکھوا۔
”بعض سر ہے فاروق بول پڑا۔“

”پارٹی سے ذہن کو اپنے ذہن جیسا کیوں سمجھتے ہو..... ذہن
ویکھو تو کسی، کیا کام دکھاتا ہوں؟“

”اچھا بھائی دکھاؤ، اور اگر نہ دکھا سکو تو بتا دینا، ہم آج
بند کر دیں گے۔“ فاروق نے مسمی صورت بنائے کہا۔

”لیکن خیال رہے۔ ابا جان کی ناراضی نہ مول لینا پڑ جائے۔“
کیونکہ ہماری ایسی حرکات کبھی کبھی انہیں ناراضی بھی کر دیتی ہیں۔

”جان تک سیرا خیال ہے، ہم نے آج تک ان کی ناراضی کے
مول نہیں لی، بیٹھے بھائے سفت ہی مل جاتی ہے۔“ فاروق بڑا

”پہلے تو یہ بتاو، مہماں خیال ہے کہاں تک“ فرزانہ جملہ
اس کی طرف مردی۔

اے بُری طرح گھونٹے لگا، کیونکہ وہ اور فرزانہ بھی یسپور کے قریب
کان کیے گھڑے تھے۔

”اچھا اچھا ! خان رحمان بنے : خیر آگے کوہ کیا معاملہ ہے

“آج شام پر وفیر انگل ایک عدد پارٹی دے رہے ہیں، اسکے
پارٹی میں اپ لوگوں کی شرکت بھی انتہائی صزوری ہے۔

”اور یہ پارٹی وہ کس خوشی میں دے رہے ہیں؟

”ابھی تک یہ بات طے نہیں ہد سکی کہ بہانا کس خوشی کا
بنایا جائے۔

”کیا مطلب؟ خان رحمان چونک کر بولے۔

”جبی بات دراصل یہ ہے کہ ابھی تک پر وفیر انگل کے
فرشتوں کو خود بھی خبر نہیں کر دے آج شام پارٹی دے رہے
ہیں تے محمود نے مسکرا کر کہا۔

”ادا میں سمجھا، یہ پارٹی تم ان سے لینا چاہتے ہو، خیر مجھے
منظور ہے، ہم سب دہال پہنچ جائیں گے..... اس سلسلے میں میری
مد کی صزورت تو نہیں۔

”صزورت ہے، اسی یہے تو فون کیا ہے۔ محمود نے کہا۔

”تو بتاؤ! میں کیا کروں؟

”اگر آبا جان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ چکر ہم نے چلایا ہے اور
یہ کہ پارٹی پر وفیر انگل نے اپنی مرضی سے نہیں دی تو وہ ہم

پر بگڑی گے، جب کہ ہم تینوں کی یہ خواہش ہے کہ وہ ہم
پر نہ بگڑیں۔

”سمجھ گی، وہ نہیں بگڑاں گے ؎ خان رحمان بولے۔

”بجلی کیسے نہیں بگڑی گے، آپ کیا کریں گے؟

”جب وہ بگڑنے لگیں گے تو یہ درمیان میں آجائیں گا، تم
لوگ فخر نہ کرو۔

”بھی نہیں، یوں بات نہیں بنے گی۔ محمود نے کہا۔

”تو پھر کس طرح بات بنے گی؟

”ہمیں درمیان سے نکال دیں۔ محمود نے کہا۔

”تمہیں درمیان سے نکال دوں تو پھر پارٹی کا کیا لطف آئے گا،
بھی تم خود ہی تو یہ پارٹی یہاں چاہتے ہو اور خود ہی نکل جانا
چاہتے ہو، یہ کیا اوت پلانگ بائیں کر رہے ہو۔ خان رحمان قد
جن بھلا کر بولے:

”آپ سمجھے نہیں انگل؛ پر وفیر انگل کو کسی طرح آپ پارٹی پر
بجبر کریں۔

”اوہ! تو یہ بات ہے، خیر ٹھیک ہے، میں ابھی یہ کام
کرتا ہوں، محتوڑی دیر بعد تمہیں فون پر اطلاع دوں گا کہ
کیا رہا۔

”بہت بہت شکریہ انکل، ہمیں آپ سے یہی امید تھی ہے
جموں نے خوش ہو کر کما اور دوسری طرف سے ریسیور رکھے جانے کی
آواز سن کر خود بھی ریسیور رکھ دیا۔
”کیوں کیسی رہی؟

”شاندار! فاروق اور فرزانہ نے ایک ساتھ کہا اور تینوں خان
رحمان کے فون کا انتظار کرنے لگے۔

خان رحمان نے پروفیسر داؤڈ کے نمبر ڈال لیے۔ دوسری طرف سے
ریسیور فوراً ہی اچھا یا گی اور پروفیسر کی آواز سنائی دی:
”پروفیسر داؤڈ ہی بیرون!

”اور یہ میں ہوں خان رحمان!

”ہمیں رحمان یہ تم ہو، مجھے یقین نہیں آتا۔ پروفیسر داؤڈ بھوں
کی طرح خوش ہو کر بولے۔

”کیوں بھی.... کیا میں غیر یقینی چیز ہوں؟ خان رحمان ہنسنے۔
”میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم بلا ضرورت کبھی فون نہیں کرتے،
پھر بولا آج کیسے کر دیا تھا پروفیسر داؤڈ بولے۔

”لیکن آپ نے یہ کس طرح جان دیا کہ میں نے آج بلا ضرورت
فون کیا ہے؟ جواب میں خان رحمان نے ہنس کر کہا۔

”ہمیں! تو تم نے ضرورتا فون کیا ہے، بڑے مطلبی ہو یا ر، خیر
کہو، کیا بات ہے؟
”پروفیسر صاحب! بہت دونوں سے کوئی پارٹی ہوئی نہیں اڑائی گئی،

کی خیال ہے، ہو جائے کچھ ۔ خان رحمان نے گول مول انداز میں کہا۔
ٹھیک ہے، میں ابھی فون کرتا ہوں تھا کہ پروفیسر داؤد
نے سلسلہ بند کر دیا اور انپکٹر جمشید کے دفتر کے نمبر ملائے۔ چند
سینئر کے بعد سلسلہ مل گیا۔

”ہیلو جمشید، کیا حال ہے؟“

”شکر الحمد اللہ پروفیسر صاحب، آپ نے یہ کیا حال ہے؟“
”شکر ہے خدا کا.... فون اس یہے کہا تھا کہ آج تم سب کو
یرے ہاں آنا ہے۔ پروفیسر بولے۔
”کیا کوئی خاص بات ہے؟“

”میں تھیں اور خان رحمان کو پارٹی دے رہے ہوں۔“
”یہ یکاکی پارٹی کی کیوں سوچی آپ کو؟ انپکٹر جمشید چونکے۔
ان کا ذہن فوراً محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف چلا گیا کہ کہیں
انہوں نے تو کوئی شرارت نہیں کی۔“

”بھی بس یونہی، مل ٹھیکیں گے اور کچھ کھائیں پیں گے...“

”پھر بھی.... آپ کو پارٹی کا خیال کس طرح آگیا۔“

”بھی شکر نہ کرو، اس سعائے میں محمود، فاروق اور فرزانہ
کا باختہ بالکل نہیں، دراصل یہ خیال خان رحمان کو آیا تھا، یہ اور بات
ہے کہ خود میری بھی ہی خواہش صحی کہ چند گھنٹوں کے لیے مل
کر وقت گزاریں۔“

”بہت خوب! تو ٹھیک، ہے، بہم آتے ہوں گا۔“

”پارٹی ابھی بچ کھوں، دل تو میرا بھی یہی چاہ رہا تھا کہ ہم
چند گھنٹوں کے لیے سب ایک جگہ جمع ہوں اور کچھ کھائیں پیں۔۔۔
دیکھو گا، اگر ایسے پروگرام نہ ہوں تو یہ زندگی کی گاڑی کچھ محشری
محشری سے لگنے لگتی ہے، کیا خیال ہے؟“

”بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے، مجھے تو اس گاڑی کا انجن ہی
خراب محسوس ہونے لگا ہے۔ خان رحمان بولے۔“

”تو ٹھیک ہے، آؤ ہم سب اس گاڑی کو دھکا لگائیں،
کھو، میں کب آؤں تھا رے ہاں پارٹی اڑانے کے لیے اور کون کون
وگ آرہے ہیں؟“

”میرے ہاں تو روزہ ہی پارٹیاں ہوتی رہتی ہیں، آج تو پارٹی
آپ کے ہاں ہوگی۔ خان رحمان نے مضبوط لیے ہیں کہا۔“

”ارے تو یہ بات ہے، باب رے، پروفیسر گھبرا کر بولے۔“

”خرپ سے گھبرا رہے ہیں تو تمام اخراجات میرے ذائقے۔
بھی میں اتنا عزیب نہیں اور کنجوں بھی نہیں ہوں، لہذا شام
کی پارٹی لجھے گئی، لیکن یار اس میں ہم یعنی گھر دار کے سوا کوئی
نہیں ہو گا، پھر مرا نہیں آتا۔“

”بالکل ٹھیک! میرا بھی یہی چیل ہے، اب آپ جمشید کو فون
کر دیں۔“

خان رحمن نے اسپکٹر جیشید کے گھر کے بہر ڈائل کیے، فوراً
ہی محمود کی آواز سنائی دی:

"ہیلو! میں محمود احمد بول رہا ہوں۔"

"لو بھئی! کام ہو گیا۔ پروفیسر مان گئے ہیں اور تمہارا ذکر
درمیان میں نہیں آیا۔" خان رحمن نے پرست لمحے میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ انکل... انکل ہو تو آپ جیسا۔"

"بس! ملکھن نے لگاؤ۔" خان رحمن سنبھلے۔

"جی بہتر! محمود نے مقصودیت سے کہا اور خان رحمن نے
ہنسنے ہوئے فون بند کر دیا۔"

"پارٹی کا استظام تو ہو گیا ہے، پروفیسر انکل ابا جان کو
فون کر لے گے اور وہ ضرور چونکے ہوں گے، ان کا
خیال ہماری طرف ضرور جائے گا، لہذا پوری احتیاط کرنی ہے،
کسی حرکت سے بھی یہ غاہر نہیں ہوتے دینا کہ یہ سیکم ہماری
حقیقت محمود نے یہی سور رکھتے ہوئے کہا۔"

"ہاں! یہ ضروری ہے، درستہ ابا جان کم از کم سکان تو ضرور ہی
کچھ ڈالیں گے۔"

"ہمیں پارٹی میں جانے کے لیے پہلے سے تیاری بھی نہیں کرنے
ہوئے والی لفڑیوں انہوں نے نہیں سنی، لہذا ان کی طرف سے

چاہیے، پڑوں دیغڑہ کی طرف بھی توجہ نہیں دینی چاہیے، سب کام
اس وقت کریں گے، جب ابا جان آکر ہمیں بتائیں گے تھے
فرزادہ بولی۔

"لیکن یہ بھی دہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں فون پر اطلاع دیں۔"
فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"اس صورت میں ہم تیاری کر لیں گے، لیکن میں جانتی ہوں،
وہ فون پر اطلاع ہرگز نہیں دیں گے، خود ہی آکر ہمیں بتائیں
گے اور اس وقت ہمارے چہروں کے تاثرات کا جائزہ لیں گے۔
ہم دبی لمحہ نازک ہو گا۔" فرزادہ نے کہا۔

"ہم کوئی تاثر منودار نہیں ہونے دیں گے۔"
ان کی تیز نظرؤں سے خود کو محفوظ رکھنا اتنے آسان

نہیں ہو گا۔"
خیر دیکھا جائے گا، جب اوکھی میں سردیا تو موصلوں کا کیا
ڈر۔ فاروق نے کہا۔

"اور ہاں بامی جان کو بھی ہمارے پروگرام کی کافیں کافیں
خبر نہیں ہوئی چاہیے، درستہ وہ چہرے کے تاثرات کو چھپا نہیں
سکیں گی۔" فرزادہ نے انہیں خبردار کیا۔

"بات تو تھیک ہے، خیر وہ اپنے کمرے میں ہیں اور فون پر
ہونے والی لفڑیوں انہوں نے نہیں سنی، لہذا ان کی طرف سے

لک ہر سکتا ہے ؟ محمود بولا۔

” تو کیوں نہ ابًا جان سے ہی اجازت لیں ؟ فاروق نے کہا۔

” یہ تھیک رہے گا ؟ فرزانہ بولی۔

” تب تم ہی انہیں فون کرو ؟ محمود نے کہا اور فرزانہ نے

دفتر کے نمبر ڈائل کیے۔ پھر ان کی آواز سن کر بولی۔

” ابًا جان ! ہم ذرا پروفیسر انکل کے گھر جانا چاہتے ہیں۔

” کیوں ؟ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

” بس یونہی گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہو رہے ہیں۔ کام

اوہم اپنا تقریباً مکمل کر چکے ہیں، مسوچا ذرا شائستہ اور پروفیسر

انکل سے ہی مل آئیں۔

” تھیک ہے چلے جاؤ لیکن فالپی رات سے پہلے نہیں

ہو گی ؟ دوسری طرف سے ایک پڑھنے والے کہا۔

” جی کیا مطلب ؟

” آج پروفیسر ہمیں اور خان رحمان کو پارٹی دے رہے ہیں،

اس پارٹی کا خیال انہیں خان رحمان نے دلایا ہے لہذا میں

اور تمہاری امی جان بھی شام کو دہاں پہنچ جائیں گے اور اکٹھے

ہی فالپی آئیں گے۔

” اوہروا یہ تو اور بھی مزے دار بات ہو گئی ؟

” ہاں ! اب تم سوچ لو، اس وقت جانا چاہتے ہو یا شام کو۔

بے فکر رہو ؟ محمود بولا۔

” تو پھر آؤ، اپنے کمرے میں چل کر سکول کا باقی ماندہ کام ختم کرنے کی گوشش کریں۔ ایک بار کام مکمل ہو جائے تو بنے فرزاں رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اور زیادہ کام کرنے کے لیے وقت دفتر کے نمبر ڈائل کیے۔ پھر ان کی آواز سن کر بولی۔

” مجھے پروفیسر انکل اور شائستہ کا خیال ستارہ ہے۔ ان

بیچاروں کو پارٹی کی تیاری خود کرنا پڑے گی ؟ فرزانہ نے کہا۔

” پروفیسر داؤد گھر میں ملازم رکھنا پسند نہیں کرتے ہیں۔ بس ایک

بادرچی ہوتا، جو ان کا کھانا بھی تیار کرتا ہتا اور بازار سے

سودا سلف بھی لاتا ہتا، لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں رہت

ہتا، کام سے فارغ ہو کر وہ اپنے گھر جلا جایا کرتا ہتا۔ دوسرے

ان کا ایک اسٹنٹ ہوتا، جو تجربہ گاہ میں ان کا یا بھت پیایا

کرتا ہتا۔

” تو پھر چلو چل کر ان کا ہاتھ بٹا میں ؟ محمود نے سمجھے

سمجھے بغیر کہا۔

” دیرہ کہا ! یہ بہت اچھا رہے گا.... اس طرح ہم ابًا جان

کی نظرداری سے بھی محفوظ رہیں گے ؟ فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

” ترکیب و تھی نوردار ہے، لیکن اس کے لیے بھی ہمیں

امی جان سے اجازت لینا پڑے گی، اور اس طرح انہیں

"میرا خیال ہے، ہم ابھی ملے جاتے ہیں، پارٹی کے سلے ہیں یہ ہے؟
ان کا ہاتھ بٹا سکیں گے؟"

"جلیسے تھاری مرضی۔ انپکٹر جشید نے کہا اور فون بند کر دیا
فرزانہ نے یہ سو رکھتے ہوئے کہا۔
اوہ... یہ ہیں وہ، میں نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔

"اب ہم شک کی زد میں آنے سے بال بال پچ گئے ہیں
ان کی موجودگی میں معامل خراب ہو سکتا ہے، یہ شیطان کے
ویری گڑا! آؤ چلیں۔"

انہوں نے بیکم جشید کو پہنچرام کے بارے میں بتایا اور ہمیں یا تو اس کام سے انکار کر دینا چاہیے، یا پھر مسٹر خمان
ان سے رخصت ہو کر باہر آئے۔ محمود نے فرزانہ کو اپنی

مورٹر سائیکل پر بھایا اور فاروق نے اپنی مورٹر سائیکل سنبھالی
کرو، اگر خطہ محسوس ہو رہا ہے تو ہم اس کام سے باز
چھوڑی دیر بعد وہ پروفیسر صاحب کی کوٹھی کے چھانک تک
آجائیں گے۔ چھانک بند تھا، اس لیے فاروق کو نہیں اتر کر گھنٹی

کا مٹن دبانا پڑا۔ اس دوران فرزانہ گردن گھاٹک ادھر ادھر
دیکھنے لگی اور پھر چونک اٹھی۔ اس کے منہ سے نکلا:

"اڑے! یہ کیا؟"



"یہ میرا اور تھارا ایک ساختہ کام کرنے کا پہلا موقع ہے،
میں اسے درمیان میں پھوڑنا پستہ نہیں کروں گا۔ نیپٹو بولا
اور پھر خود نیچے سے فون اٹھا لایا۔ اس نے خومان کے دیے
ہوئے بزرگواری کرنے شروع کیے۔ کل شام ایک شخص نے

ان سے ہٹل الفارسیہ میں ملاقات کی بھتی اور اپنا نام خومان

بتایا تھا۔ اس نے ایک عجیب و غریب کام انہیں سوچا تھا۔

اچانک سلسلہ مل گیا اور دوسری طرف سے ایک کرخت آواز سنائی گئی
دیکھ رہے تم۔ نیپٹو نے غصے میں آکر کہا۔

"میں نیپٹو ہوں، کیا آپ مسٹر خمان ہیں؟ نیپٹو نے گھبرا کر

"کیا ہوا؟" بالي نے بھی حیران ہو کر پوچھا۔

"دروازے پر آکر رکنے والے ان تین شیطانوں کو نہیں

دیکھ رہے تم۔ نیپٹو نے غصے میں آکر کہا۔

کہا، نہ جانے کیوں مستر خوناں سے مل کر اسے گھراہٹ سکا
ہوئی تھی اور فون کرتے وقت یہ گھراہٹ پھر آموجد ہوئی
ہاں! میں ہی ہوں، کیا بات ہے، میں نے کہا تھا کہ
اہم صزورت پڑنے پر ہی فون کرنا۔ دوسری طرف کہا گیا۔
”کچھ ایسی ہی بات ہے جناب! آپ نے اس کام کے
ہمیں پانچ ہزار روپے دیے ہیں، لیکن اب ہم محسوس کر رہے
ہیں کہ ہم نے مہنگا سودا کیا ہے، یہاں ہم نے ابھی ابھی
جشنید کے بچوں کو آتے دیکھا ہے۔“
”کیا مطلب؟ کیا وہ اس کوٹھی میں گئے ہیں جس کا تمیں رکھنے کی آواز آئی۔
سونپا گی ہے۔“ خوناں کی آواز میں حیرت تھی۔
”جی ہاں جناب! اور ان بچوں سے خدا بچائے، اڑتی چڑیا
میں کیا بات ہے، ڈد لگتا ہے؟“

”میری حالت بھی اسے دیکھ کر یہی ہو جاتی ہے، لیکن میں
ہو، کیا اس کام سے ہاتھ اٹھا لیتا چاہتے ہو، اس صورت
میں تمیں میرے پانچ ہزار روپے لوٹانے ہوں گے، دوسری صورت میں ہمارے کام آجائے؟“
”خیر دیکھا جائے گا، اب ہم ان دس ہزار روپیں سے ہاتھ
ٹوٹھو نہیں سکتے“ بالی بولا۔
”اتنے مستر خوناں یہاں آتے ہیں ہم ان کی ہدایات
کو غور سے پڑھ لیں، کیا خیال ہے؟“
”تیار ہیں، لیکن ایک شرط اور ہے۔“
”وہ بھی بتاؤ۔“

ہاں ٹھیک ہے :

نیپٹو نے جیب سے ایک پرچم نکلا، اس پر پے پہ مرخ
خونان نے اپنے ہاتھ سے کچھ ہدایات لکھ کر دی تھیں۔ دونوں
ان ہدایات کو خور سے پڑھنے لگے۔



لطف نہیں رہ جاتا۔ فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔
”شروع ہو گی گھاؤ بھراو۔“ فاروق نے جھلکا کر کہا۔
”او، او، او... اندر آؤ، تم پارٹی کے انتظامات میں مگن ہو
جاؤ، میں خود ہی دیکھو ہوں گی کہ کی معاملہ ہے۔“
لکھنئی کی آواز سن کر شاستہ دورانی ہوئی آئی اور انہیں
دیکھو کر بھول کی طرح کھل گئی۔
”یہ بہت اچھا ہوا کہ تم لوگ وقت سے بہت پہلے آگئے۔“
”ہم نے یہاں آنے کے لیے ابا جان سے فون پر اجازت مانچی تو
تم نے بتایا کہ آج انکل پارٹی دے رہے ہیں۔“ فرزانہ نے
جلدی سے کہا۔
”بہت خوب! آج کا دن خوب گزرے گا، پارٹی کے انتظامات
بھی سب مل کر کریں گے۔“ شاستہ چکی۔
لیکن فرزانہ ذرا اور طرف صروف ہونا چاہتی ہے۔ فاروق
نے جل کر کہا۔
”کیا مطلب ہے؟“ شاستہ چونچی۔

”کچھ نہیں، مجھے ایک عجیب سی چیز نظر آئی تھی، میں تو
ذرا اسے غور سے دیکھوں گی اور بس، اس کا یہ مطلب نہیں
کہ میں زبردستی کوئی چکر چلانا چاہتی ہوں۔“
”ایسی کیا چیز نظر آئی ہے؟“

”کیا ہوں، تمہارے منہ سے ارسے یہ کیا، کیوں نکلا، میرا باز
فرما کر اپنے ارسے یہ کیا، اور وہ کیا کو اپنے پاس ہی رکھ
ہم یہاں ایک عدد پارٹی اڑانے آئے ہیں اور اس پارٹی کے
دوران کوئی ایسی ولیسی بات نہیں چلے گی۔“ فاروق نے جھینچا
”محبتی اسے یہ تو بتا یعنے دو کہ اس کے منہ سے ارسے یہ
کیا نکلا کیوں، ہو سکتا ہے، فرزانہ کوئی بات بھول گئی ہو۔
”فرزانہ اور کوئی بات بھول جائے، کیا بات کر رہے ہو بھائی۔“
فاروق نے برا سامنہ بنایا۔

”ہاں! یہ ٹھیک ہے، میں کچھ بھول دوں نہیں کہا دراصل
مجھے ایک عجیب چیز نظر آئی ہے، لیکن میں اس جگہ سے تھیں
وہ چیز نہیں دکھاؤں گی، اس طرح مجھے اشارہ کرنا پڑے گا ا
تم دونوں ایک دم ادھر دیکھو گے، اس طرح معاملہ راز میں
نہیں رہے گا اور جو معاملہ راز میں نہ رہے، اس میں کوئی

”بچہ گاہ میں ہیں۔“
”ٹھیک ہے، ان کے پاس تو بعد میں چلیں گے، پس آیا ہے۔“

کو دیکھ لیں، آؤ میرے ساتھ۔ فرزان نے کہا اور زینتے بڑھی۔

”میں تو ہرگز نہیں دیکھوں گا۔“ فاروق بولا۔
”تو ہمارے ساتھ کیوں آگئے، جا کر انکل کے پاس بیٹھو۔“
”ان کے پاس تو بیٹھنا ہی ہے۔۔۔ پسے یہ تو دیکھ لوں کہ تم
بے ساختہ مسکرا رہی ہیں۔“

کون سا تیر مارنے جا رہی ہو۔ فاروق بولا۔

”خود ہی کہتے ہو، میں نہیں دیکھوں گا اور خود ہی اپنی بات
کی تردید کرتے ہو۔“

”کھڑکی میں سے خود نہیں دیکھوں گا، محمود اور شائستہ دیکھیں
گے۔“ فاروق نے تڑ سے جواب دیا۔

”اچھا اچھا! جو تمہارا جی چاہے، وہ کرو، یہ ہم بھی جانتے
ہیں کہ تم اول نمبر کے کام چور ہو، سہیشہ مشکلات سے جی
چراتے ہو۔“

”یہ خبر میرے یہے بالکل نسیٰ اور دلچسپ ہے۔“ فاروق نے
خوش ہو کر کہا۔

”محمود نے ان کی گفتگو سے تیگ آکر قدم آگئے بٹھایا اور
پردہ تک رہا۔“
”سُو؟“ فرزان نے رازدارانہ لمحے میں کہا۔ پردہ ذرا

”تم دیکھ لینا، یہ ضرور ہمیں کسی جگہ میں الجھانے گا۔“
کا لطف غارت ہو جائے گا۔“

”اچھا یا۔۔۔ دیکھ لیں گے، میرا خیال ہے، تم بلاوجہ
کے پچھے پڑ گئے ہو۔“ محمود نے تنگ آ کر کہا۔

”ٹھیک ہے میں سمجھ گیا، تم بھی اس کے ساتھ شامل
گئے ہو اور شائستہ بھی، میں اکیلا رہ گیا۔ خیر کوئی
نہیں، حامد اسرور اور ناز بھی تو آئیں گے آخر۔“ اس

کسی لڑاکا خورت کے انداز میں کہا اور وہ مسکراتے گئے۔

فرزانہ انہیں لے کر اوپرے والی منزل کے اس آٹھ
میں آئی جس کی کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی ہے۔ کھڑکی
پردہ تک رہا۔

پہ نظر پڑتے ہی دہ چونک ایخا۔ اس کے منہ سے بے نکلا تھا۔ اس کے آڈ چلیں۔

نینوں پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کی طرف چل پڑتے ہی دونوں
امیانوں کے درمیان میں ایک تو سڑک کافی بڑی تھی، دوسرے
اس نے محمود کو پہنچے ہٹا دیا اور خود بھی سامنے دیکھا۔ اس کھڑکی میں
وہ بھی چونک کر پہنچے تھیں؛
سب چیز انہیں دور بین کے بغیر بھی صاف نظر آ جاتی۔ چاروں سے
تجربہ گاہ میں داخل ہوئے، پروفیسر داؤد انہیں دیکھ کر بھل اٹھے۔
اچھی بات ہے۔ محمود نے کہا۔

”جی..... وہ..... ہم دراصل آپ کا ٹاٹھ بٹانے آئے تھے۔ آپ
کے پاس دور بین تو ہو گی۔“ فاروق نے جلدی سے کہا۔
”نہیں بتاتے، نہ بتاؤ، میں خود ہی دیکھ لوں گا۔“ یہ کہ
کر دہ آگے بڑھا اور اس نے بھی جھری میں سے سامنے دیکھا
وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور بول ایخا۔

”یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کھڑکی میں کوئی بیوی
سی تو پ نسب کر دی گئی ہو، خدا نخواستہ کیا ان لوگوں کا الا
تجربہ گاہ پر گولہ باری کرنے کا ہے۔“

”تمہاری تم ہی جانو، کوئی چکر تو نہیں چلانے والے۔“ پروفیسر
داؤد مکارے اور ایکھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ایک الماری کھولی
اور اس میں ایک دور بین نکالتے ہوئے بولے:
”یہ انتہائی طاقت در دور بین ہے، میلوں کی چیز بھی بالکل

پہ نظر پڑتے ہی دہ چونک ایخا۔ اس کے منہ سے بے نکلا تھا۔ اس کے آڈ چلیں۔

”سن کر شاستہ بے تابی کے عالم میں آگے بڑھ لیں گے اس کے درمیان میں ایک تو سڑک کافی بڑی تھی، دوسرے
اس نے محمود کو پہنچے ہٹا دیا اور خود بھی سامنے دیکھا۔ اس کھڑکی میں
وہ بھی چونک کر پہنچے تھیں؛
”تم دونوں فاروق کو نہ بتانا کہ کیا دیکھا ہے۔“

فاروق نے پہلے محمود اور پھر شاستہ پر ایک نہ
ڈالی، شاستہ اسے کافی فکر مند نظر آئی۔ اس نے جلدی سے
”نہیں بتاتے، نہ بتاؤ، میں خود ہی دیکھ لوں گا۔“ یہ کہ
کر دہ آگے بڑھا اور اس نے بھی جھری میں سے سامنے دیکھا
وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور بول ایخا۔

”میرا پر وکرام یہ ہے کہ انکل سے ایک دور بین لا کر اس
چیز کو دیکھا جائے۔ اس صورت میں ہی ہم جان سکیں گے ا
یہ کیا چیز ہے۔“ فرزانہ نے کہا۔

صاف نظر آجائی ہے... میکن پہلے اسے استعمال کرنے کا طریقہ سمجھو
لو، کیونکہ یہ عام دور بین نہیں ہے۔

انہوں نے استعمال کا طریقہ سمجھنے میں صرف ایک منٹ لگایا
اور پھر دور بین لے کر دوبارہ اس کمرے میں آئے۔ سب سے
پہلے مجھ نے دور بین آنکھوں سے لکائی، پر وہ ذرا سارہ کایا گیا
فوراً ہی اسے یوں لگا جیسے سامنے والے مکان کی کھڑکی اس کی
آنکھوں کے بالکل سامنے آ گئی ہو، دوسرا مجھ چونکا دینے
 والا تھا۔

اس کھڑکی میں بھی ایک دور بین نصب تھی۔

دوسری دور بین

نیپتو اور بالی ہدایات پڑھ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ دروازے
لکھنخی بھی۔ دونوں جو نک اٹھتے۔

”مریا خیال ہے، مسٹر خومان اتنی جلدی تو نہیں آ سکتے:
اگر پر مسٹر خومان نہیں ہیں تو پھر کون ہو سکتا ہے؟“ بالی نے
فرماد ہو کر کہا۔

”شاید مسٹر صدیق احمد کا کوئی ملا قاتی ہو؟“
”کہیں معاملہ گرد بڑ رہ ہو جائے۔ مسٹر خومان یہ پاہتے ہیں کہ
کسی کو بھی ہماری یہاں موجودگی کی خبر نہ ہو۔“ نیپتو بولا۔
”یکن جا کر دیکھتا تو پڑائے گا ہی۔“

”ٹھیک ہے، تم جاؤ، میں تم سے چند قدم پچھے رہوں گا،
اگر وہ کوئی ملا قاتی ہو تو اسے یہ کہہ کر مٹاں دینا کہ گھر کے افراد
کہیں گئے ہوئے ہیں اور ہم ان کے ہاں مجاہن آئے ہوئے ہیں۔“
”ابھی بات ہے۔“ بالی نے کہا اور پیچے اتر کر دروازے کی
طرف بڑھا۔ دروازہ کھولتے ہی وہ دھک سے رہ گیا:

”مستر خومان آپ! اتنی جلدی پہنچ گئے۔ اس کے مزے کھڑا ہتا۔ قدموں کی آہٹ سون کر مرڑا:

”خومان کے ہاتھ میں ایک ریڑیو ہتھا۔

”لہاں میں بہت تیز ڈرائیور نگ کا عادی ہوں، تم سادہ، بہاں۔

کیا حالات یہیں: مستر خومان کی سرد آواز اس کے کاؤن سے تنگاں

نہ جانے کیوں، وہ سر سے پاؤں تک کاشپ گیا۔ خومان نے آنکھوں

سیاہ چشمے لگا رکھا ہتا، براڈن رنگ کے سوت میں وہ کافی بار

نظر آ رہا ہتا۔

”ابھی تک سب کچھ با بلکل ٹھیک ہے، ہم کھڑا کی میں دور بین لہب

کر پکے یہیں اور اس میں سے بدستور سامنے والی کوچھ کی نظر گائی کرہے ہیں

”ابھی تک کوئی پوسٹ میں تو نہیں آیا۔“

”جی نہیں، سوائے ان یقینوں کے کوئی نہیں آیا۔“

”اور اس گھر کے افراد کا کیا کیا؟“

”انہیں باندھ کر ایک کرے میں بند کر دیا گیا ہے۔“

”انہیں باندھ کر ایک کرے میں بند کر دیا گیا ہے۔“

”بہت خوب! تم دونوں بہترن کارکن ہو، میں نے تمہیں دل ہزار

روپے دینے کا وعدہ کیا ہے، لیکن اب میں سوچ رہا ہوں کہ دس

ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہی دینے چاہیں۔“

”بہت بہت شکریہ جناب!“ بالی خوش ہو کر بولا۔

”وہ اس کے ساتھ اور پہنچا۔ نہ پتو در بین سے آنکھ لگائے

”گڈا مارنگ سر!“

”ہزار نگ... کوئی خاص بات تو نہیں نہیں۔“

”جب ابھی تک تو کوئی خاص بات نہیں، سوائے اس کے کہ وہ

نیز امداد جا پکے ہیں۔“ نہیں پتو۔

”کوئی بات نہیں، میں ان لوگوں سے پشت ہوں گا ہاں!“

”کوئی بات نہیں، میں ان لوگوں سے پشت ہوں گا اب“

”میں نے فرما پر دگرام بدل دیا ہے۔“ پر دگرام پہنچے یہ خاکہ کہ تم

دور بین کے ذریعے سامنے والی کوچھ کی نظر گئے اور جو نہیں

کر پکے یہیں اور اس میں سے بدستور سامنے والی کوچھ کی نظر گائی کرہے ہیں

”ابھی تک کوئی پوسٹ میں تو نہیں آیا۔“

”جی نہیں، سوائے ان یقینوں کے کوئی نہیں آیا۔“

”اوہ اس گھر کے افراد کا کیا کیا؟“

”انہیں باندھ کر ایک کرے میں بند کر دیا گیا ہے۔“

”انہیں باندھ کر ایک کرے میں بند کر دیا گیا ہے۔“

”بہت خوب! تم دونوں بہترن کارکن ہو، میں نے تمہیں دل ہزار

روپے دینے کا وعدہ کیا ہے، لیکن اب میں سوچ رہا ہوں کہ دس

ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہی دینے چاہیں۔“

”بہت بہت شکریہ جناب!“ بالی خوش ہو کر بولا۔

”وہ اس کے ساتھ اور پہنچا۔ نہ پتو در بین سے آنکھ لگائے

”جائے گا۔“

”بہت خوب! اس میں تو خطہ اور بھی کم ہے۔“ نہ پتو خوش ہو کر

نہابت ہوئی، لیکن سوال یہ ہے کہ انہوں نے یہ دور بین یہاں کیوں فٹ کی ہے؟ محمود نے دور بین انہیں سے ہٹاتے ہوئے کہا۔
اگر تم کھو تو میں اسی وقت جا کر ان سے معلوم کر آتا ہوں کہ انہوں نے دور بین یہاں کیوں لگائی ہے، آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔

فاروق نے کہا۔

”بہت بہت شکر یہ! تم تکلیف نہ کرد۔“ محمود نے بڑا سامنہ بنایا۔
اس دوران فرزانہ اور شاستہ بھی دور بین میں سے دوسری دور بین خومان نے کہا۔

کو دیکھو پکے چھتے۔ ان کے بعد فاروق نے بھی دیکھا۔

”معلوم ہوتا ہے، یہ لوگ پروفیسر انگل کے خلاف کسی سازش میں مصروف ہیں.... ہمیں فوراً پروفیسر انگل کو خبردار کر دینا چاہیے اور پھر ابا جان کو فون پر اطلاع کر دینی چاہیے۔ فرزانہ نے کسی قدر پھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تم یعنیوں جاؤ، میں بدستور دور بین میں سے دیکھتا رہوں گا،
کیسی ادھر سے کوئی کام نہ شروع کر دیا جائے۔“ محمود نے کہا۔
فاروق، فرزانہ اور شاستہ نے پروفیسر داؤڈ کی تجویز کا

گاہ کا رخ کیا۔

”انگل کی آپ آج محل کسی خاص ایجاد کی نہ ہیں ہیں۔“

”نہیں تو..... کیوں کیا بات ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”آپ کی تجویز گاہ کے باہل سامنے والی کوئی ٹھیکی میں کون رہتا ہے۔“

بولاء بالی کے چہرے پر بھی ایمان جملکنے لگا پھر کچھ سوچ کر بولا۔
لیکن جناب! اگر یہاں یہاں یعنی دن تک رہتا پڑتا تو لگر کے ازاد کا کیا ہو گا؟

”ہو گا کیا، کھاتے پینے کے اوقات میں کھول دیا کریں انہیں۔“

اس دوران تم بیس سے ایک پستول کے کران کے سردل پر لکھا رہا
کرے گا۔ اسی کے بعد انہیں پھر بازہ کر کرے میں بند کر دیا کریں گے۔
خومان نے کہا۔

”بہت خوب! بہت شاندار!“ بالی نے کہا۔

”ادہ جناب! پوست میں اُرہا ہے: اچانک نپٹو کے منہ سے نکلا۔

”بہت خوب! بالی.... جلدی کرد، اس کو بھی کے دروازے پر پہنچ جاؤ اور دکھاوے کے طور پر دروازے کی جماڑ پوچھ شروع کر دو۔“

بالی نے فوراً باہر کا رخ کیا۔ خومان نے نپٹو کو ہٹا کر خود

دور بین پر نظر جا دی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پستول جیب سے
نکال کر ٹھیک میں سے لیا۔ نپٹو نے پستول دیکھا تو اس کے اوسان خطا

ہو گئے، اس وقت خومان بڑا ہیا:

”پوست میں بالی کی طرف بڑا ہے:“



”خدا کا شکر ہے کہ وہ چڑھتے ہم تو سمجھتے ہتھے، ایک دور بین

۔ صدیق احمد صاحب... بات کیا ہے ؟
” دہ کے آدمی اُومی ہیں ہاتھ تک نہیں، آخر بات کیا
ہے : پروفیسر داؤڈ پریشان ہو کر بولے۔
” اس کو بھلی سے آپ کی تجربہ گاہ کی نگرانی کی جا رہی ہے، آخر
صدیق احمد کو آپ کی نگرانی کرنے کیا کیا ضرورت ہے ؟ فاروق
یہ تو قسم تے بہت غیب بات سنائی، کیا دور بین سے تم نے یہی
اندازہ لگایا ہے ؟ پروفیسر داؤڈ بولے۔

” بھی ہاں ! وہ لوگ بھی ایک دور بین سے ہی نگرانی کر رہے
ہیں..... فرزانہ یوں بات نہیں بننے گی، تم ابھی جان کو فون کرو، میں
صدیق احمد سے جا کر ملتا ہوں، آخر وہ یہ سب کیا کر رہے
ہیں - میرا خیال ہے، ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے ؟

” تمہارا خیال صحیح ہے، شائستہ تم محمود کو جا کر بتا دو کہ فاروق
سامنے والی کو بھلی میں جا رہا ہے ؟ فرزانہ بولی۔

” اچھا، شائستہ بولی اور فاروق کے ساتھ ہی کمرے سے نکل گئی.
فاروق نے یہی کامیاب کیا اور شائستہ کھڑکی دالے کمرے
میں داخل ہو گئی۔ محمود بدستور دور بین سے سامنے دیکھ رہا تھا۔

” فاروق سامنے داے مکان میں صورت حال کا جائزہ لینے کے
لیے جا رہا ہے، فرزانہ انکل جمشید کو فون کر رہی ہے... تم بدستور
نگرانی کرتے رہو، شائستہ نے اس سے کہا۔

” میرا خیال ہے، بہت جلد کچھ ہونے والا ہے ” محمود بڑھتا یا۔
” نہیں، کیا کوئی خاص بات ہے ؟ شائستہ نے پوچھا۔
” یاں ! اس کو بھلی سے ایک آدمی نکل کر اس طرف آ رہا ہے۔ اب
وہ میری نظر وال سے اوچھل ہو گیا ہے۔ اسے دیکھنے کے لیے کھڑکی
کھول کر نیچے دیکھنا پڑے گا، لیکن یہ کھڑکی نہیں کھون چاہتا، فاروق
ابھی راستے میں ہی ہو گا، تم فوراً اسے اطلاع کر دو کہ باہر نہ
نکلے، دیکھنا یہ ہے کہ ان لوگوں کا پروگرام کیا ہے۔
” اچھا ! میں جاتی ہوں ؟ شائستہ نے کہا اور تیز تیز بلٹنی ہوئی
کمرے سے نکل گئی۔ فاروق اسے بیرونی چھاٹک کے قریب مل گیا،
اس نے اسے کندھے سے پکڑ کر ردک کیا:
” ھٹڑو، ابھی باہر نہ جاؤ، ادھر سے کوئی اس طرف آ رہا ہے۔
” یا خدا ! یہ ہو کی رہا ہے ؟ فاروق بڑھتا یا۔
اسی وقت انہوں نے گیرٹ سے باہر کسی کو کہتے سناء:
” لایتے ٹوک مجھے دے دیجیے، میں یاں نیا ملازم ہوا ہوں ؟
یہ سن کر فاروق کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے فوراً شائستہ سے
صرخ کوئی میں پوچھا،
” کیا نکلنے کے کوئی نیا ملازم رکھا ہے ؟
” نہیں تو ؟ شائستہ نے بھی جلدی سے دبی آواز میں کہا۔
اب فاروق نے اندر ھٹھے رہنا مناسب نہ سمجھا، فوراً

دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ اس نے دیکھا ایک بد معاشر صورت میں جیران پر شن
آدمی ڈاک کے سے ڈاک وصول کر رہا تھا۔ ڈاک صرف چار پانچ
خطوط پر مشتمل تھی۔ فاروق نے ایک نظر میں دیکھ لیا کہ ڈاک
خط پر فیسر داؤد کے نام تھے۔ وہ یک دم آگے بڑھا اور
کوئی کوشش یہ تھی کہ اسے مکان تک پہنچنے سے پہلے ہی روک
لے۔ ادھر محمود نے بھی اپر سے اس بھاگ دوڑ کو دیکھ لیا۔ شائستہ

بھی نہیں پہنچی تھی۔ وہ وہیں سے چلا یا:
فرزانہ دوڑو.... فاروق کو شاید تمہاری مدد کی ضرورت چوتھے
فرزانہ نے تجربہ گاہ میں اس کی آواز سنی، کیونکہ دروازہ بند
نہیں تھا، فرزانہ نکل کر نیچے بھاگی۔ محمود بھی دور بین رکھ کر
اس کے ساتھ دوڑ پڑا۔ راستے میں انہیں شائستہ آتی نظر آئی۔

اس کے چہرے پر ہٹائیاں اڑ رہی تھیں۔

فاروق اس کے پچھے گیا ہے اور وہ ابا جان کی ڈاک کے
اڑا چکے۔ اس نے چلا کر کہا۔
فکر نہ کرو۔ محمود نے بلند آواز میں کہا اور کئی کیڑھیاں
چلا گئنے لگا۔

جونہی وہ کوئی کے پھاٹک سے باہر نکلے، انہوں نے دیکھا،
فاروق دوڑتا ہوا اس اچھے سے آگے نکل گیا تھا۔ یہ دیکھ کر
چھڑا یا، پھر ایک چلانگ لگائی اور بھاگ کھڑا ہوا:

دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ اس نے دیکھا ایک بد معاشر صورت
آدمی ڈاک کے سے ڈاک وصول کر رہا تھا۔ ڈاک صرف چار پانچ
خطوط پر مشتمل تھی۔ فاروق نے ایک نظر میں دیکھ لیا کہ ڈاک
خط پر فیسر داؤد کے نام تھے۔ وہ یک دم آگے بڑھا اور
پروفیسر صاحب کی ڈاک ہے؟

جب ہاں؟ ڈاکے نے اسے اندر سے نکلتے دیکھ کر کہا۔
تب تو یہ میرے حوالے کر دیں، کیونکہ ان کی بداشت یہ
کہ ڈاک کو کوئی غیر آدمی ہمچنان لگائے۔

غیر آدمی! کیا مطلب، ان صاحب کا تو یہ کہنا ہے کہ،
ہمارے نئے ملازم ہوئے ہیں تا پوسٹ میں نے کسی نہ
جیران ہو کر کہا۔

ان صاحب کا بیان غلط ہے، پروفیسر صاحب نے کہا
نیا ملازم نہیں رکھا۔ لاو مرٹر.... خط مجھے دے دو۔

فاروق نے اس کے خطوط والے ہاتھ پر ایک جھٹپتا مار
اس نے بھی تیزی سے ہاتھ دوسری طرف کرنے کی کوشش
اور اس کوئی کوشش میں اس کا ہاتھ پوسٹ میں کے منہ پر لگا
پوسٹ میں کو تاؤ آگیا، اس نے آگے بڑھ کر اس آدمی
کے گر بیان کو پکڑ لیا، لیکن اس نے ایک جھٹکا مارا اور خود کو
چھڑا یا، پھر ایک چلانگ لگائی اور بھاگ کھڑا ہوا:

وہ والپیں مرٹا، اور دائرے کی صورت میں بھاگنے لگا۔ شاید کی گوشش یہ بھی کہ کسی طرح گھر میں لگھ س جائے۔ محمود اور فرزانہ بلا کی رفتار سے دوڑ پڑے۔ ساختہ ہی پلکارا:

”فکر نہ کرنا فاروق! ہم آگئے ہیں۔“

اچکے نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر تو جیسے کے ہاتھ پاؤں مجھوں گئے۔ اس کے ایک طرف محمود اور فرنجتے تو دوسری طرف فاروق.... اور عین اسی وقت ایک ہوا۔ محمود دھرم سے گرا۔

پستول چلتے کی آواز اور اس کے ساختہ ہی محمود کا کرنا، دونوں بائیس ایسی بھی کہ فاروق اور فرزانہ بوکھلاہست کا شکار ہو گئے، لیکن صرف یہی دونوں نہیں، بالی بھی گڑبڑا گی تھا، کیونکہ بھاگ دوڑ کے اس کھیل میں گولی کسی کو بھی لگ سکتی تھی۔ فرزانہ اگرچہ محمود کے گرنے کی وجہ سے بہت پہلیان ہو گئی تھی، لیکن اس نے اس موقعے کو صائم کرنا مناسب نہیں سمجھا اور بالی کی بدحواسی سے فائدہ اٹھایا، اس نے تیر کی طرح بالی کا رُخ کیا اور خطوط والے ہاتھ پر جھپٹا مارتے ہوئے دوسری طرف نکل گئی۔

”محمود! تم ٹھیک تو ہو۔“ فاروق نے چلा کر کہا۔

”ہاں! میں تم لوگوں کو ایک موقع دینا چاہتا تھا۔ یہ کہہ کر محمود اٹھتے ہوئے بولا۔“

اس وقت تک وہ فائز کی سمت کا اندازہ لگا اچکے بنتے اور یہ بات ان سے پوچھیدہ نہیں رہی تھی کہ فائز اسی کھڑکی سے

کیا گی ہے جس میں دور بین فٹ کی گئی ہے، کھڑکی سے۔ رہا تھا تو بھی سوچنے لگا۔
فارم بھی ہو سکتا تھا، اس پیسے انہوں نے بچا دکا یہ مل سوچا کہ دیوار کے ساتھ لگ گئے.... بالی کو البتہ کوئی خدا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر چران رہ گیا کہ اس نہیں تھا.... لہذا اس نے دیوار کے ساتھ لگنے کی کوئی کوشش کے باختیں میں خطوط نہیں تھتے۔
بالی کی۔

”ارے! وہ خطوط کہاں گئے؟ اس کے منہ سے نکلا۔
”کون سے خطوط؟... فرزانہ نے کندھے اچھائے۔
”اسی وقت صدیق احمد کی کوئی سے درستے قدموں کی آداز نہیں۔
”ان میں سے کوئی گولی کا نشانہ بن جائے تو بھی پرداز کرنے دی۔ چاروں چوبیں ایچے اور کوئی کے دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بالی کی توجہ بھی پستول اور ان پر سے بہت گئی، جلد، ہی اس نے نیپٹو کو دروازے سے باہر آتے دیکھا، اس کے باختیں بھی پستول تھا۔

”ارے! وہ رڑکی کہاں گئی؟“ بالی کے منہ سے نکلا۔ نیپٹو کو دیکھتے ہی وہ ان کی طرف مردا تھا، لیکن فرزانہ دکھائی نہیں دی۔
محدود اور فاروق بھی مرڑے۔ فرزانہ داقعی دہاں نہیں تھی.....
انہوں نے جلدی سے پروفیسر داؤڈ کی کوئی کی طرف دیکھا، لیکن فرزانہ اس طرف بھی جاتی دکھائی نہیں دی۔ اتنی جلدی یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کوئی کے اندر داخل ہو جاتی۔
”وہ ضرور دیوار کے ساتھ لگ کر کوئی کے پہلی طرف نکل گئی ہے، بالی دوڑو۔“ نیپٹو نے چلتا کہ کہا اور بالی کے ساتھ

”بالی! میں یہ خطوط ان سے ہر حال میں حاصل کرنے لیں اور آداز آئی۔“ اپنی جیب سے پستول نکال کر کام میں لادا... ان میں سے کوئی گولی کا نشانہ بن جائے تو بھی پرداز کرنے دیں دیکھ لوں گا۔“
بالی نے یہ آداز سن کر پستول جیب سے نکال لیا اور جہڑا ہوئی آداز میں بولا،

”خبردار! خطوط میرے حوالے کر دو، درنے میں فارنگ شروع کر دوں گا۔“

”پہلے اپنی آداز کو سنبھالو اور پھر پستول کو، یوں لگتا ہے جیسے تمہاری آداز بھیک مانگ رہی ہے اور پستول تمہارے ہاتھوں سے ابھی گر جائے گا، شاید تم سوچ رہے ہو، اپنے باس کے کستہ میں؟ کہ اگر کوئی قتل کر بیٹھے تو تمہارا باس تمہیں چانسی سے کس طرح بچائے گا، کیوں، یہی سوچ رہے ہو نا؟ محمود کہتا چلا گی۔ بالی کا باختی داقعی کا نہیں لگا، اگر دو یہ بات سوچ نہیں

خود بھی دوڑ پڑا۔ محمود اور فاروق پڑتے ہی یہ اندازہ لگا چکے۔
لیکن ان سے پڑتے کیسے دوڑ سکتے تھے، لہذا ان کے ساتھ ہی۔
بھی دوڑ سے، اب چونکہ خطوط فرزانہ کے پاس تھے، اس یہ نہ
اور بالی کو ان دونوں کی کوئی پرواہ نہیں رہی تھی۔ اچانک محمود کے
ایک خیال آیا۔ اس نے دو تین لمبی لمبی جھپٹائیں لگائیں اور پٹپٹا
عین پیچے پہنچ گیا۔ دوسرا ہی لمبے اس نے پٹپٹ کی قیصیں کو
مضبوطی سے پکڑتے یا اور خود دوڑنا بند کر کے اسے کھینچنے لگا۔
اس طرح پٹپٹ کی رفتار گھستنے کے برابر رہ گئی۔ محمود کا مطلب
یہ تھا کہ فرزانہ کو زیادہ سے زیادہ دور چلے جانے کا موقع نہ
جائے۔ فاروق اس کی چال کو سمجھ گیا، اس نے بھی یہی کیا۔
اور بالی جھپٹا کر پلتے اور ان پر حملہ آور ہوئے۔ دونوں نے اپنے
ساتھ ان کی قیصیں چھوڑ دیں اور جھکائی دے کر ان سے چند
فٹ دور ہٹ گئے۔ غصے میں آ کر دہ دونوں آگے بڑتے
تو محمود اور فاروق اس سمت میں بھاگ کھڑے ہوئے جس
طرف سے آئے تھے۔ یہ دیکھ کر پٹپٹ اور بالی والی پلٹا
دوبارہ اس طرف دوڑ پڑتے جس طرف ان کے خیال کے مطابق
فرزانہ گئی تھی۔

”میرا خیال ہے، اب فرزانہ کو کافی وقت مل گیا ہے۔“
محمود نے رکتے ہوئے کہا۔

”مال! اب وہ شاید ہی اس تک پہنچ سکیں۔۔۔ لیکن ہمیں بھی
ای طرف چلنا چاہیے تاکہ اسے مدد کی ضرورت ہو تو ہم اس۔
اور بالی کو ان دونوں کی کوئی پرواہ نہیں رہی تھی۔ اچانک محمود کے
امنوں نے مرڑ کر دیکھا۔ پٹپٹ اور بالی دوڑ جا چکے تھے۔ وہ
بھی تیز تیز قدم اٹھانے لگے۔ کوٹھی کے گرد چکر لگا کر وہ جب
ان درختوں کے درمیان پاگلوں کی طرح گھوم رہے تھے جب کہ
فرزانہ کا کہیں پتا نہ تھا۔ یہ دیکھ کر محمود اور فاروق بے ساختہ
سکرا اٹھتے اور سوچنے لگے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

○

شانتہ دروازے میں ہی رک گئی تھی۔ جب اس نے محمود، فاروق،
فرزانہ پٹپٹ اور بالی کی آپس میں کش کش دیکھی اور پھر فائزہ کی
آواز بھی سنی تو گھبرا کر اپر پہنچی، ادھر سے پہنچنے والا دوسرے داود پشاں
ہو کر نکل رہے تھے۔
”یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

”خدا جانے کیا چکر ہے، صدیق احمد کے مکان سے ایک آدمی
نکل کر ہماری کوٹھی کے دروازے پر آگی تھا، اس نے داکے
سے ہماری ٹوک وصول کر لی۔ فاروق اس وقت دروازے پر

ختا، وہ فوراً باہر نکلا اور ڈاک چھین لیجئے یہ اس پر جھپٹا، پھر خلا کنے والا ہے۔ عجیب معاملہ ہے: پروفیسر داؤڈ بڑا بڑا ہے اور فرزانہ اور محمود بھی، اس کی مدد کو پہنچ گئے۔ ادھر صدیق احمد پھر شاستہ سے بولے: مکان سے ایک فاتر کیا گیا، لیکن گولی کسی کے نہیں لگی۔ فرزانہ "آؤ ہم اوپر والے کمرے کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر دوربین نے خطلوٹا اس آدمی کے ہاتھ سے جھپٹ لیتے۔ اس کے بعد ایک بے باہر کے حالات کا جائزہ لیں تھے اور آدمی صدیق صاحب کے گھر سے نکلا اور ان کے درمیان بھاگ دوڑا شروع ہو گئی، اب وہ صدیق صاحب کی کوئی چیز کے پیچے چلنا رہنے دو، نہ جانے کس وقت وہ ادھر آ جائیں۔ پروفیسر فون کرنے دوڑی آئی۔ شاستہ نے جلدی جلدی کہا۔

دونوں اوپر آئے۔ پروفیسر داؤڈ نے دوربین آنکھوں سے "ٹھیک ہے، فوراً انہیں فون کر د، غدا جاتے کیا چکر ہے کالی اور پھر مایوس ہو کر بولے۔

بیٹھے بٹھائے یہ کیا شروع ہو گی، مخواڑی دیرہ پہنے تو سب کمیٹھیک مھٹاک عقاۃ پروفیسر داؤڈ بولے اور شاستہ دوڑتی ہوئی فون کے پاس پہنچی، اس نے اسپکٹر جمشید کے دفتر کے بندر ٹائل کے، لیکن وہاں سے پتا چلا کہ اسپکٹر جمشید ان کی طرف روانہ ہے۔

چکے ہیں۔ یہ سن کر اس نے ایمان کا سانس یا اور ریسیور رکھ دیا۔

"وہ پہنے ہی رداتہ ہو چکے ہیں، ظاہر ہے، فرزانہ کے فون کے بعد وہ رک نہیں سکتے تھے" شاستہ نے کہا۔

ہوں، ٹھیک ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو میری ڈاک اڑانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی، کیا ڈاک میں کوئی خاص

صدیق احمد، زرینہ بیگم، وقار احمد اور جار ایک کمرے

"اوہ.... میں اس وقت یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔"



میں بندھے پڑے ہتے۔ ان لوگوں کے منہ نہیں باہمے لگے ہتے، اب
یہ دہ آپس میں باتیں توکر ہی سکتے ہتے۔

کیا یہ لوگ ہمارا گھر لوٹا چاہتے ہیں؟ ”وقار احمد کہہ رہا تھا۔
ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن گھر میں انہیں کیا ملے گا؟“
وہ تجھری کھونے میں کامیاب بھی ہو جائیں، اتب بھی اسیں سے
چند پیزار روپے اور ایک آدھ زیور ہی ملے گا، سب کچھ تو ہم
نے بنک میں رکھا ہوا ہے：“

”ابا جان! اگر میں کوشش کروں تو اپنے ہاتھوں رسیوں سے آزاد
کر سکتا ہوں؛ اچانک وقار احمد نے کہا۔

”اچھا! وہ کیسے؟ زیرینہ بیکم بولیں۔

”میرے ہاتھ کچھ ڈھیلے بندھے ہیں۔

”تب تم ضرور کوشش کرو، شاید نجات کا راستہ نکل آئے
صلیق احمد نے پر جو شر بھے میں کہا۔

وقار احمد نے ذور شور سے ہاتھوں کو حرکت دینا شروع کیا۔
کئی منٹ تک حرکت کرتے رہنے کے بعد بھی کامیابی نہ ہوئی۔
اس نے تنگ آ کر کہا:

”جبار! میں سرک کر تھا رے پاس آتا ہوں، تم دانتوں کی مدد
گرد کھونے کی گوشش کرو۔

”بھی بہت بہتر، جبار نے کہا۔

”ہر ترکیب کا دگر ہی اور پانچ منٹ کی مسل کوشش کے بعد
گراہ کھل گئی، چند یکنہ بعد دفاتر کے ہاتھ کھل چکے ہتے۔ اب
اس نے جلدی جلدی سب کے ہاتھ کھولے، چند منٹ تک ہاتھوں
کو ہلانے جلانے کے بعد وہ دروازے کی طرف بڑھے، لیکن
دروازہ تو باہر سے بند تھا۔ وقار نے ایک کھڑکی کے پٹ کھول
ڈالے۔ کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں، اس یہے اسے دوری طرف
چلانے میں کوئی وقت نہ ہوئی۔ پھر اس نے دروازہ کھول دالا۔
چلانے میں کوئی سب نکلے۔ انہیں معلوم تھا کہ بدمعاش اپر
اور سب دبے پاؤں باہر نکلے۔ انہیں معلوم تھا کہ بدمعاش اپر
والی منزل پر ہیں۔ وقار سب سے آگے تھا۔ اور پہنچ کر اس نے
اس کمرے میں جھانکا جس کی کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی تھی،
لیکن یہاں اب کوئی نہ تھا۔ اچانک انہیں دوسرا طرف کے کمرے
میں آہٹ ساتی دی۔ وقار نے ہزرتوں پر انگلی رکھ کر ان
سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں اس کمرے
کی طرف بڑھا۔ زیرینہ بیگم نے بھی اس کا ساتھ دیا، باقی لوگ
اسی کمرے میں عبور گئے۔ دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔
انہیں اس میں ایک آدمی جنگل کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں کھڑا
وکھانی دیا۔ اس کا منہ بھی کھڑکی کی طرف تھا۔ دوسری ہاتھ میں
اس نے پیتوں سنجھاں رکھا تھا۔ اس کی انگلی پیتوں کے ٹریکر
پر تھی، شاید وہ کسی کا نشانہ لے رہا تھا۔ یہ دیکھ کر دونوں

کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ دفار نے گھبرا کر اپنی اتمی کی طرف دیکھا، پھر نہ جانے بیگ زرینہ صدیق کے جو میں کی آئندگی کے لیے کیا تھا، اس کی طرف پڑے۔ روانہ ہوتے سے پہلے وہ سب انپکڑ اکرم کو دیکھ کرے میں رکھی ایک تپائی کی طرف بڑھنے لگیں۔

ایے میں انپکڑ جمیشید بولے:

نچے امید ہے، چند دنوں تک ملازمت مل جائے گی،
میں نے پویس کے نکھلے میں ہی تمہارے لیے گوشش کی ہے،
میں تھیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا اور وہ یہ کہ تم کبھی رشتہ
ان سے ملنے کے لیے آجایا کرتے ہتھے۔ انپکڑ جمیشید ان کے لیے کسی
ملازمت کی گوشش کر رہے ہتھے اور انہیں امید بخی کہ بہت بعد
وہ انہیں کوئی اچھی سی ملازمت دلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اب ہم بڑے کاموں سے تو بکر بچے ہیں جناب.....لہذا

رنوت بھی نہیں لیں گے: شتو نے جلدی سے کہا۔
پچھے لوگ رشتہ یعنی کوئی جرم یا گناہ نہیں سمجھتے، ان کا خیال ہے کہ رشتہ یعنی بہت ضروری ہے اور یہ کہ اگر وہ رشتہ نہ
لیں تو بھوکے مر جائیں، لیکن ان کا خیال بالکل غلط ہے، جو لوگ
رشوت نہیں لیتے، اللہ تعالیٰ ان کی روزی میں اتنی برکت دیتا ہے
کہ ان کا گزارا انسانی سے ہو جاتا ہے.... بلکہ انہیں اتنے ہی
پیسے جائز راستے سے مل جاتے ہیں جتنے کہ وہ رشتہ لے کر کما

لٹکتے ہیں۔ یہ کہتے ہیئے وہ رُکے اور پھر بولے:

” مجھے یقین ہے، تم دونوں ایسا ہی کرو گے: ”
” تمہرے منٹ بعد وہ پروفیسر داؤڈ کی کوئی کے قریب پہنچ

○

انپکڑ جمیشید کو جسی وقت فرزانہ کا فون موصول ہوا، اس وقت شتو اور مانٹو ان کے سامنے کریوں پر بیٹھے ہتھے۔ کبھی کبھار وہ ان سے ملنے کے لیے آجایا کرتے ہتھے۔ انپکڑ جمیشید ان کے لیے کسی ملازمت کی گوشش کر رہے ہتھے اور انہیں امید بخی کہ بہت بعد وہ انہیں کوئی اچھی سی ملازمت دلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اُج وہ اسی سلسلے میں آئے ہتھے، اچھی آکر بیٹھے ہی ہتھے کہ فون کی گھنٹی بیکی۔ فون سننے کے بعد انپکڑ جمیشید بولے:

” یہ میری بیٹی فرزانہ کا فون تھا، پروفیسر داؤڈ کی کوئی کے آس پاس انہیں کسی گڑبڑ کے اشارہ دکھائی دیئے ہیں، میرا دہاں پہنچا صزدری ہے، اس لیے معافی پاہتا ہوں، تم دونوں محل کسی وقت ملاقات کے لیے آجاؤ تو بہتر ہے گا: ”

” اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمیں بھی ساتھ لے چلیں، شاید ہم کسی کام آ سکیں: ”

” تم بڑی خوشی سے میرے ساتھ چل سکتے ہو؟ انہوں نے کہا

گئے، میں اسی وقت انہوں نے فائز کی آواز سنی۔ وہ بوکھلا لٹھا۔ اور ہردو، یہاں قوبازارِ کرم ہو چکا ہے۔ انپکڑ جمیش کے مز سے نکلا اور جیپ کو سڑک سے اتار کر ابھنی پند کرتے ہوئے انہوں نے بیچے چھلانگ لگا دی۔ شتو اور مانٹو نے بھی یہی کی..... فوراً ہی انہوں نے درختوں کی امداد لے لی۔ پھر کہتے ہی سیکنڈ گزر گئے، لیکن دوسرا فائز ہوا۔

عجیب بات ہے، کسی نے صرف ایک فائز گیوں کی تھی۔ انپکڑ جمیش بربڑا ہے، پھر درخت کے بیچے سے نکل کر جنگل ہی جنگل میں سے ہوتے ہوئے پرد فیر داؤ کی کوئی کوئی کی طرف بڑھنے لگے۔ شتو اور مانٹو ان کے پیچے پل رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ کوئی کے پیچے پہنچ گئے۔

شتو، مانٹو، میں کوئی کوئی کے دروازے کی طرف جا رہا ہوں۔ تم دونوں یہیں ہٹھرو، ایسا نہ ہو، کوئی گولی آئے اور تمہیں لگ جائے۔

”لیکن آپ بھی تو دروازے کی طرف جا رہے ہیں۔“

”میں اس کے سوا اور کر بھی کیسی کش ہوں۔“

انہوں نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگے۔ کوئی کام بچا لند انہیں کھلا ملا۔ وہ بے دھڑک اندر داخل ہو گئے، تجوہ بہ گاہ خالی پرڈی بھتی۔ دہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اب وہ اور اوپر بیچے..... شاکست کی نظر ان پر پڑ گئی، وہ بول اٹھی:

ابا جان! انکل آگئے۔
پرد فیر داؤ نے بھی مرکر دیکھا، انپکڑ جمیش تیز تیز چلتے
ہوئے ان کے فریب پہنچ گئے:
”کیا چکر ہے؟“

”چکر بہت عجیب و غریب ہے، تفییل میں جانے کا
وقت بانکل ہنسیں، محمود، فاروق اور فرزانہ اس وقت سامنے
والی کوئی کے دوسری طرف جنگل میں موجود ہیں، فرزانہ کے ہاتھ
میں کچھ خطوط ہیں، کچھ لوگ ان سے وہ خطوط چھین لینا چاہتے
ہیں۔ وہ لوگ بھی جنگل میں موجود ہیں اور غائب ان کے
درمیں ان کش کمکش ہو رہی ہے، ابھی ابھی تم فائز کی آواز تو
سن ہی کچکے ہو گئے۔“

”ہاں! میں نے سنی بھتی۔“

”اس سے پہلے بھی ایک فائز ہو چکا ہے۔“
”اچھا! میں دیکھتا ہوں..... یہ کیا چکر ہے۔ آپ لوگ
یہیں بخمری ہیں۔“

انہوں نے کہا اور بیچے اترے۔ شتو اور مانٹو کو
صورتِ حال بتانی تو وہ بھی ساکھہ چلتے پہ آمادہ ہو گئے۔
اپنک انپکڑ جمیش کو ایک خیال آیا۔ انہوں نے حلقت سے آلو کی

تیز آواز نکالی، شتو اور مانٹو اپنیں چونک کر دیکھنے لگے۔
میکنٹ بعد ہی ایک دوسرے اتوکی آواز گونج اٹھی، اپکر
سکر کے اور ایک سمت میں بڑھنے لگے، ساتھ ہی انور
نے کہا:

میں جان گیا ہوں کہ وہ کس طرف موجود ہیں؟

پیٹو اور بالی جھگل کے درختوں کے درمیان چکراتے پھر رہے تھے،
یکن فرزانہ کا دور دور پتا نہیں تھا، محمود اور فاروق بھی ان کے
سچے درختوں کی اوٹ یتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب
کسی منت گزر گئے اور فرزانہ پھر بھی نہ ملی تو وہ جھلا کر مرطے،
یکن ان کے مڑتے ہی محمود اور فاروق درختوں کے باکل چھے
اہر گئے:

آخر یہ تمہاری بسن کہاں چلی گئی؟ انپٹو نے جھلا کر کہا۔
وہم بھی تمہارے ساتھ ہی یہاں آئے ہیں، لہذا کیا بتائے

ہیں کہ وہ کہاں چلی گئی؟

اگر وہ نہ ملی تو ہم تمیں شوٹ کر دیں گے: بالی غراٹا۔

تم ہمیں ضرور شوٹ کر دو، وہ پھر بھی تمہارے سامنے نہیں
آئے گی، ہم اسے جانتے ہیں؟ محمود نے کہا، دراصل اس کا مطلب
یہ تھا کہ فرزانہ کسی صورت میں بھی ان کے سامنے ظاہر نہ ہو۔
وہ جانتا تھا کہ فرزانہ آس پاس ہی کہیں موجود ہے اور اس کی

بات سن رہی ہے۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بہت بے رحم ہے اور اسے جس کام میں باختہ ڈال پکے ہیں اسے اب صردار کر سے نہ پہنچنے سے ذرا بھی محبت نہیں ہے بلکہ نے نگویا طنز کی۔

" یہ بات نہیں اودہ جانتی ہے کہ پروفیسر داؤڈ کی ڈاک ایڈ ہو کر کہا۔
جانے کا کوئی خاص مطلب ہے، ہو سکتا ہے، ان خطوط میں ایسا خط ہو جس سے ملک اور قوم کی سلامتی والبتہ ہو، ایسی میں ہم جان تو دے سکتے ہیں، نہیں وہ خط نہیں دے سکتے پھر تم ہمیں یہ بتا دو....."
تم نے کیا کہا... پروفیسر داؤڈ نے پہنچنے کے منز سے جرتی ہیں تکلا۔

" ہاں! کیا نہیں نہیں معلوم کہ جس کوٹھی کو تم نے مورچہ بنا کر ہے، اس کے بالکل سامنے والی کوٹھی میں پروفیسر داؤڈ رہتے ہیں جو ملک کے سب سے بڑے سائنس دان ہیں... انہی کی ڈاک تم نے اڑائی تھی..... اور تمہارے پوچھنے کے انداز سے صنانظر ہر ہے کہ یہ بات نہیں معلوم نہیں تھی۔" محمود نے کہا۔
" ہاں! مجھے معلوم نہیں تھا۔" پہنچنے کے منز سے نکلا۔
" اس کا مطلب ہے، تم کسی کے لیے کام کر رہے ہو۔"
پہنچنے اور بالی نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید وہ سوچ رہا ہے کہ
محمود نے منہ بنا کر کہا، اور فاروق مسکرا دیا، پھر فوراً ہی بولا:
پڑ گئے تھے۔

”میرے دایں ناچھ کا دراصل اس یے ہے کہ میں ایسے لڑکے علق سے بھی الوک آواز نکلی۔
دایں ناچھ سے کرنے کا عادی ہوں۔“

یہ ساری گفتگو وہ درختوں کی اوث سے کر رہتے۔

ابھی نپٹو اور بالی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ
بیگم زرینہ صدیق نے آواز پیدا کیے بغیر تپانی اٹھائی، وقار
فارہ ہوا، وہ سب چونکے۔ گولی ان میں سے کسی کے پاس سے نہیں آیا کہ وہ سیکرنا پاہتی ہیں۔ ادھر خومان کی
نہیں گزری تھی، وہ حیران ہوتے بغیر نہ رہ کے کہ ناز کس۔ نکلی ٹریکر پر برابر دباؤ ڈال رہی تھی، بیگم زرینہ تیزی سے اگے
کیا اور کس پر کیا۔

”یہ تم سے پہلے کس نے فارنگ شروع کر دی۔“ فاروق کا ادا
مداق اڑائے والا بخا۔

”کیا ہماری بہن کے پاس پستول ہے؟“

”ہم پستول دستول پاس نہیں رکھا کرتے، ہمارے پاس وہ ادا
قسم کے سمجھیا ہوتے ہیں نہ محمود نے جواب دیا۔
بلکہ تیری قسم کے ہوتے ہیں نہ فاروق بولا۔

نپٹو اور بالی کی جھلائی کا کیا پوچھنا، لیکن وہ محمود اور
فاروق کا کیا بکاڑتے، وہ درختوں کی اوث میں بھتے اور اگر وہ
ان کی طرف بڑھتے تو وہ ددرسے درختوں کی اوث لے سکتے تھے۔

قدم قدم پر درخت بھتے، آخر دھر مجور ہو کر پھر فرزانہ کو تلاش
کرنے لگے۔ کئی منت گزر گئے، اچانک جھلک میں الو کی آواز
گونج اٹھی۔

اس آواز نے محمود اور فاروق کو بُری طرف چونکا دیا۔ دفعت

ٹھیک ہے، دوڑ کر جاؤ اور اپنے آبا جان سے کہو،
پوسیں کو قوون کر دیں اور ان سے فوراً پہنچنے کے لیے کہیں مامیں
ہیں ٹھہر دل گی۔“

”کہیں یہ ہوش میں نہ آجائے ہے دقار نے ڈرے ڈرے۔ تم بھی سمجھیار کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں ہے۔“
میں کہا۔

”ہوش میں آتے دیکھوں گی تو ایک بار پھر تپائی اس کے پر دے مار دیں گی۔ انہوں نے کہا اور دقار کمرے سے نکل اسی وقت خومان نے اٹھنے کی گوشش کی، بلکہ زیرینہ صدیق دیکھ کر گھرا ہیں اور انہوں نے پھر تپائی ایک بار اس کے سر دے ماری۔ خومان بالکل بے حس و حرکت ہو گی۔“
صدیق احمد جبار اور دقار دوڑتے ہوئے اس کمرے سامنے آئے اور پھر انہوں نے خومان کو ہجکڑا یا۔
”ابھی نہیں، بسم نے سوچا، پسے اس پر قابو پالیں ہے۔“
”تو پھر اب جا کر فون کر دیں۔ خدا جانے یہ کون لوگ ہیں اور کیا چکر چلانے ہیاں آئے ہیں، اس شخصی نے باہر کسی پر گول چلانے کا ارادہ کیا تھا۔ عین اسی وقت میں نے اس کے م پھر تپائی دے ماری، اور نہ شاید وہ نشانہ لے کر فائز کرنے ہے۔“
”بالا تھا۔“

”ٹھیک ہے، میں فون کر کے آتا ہوں، تم لوگ یہیں رہو اور اگر اس دوران یہ پھر ہوش میں آنے لگے تو ایک بار پھر تپائی دے مارنا، ہمارے پاس اس وقت یہی سمجھیار ہے۔“
پڑی جن کے ہاتھوں میں پستول بخے۔ ابھی تک انہوں نے ان

”کہا کو اے۔ بیٹ کا خیال آیا۔“

میزوں کو نہیں دیکھا۔ انپکٹر جشید بھی پستول نکال چکے ہے اسی تفصیل کہہ سنائی۔ انپکٹر جشید کی آنکھیں حیرت سے چھپلی چلی دوسرے ہی لمحے انہوں نے درمرتبہ ٹریگر دبایا اور پیٹوٹ "لیکیں۔ باں کے ہاتھوں سے پستول نکل گئے۔ ساختہ ہی انہوں نے کیا ہمارے ساتھ کوئی اور بھی اس کو ٹھی میں موجود تھا۔ " نہیں ! ہم دونوں ہی بھتے ہیں ! انہوں نے تھیں اس کام پر کس نے مقرر کیا ہے ؟ انہوں نے پوچھا۔ " ہم اس کا نام نہیں جانتے۔ نپٹو نے کہا۔ " ہاں ہتم نے بتایا نہیں، فرزانہ کہا ہے ۔" ہو گی کسی درخت پر، یہ اس کی پہلی عادت ہے ۔" فرزانہ ! اگر تم کسی درخت پر ہو تو نیچے اتر آؤ۔ اب یہ لوگ ہمارے رحم و کرم پر ہیں۔ انپکٹر جشید بولے۔ یہ دونوں نیچے موجود تھے، اس کے باوجود مجھ پر فاروق کیا لیا تھا اتنا جان، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی تسلیماً راستی بھی اس کو ٹھی میں موجود ہے، اب پہنچے اس کا بندوبست کریں، کہیں وہ کوئی گڑ بڑ نہ کر بیٹھے۔ فرزانہ کی آداز سنائی دی اور ساختہ ہی ایک بہت اوپنچے درخت کی شاخوں میں درکت ہوئی، پھر انہیں فرزانہ تیزی سے نیچے اترنی دھکائی ہیں۔ فاروق مسکرا کر بولا۔

" فرزانہ کہاں ہے اور یہ کیا چکر ہے ۔"

" یہ خطوط کا چکر ہے... ۔" محمود نے کہا اور جلدی جلد

میزوں کو نہیں دیکھا۔ انپکٹر جشید بھی پستول نکال چکے ہے اسی تفصیل کہہ سنائی۔ انپکٹر جشید کی آنکھیں حیرت سے چھپلی چلی دوسرے ہی لمحے انہوں نے درمرتبہ ٹریگر دبایا اور پیٹوٹ "لیکیں۔ باں کے ہاتھوں سے پستول نکل گئے۔ ساختہ ہی انہوں نے گرج دار آواز میں کہا :

" خبردار ! ماخقہ اور پر اٹھا دو، یہس نے جان بوجھ کر گولی نہیں ماری، درست اس وقت تمہاری لاشیں تڑپ پر پیسی ہوتیں۔ انہوں نے آواز کی طرف دیکھا اور پھر نپٹو کا رنگ اڑا کر اس کے منہ سے نکلا :

" اُن خدا ! انپکٹر جشید آگئے ۔ بالی بھی بھر تھر کا نینے کا محسوس اور فاروق درختوں کی اونٹ سے نکل کر ان پستوں کا طرف بڑھے جو نپٹو اور بالی کے ہاتھوں سے نکل کر گرے۔ نیچے۔ دوسرے ہی لمحے پستول ان کے ہاتھوں میں بھنے لیکن اب وہ ناکارہ ہو نکھے مھتے۔ ان کی نالیں مردگانی بھنا گویاں نالوں سے ڈکرانی تھیں۔

" یہ تو گئے کام سے۔ محمود نے کہا۔

" محبی ان لوگوں کے سروں پر مارنے کے کام تو آہی تھا میں ۔" فاروق مسکرا کر بولا۔

شتو کی نظریں جبی عقیص، پھر اچانک شتو نے ایک چھلانگ لگا لے تھا شہ اندر گھس پڑے۔ پھر جو نہیں انہوں نے نینے کی طرف اور انپکڑ جمیشہ کے آگے آگئی۔ اسی وقت ایک فارمہ ہوا، ثم دم بڑھایا، تھٹک کر رک گئے۔

اپنے ہی خون میں نہایا ہوا ایک بہت لمبا آدمی سب سے چیخ مار کر گرا۔

لیٹ جاؤ..... سب زمین پر لیٹ جاؤ۔ انپکڑ جمیشہ چلا۔ اپر والی سیرجی پر تنا کھڑا تھا، اس کے نامہ میں پستول تھا سانحہ ہی مانٹو نے بھی اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی، ایک فارمہ ہوا، اور اس کی نالی کا رخ ان کی طرف۔ زخمی آدمی کے چہرے اور ہوا، مانٹو کے حلنے سے بھی ایک گھٹی گھٹی چیخ نکلی، وہ ایک بھیانک مکراہٹ بھتی جسے پھرے پہ چھیلے ہوئے خون

دھڑام سے گرا اور تنڑا پنے لگا، انپکڑ جمیشہ نے دوڑ لگائی نے اور بھی بھیانک بنایا تھا۔ اور ایک درخت کے پیچے ہو گئے، میونک پستول چلانے والا بار بار انسی کا نشانہ لے رہا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی محمود، فارمہ دو انسانوں پر قاتلانہ حملہ کرچکے ہو، خدا جانے وہ زندہ بھی اور فرزانہ نے بھی سیبی کیا۔ اس کے ساتھ ہی دو فارمہ اور ہیں یا نہیں۔ اور اس سے پہنچے تم نے پر دفیر داؤد کی ڈاک اپنے غنڈوں کے ذریعے چینی کی کوشش کی، اس گھر کے جوئے اور پھر فارمگ کا سلد بند ہو گیا۔

” محمود، فاروق تم اپنی دیکھو، میں اس کی خبر لیتا ہا یہ کہ کہ وہ تیزی سے اٹھے اور لمبی لمبی چھلانگ میں لگائے ہوئے صدیق احمد کی کوئی کوئی کی طرف بڑھنے لگے۔ ایسے میں بھی کوئی گولی ان کی طرف آسکتی تھی، لیکن انہوں نے پرداز کی اور ہر لمحے کوئی کے نزدیک ہوتے چلے گئے۔ عجیب بات یہ تھی کہ اورپہ سے پھر فارمہ نہیں ہوا، شاید گویاں ختم ہو گئی تھیں۔

وہ دوڑتے ہوئے کوئی کے دروازے سے تک پہنچے اور

ترہیں کہ تم میک اپ میں ہو۔

چنگل میں تمہارے دو ساھیوں نے جانوں پر کھیل کر تھیں

مجھے سے بچا لیا، لیکن اب تم کس طرح بچو گے، مجھے سخنان پر بہت فخر ہے، اس کے ساتھ ہی میں نے بھی منہ کھا کر تم بھی پستول کی گولیوں سے بچنے کی ذمہ دار مہارت رکھنے کو، آج مجھے یہی دیکھنا ہے کہ تمہارا فن پچھتا ہے یا میرا۔

اس نے انپکٹر جمیش کی باتوں پر توجہ دیتے ہوئے کہ،

”پسے اپنا نام بتاو۔“ انپکٹر جمیش نے بڑا سامنہ بنایا۔

”ڈاکٹر خومان کہتے ہیں۔“
”ڈاکٹر خومان..... میں نے یہ نام جنم پیشہ لوگوں میں سمجھی نہیں سنا، کیا یہ تمہارا فرضی نام ہے..... اگر کوئی اور نام ہو تو وہ بھی بتا دو۔“

”ہاں! ایک نام اور بھی ہے، مجھے کرنل بایان بھی کہتے ہیں:
”کرنل بایان..... میرے یہ یہ نام بھی نیا ہے، لیکن اگر تم اتنے ہی بہادر ہو..... طاقت در ہو اور نشا نے باز ہو تو یہ حال کس نے کی؟“

”گھر کے افراد نے، مجھے ان کی طرف سے اس اقدام کی ہرگز امید نہیں بھتی.....“

”تو پھر سن وو، اگر تمہارا تعلق اس ملک سے نہیں ہے تو اس ملک کا ہر گھر غیر ملکی دشمنوں کے لیے ایک چھوٹا سا قلعہ ہے۔“

”ہو چلا لیکن میں باتوں کو خاطر میں نہیں لایا کرتا، تم نے میرا دوسرا نام بھی نہیں سنا، خیر میں تمہیں اپنا ایک تیسرا نام بھی بتا سکتا ہوں، لیکن ایسا کرنے سے پسے میں تمہیں اپنا اصلی چہرہ دکھاؤں گا۔“

”یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔“ انپکٹر جمیش سکرائے۔

”لیکن اس کے وزرا بعد میرے پستول کی نالی سے ایک گولی نکلے گی اور اس کا رنج چھپک تھا رے دل کی طرف ہو گا، تم اس گولی سے بچ نہیں سکو گے، یہ میرا دعویٰ ہے۔“

”خیر! یہ بعد کی بات ہے، پسے تم اپنا اصلی چہرہ تو دکھاؤ۔“

انپکٹر جمیش پر نظریں جائے اور پستول کی نالی کا رخ پستور ان کی طرف رکھے، اس نے اپنے بائیکیں ہاتھ سے چہرے پر جھی جلیں گا کوئی چیز اتار کر چھینک دی، دوسرے ہی لمحے انپکٹر جمیش بڑی طرح چونکے نہ صرف چونکے بلکہ لڑکھڑائے بھی۔ ان کے منہ سے نکلا:

”جیراں..... مم مگر نہیں..... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

خان پاپا

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو، میں جیرال نہیں ہوں ۔ وہ بھرپور انداز میں مسکرا یا۔"

"ہاں! تم جیرال ہو بھی نہیں سکتے، جیرال اتنا نوجوان نہیں تھا، تم تو بالکل جوان ہو اور بھرا اس نے تو میری آنکھوں کے سامنے دم توڑا تھا، تو کیا... تم اس کے بیٹے ہو... لیکن نہیں، تم اس کے بیٹے بھی نہیں ہو سکتے، اس نے کہا تھا، میرا کوئی بیٹا نہیں۔"

"ہاں! میں اس کا بیٹا نہیں، لیکن میں اس کا بیٹا ہی ہوں ۔ اس نے عجیب بات کہی۔

"کیا مطلب ہے؟ انپکٹر جمیش نے جیران ہو کر پوچھا۔

"میں ان کی بہن کا بیٹا ہوں، میری ماں میرے پیدا ہوتے ہی مر گئی تھی، میرے ماں نے مجھے باپ کی طرح پالا، لہذا میں اس کا بیٹا ہی ہوا۔"

"اب میں سمجھا۔ تم جیتاں ہو۔" انپکٹر جمیش نے بغیر کسی

کھراہٹ کے کہا۔
ہاں! تم نے درست اندازہ لگایا، اب میراوار بچانے کے پیے تیار ہو جاؤ، دیکھو! میں کتنا بہادر ہوں، وار کرنے سے پہلے تمہیں خردار کر رہا ہوں، تم مجھے میرے ماں سے کم باصول نہیں پاؤ گے:-"

"مجھے باصول دشمنوں سے مل کر بہت خوشی ہوتی اور میں خوش ہوں کہ یہ خوشی مجھے ایک بار پھر مل رہی ہے....."

تم شوق سے فائز کر دے۔
جیتاں کی انگلی ٹریکر پر ڈباد ڈالنے لگی۔..... بھروسہ لک

گیا اور بولا:
یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پستول میں اب آخری گولی رہ گئی ہے، اس کے بعد میں پستول دوبارہ نہیں بھروں گا۔
کیا تم یہ کہتا چاہتے ہو کہ خود کو قانون کے حوالے کر دو گے؟"

نہیں! پستول کے بعد میں اپنے ہاتھوں اور پیروں سے تو کام لے بھی سکتا ہوں۔"

غیر! پہلے تم فائز کر دے۔
اور جیتاں نے پچ پچ فائز جھونک دیا۔ انپکٹر جمیش نے گول سے بچنے کے لیے اپنی بہترین گوشش کی، ادھر گولی چلی،

ادھر انہوں نے چلناگ لگائی، تاہم سکھل طور پر وہ بھی نہیں
سکے۔ گولی دل کی بجائے ان کے پہلو کو چھوٹی ہوئی نکل گئی
انہوں نے اپنی قیض کو سرخ ہوتے دیکھا۔

”تمہاری گولی میرے دل کو نہیں چھیڈ سکی۔ مجھے محفوظاً سا
زخمی ضرور کر گئی ہے، اب کیا کہتے ہو۔“

”میں اپنی شکست ماننے والا آدمی نہیں ہوں۔ یہ کہ کہ
جیتاں نے اوپر سے ہی ان پر چلناگ لگائی، انپکڑ جشید
ذراً نیچے بیٹھ گئے، جیتاں ان کے سر پر سے ہوتا ہوا دہری
طرف فرش پر گرا، پھر اٹھتے ہی ان کی طرف مرد نے کی بجائے
کھلے دروازے میں سے نکلا چلا گی۔ انپکڑ جشید جب مرٹے
ہیں تو وہ باہر نکل چکا تھا۔ جاتے جاتے اس نے ہانک لگا کر
بہت جلد دوبارہ ملاقات ہو گی۔“

انپکڑ جشید اس کی طرف دوڑے، پھر رک گئے۔ انہیں
شتو اور مانٹو کا خیال آگیا تھا۔ نہ جانے ان بے چاروں
کا کیا حال تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے ان کے پاس پہنچے، جیتاں
کے پیچے نہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ غھنٹے جھکلے میں
اس کی تلاش میں بھکنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا، اگر انہیں یہ
اندازہ ہو جاتا کہ جیتاں مقابلہ کرنے کی بجائے، عجاگا پس
کرے گا تو وہ پہلے ہی دروازے کا دھیان رکھتے۔

شتو اور مانٹو محو اور فاروق کے سامنے نصف دھڑک زمین سے
اٹھائے یہتھے تھے۔ ان کا خون بھسہ بھسہ کر ادو گرد کی زمین کو
مرخ کر چکا تھا، تاہم ابھی وہ زندہ تھے اور باتیں کرنے کے
قابل بھی۔ انہیں آتے دیکھ کر مسکراتے اور شتو نے کہا:

”ہم نے آپ پر نہیں اس ملک اور قوم پر جان دی ہے
..... کیونکہ آپ دن رات اس ملک کے وشمنوں سے رُلتے
کے پیسے تیار رہتے ہیں..... آپ ہمارے یہے ملازمت کی
کوشش بھی تو کر رہے تھے، یہ آپ ہی تھے جنہوں نے
ہمیں بُرے راستے سے بچایا اور یہدے راستے پر لگایا.....
ہم... ہم.... شتو اس سے آگے نہ کہہ سکا..... اس پر
غش طاری ہو گئی۔“

انپکڑ صاحب! مجھے اپنی موت کا کوئی غم نہیں، لیکن اس
شہر میں مخدوں گیلانیاں میں میری ایک بہن رہتی ہے، اس کا نام
یہا ہے، میرے سوا اس کا دنیا میں کوئی نہیں، میری آپ
سے درخواست ہے، آپ اس کا خیال رکھیے گا۔ مانٹو نے
شتو کے خاموش ہونے کے بعد کہا۔

”تم نکرنا کرو، مانٹو، میں ابھی تم دونوں کو جیپ میں ٹ

کر جیتاں لے چتا ہوں، تم دونوں پرخ جاؤ گے۔“
”اب اس کی ضرورت نہیں جناب! ہم نے اپنی منزل پالی ہے۔“

یہ کہتے کہتے مانٹو کی گردن دھلک گئی..... اپکڑ جشید نے چلا تھا۔
کراس کی نبض پر ہاتھ رکھا، لیکن مانٹو وہ توڑ چکا تھا۔
شتو کی طرف مرٹے، لیکن اتنی دیر ہیں شتو بھی اپنے الک
حقیقی سے جا ملا تھا۔ وہ ملک اور قوم پر جان کی بازی
گئے تھے، وہ شہید ہو گئے تھے۔

انہیں دیں چپوڑ کرو وہ صدیق احمد کی کوہٹی میں داخل ہوا
وہ سب ایک کمرے میں بند تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جیتاں نے
ہوش میں آنے کے بعد پستول ان پر تان لیا تھا اور پسوا
کی زور پر اس کمرے میں بند کر دیا تھا۔

اس وقت انہوں نے پولیس کے سارنوں کی آوازیں سنیں
پولیس نے شتو اور مانٹو کی لاشوں کو اپنے قبضے میں کر دیا۔
انپکڑ جشید نے انہیں نیپٹو اور بالی کی تلاش کی ہدایت کی
وقت شتو اور مانٹو کو گولی لگی اور وہ صدیق احمد کی کھلی
طرف بھاگے، اس وقت نیپٹو اور بالی کو بھی بھاگنے کا موقع
مل گیا تھا۔ پولیس پارٹی کو رخصت کرنے کے بعد انہوں نے فرا
فاروق اور فرزانہ کو ساتھیا اور پروفیسر داؤڈ کی کوہٹی کی جزا
بڑھے۔ شتو اور مانٹو کی موت نے انہیں غلگین کر دیا تھا اور
وہ چپ تھے۔ پروفیسر داؤڈ اور شائستہ کے پاس پہنچے ہی انہیں
سب سے پہلے ان خطوط کا خیال آیا جن کی خاطر یہ سارا بکر

لاؤ فرزانہ، وہ خطوط کہاں ہیں؟ اپکڑ جشید بولے۔
خطوط دیکھنے سے پہلے یہ بہتر ہو گا کہ تمام درداں اور کھنکیاں
بند کر دی جائیں۔
فکر نہ کرو، باہر پولیس کے کچھ جان موجود ہیں۔ اب جیتاں
یا اس کا کوئی ساتھی اندر آتے کی جرأت نہیں کرے گا۔
جیتاں۔ یہ آپ کی کہ رہے ہیں۔ محمود چننا کا۔
ایاں نیپٹو اور بالی کو اس کام پر لگانے والا جیتاں ہی تھا
.... وہی جیتاں جس سے تمہاری ملاقات پہلے ہی ہو چکی ہے۔
انپکڑ جشید نے مسکرا کر کہا۔

ادھر بھی جشید جیتاں کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگے۔... اس کے
بعد وہ چھر فرزانہ کی طرف مرٹے۔
فرزانہ تم نے خط نہیں نکالے۔
ایسا جان بند جانے مجھے کیوں ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ادھر
میں خط نکالوں گی اور ادھر جیتاں آدمیکے گا اور خطوط اچک
لے جائے گا۔
بھی وہ انسان ہے، کوئی جن یا بجوت نہیں ہے۔
اگر آپ کہتے ہیں تو نکالے دیتی ہوں۔ اے مگر... میں

نے وہ خطوط بھلا کمال رکھ دیے اوہ ہاں یاد آیا ۰۰۰۰۰
ہے اسی خیال ہے، اس میں تم لوگوں کے لیے کوئی کام کی یارا
میری قیص کی خفیہ جیب میں ہیں ڈیکھنے کیوں نہ ہو سکتی، جبرا خبر میں بھی چھپ چکی ہے کہ
کل بات نہیں ہو سکتی یہ جبرا خبر میں بھی چھپ چکی ہے کہ کر انہوں نے دوسرا
نیچے بنی خفیہ جیب میں سے مرٹے تڑپے خط نکال کر ان کا پوریشن کا سالانہ اجلاس ہوا رہا ہے یہ کہ کر انہوں نے دوسرا
سامنے ڈال دیتے۔

لغاڑ چاک کیا اور اسے پڑھ کر بولے:
” یہ میرے ایک غریب دوست کی طرف سے آیا ہے، اس نے
بات ہے، اس یے پہلے تو آپ ان خطوط کو دیکھ لیں اور البتہ
ابنی کچھ مشکلات کا ذکر کیا ہے اور مدد کی درخواست کی ہے،
بعد ہم انہیں پڑھ کر یہ اندازہ لگایں گے کہ ان میں ایسی
بیرا خیال ہے، اس میں بھی تم لوگوں کی دلچسپی کی کوئی بات نہیں ہے
یہ تو نہ کیسے نہ کل: ایسے لوگوں کی تو ہم تلاش میں رہتے
ہیں۔ اگر آپ ان کا قام اور پتا دینا پسند کریں تو ہم بھی ان کی
مد کریں گے یا چھر ہم آپ کو ہی امداد کی رقم دے دیا کریں
گے۔“ فرزانہ نے کہا۔

ضرور ضرور ہے پروفیسر خوش ہو کر بولے اور تیرا خط کھولا۔
بھی میز پر دو خطوط اور باقی تھتے، لیکن تیرے خط کی تحریر نے
شتو اور مانٹو کا خیال آتے ہی ان کی بہتی کا گلا گھٹ لیا
انہیں یوں لگا جیسے ان سے کوئی جرم سرزد ہو گی ہو۔ آخر
مہنیں سکڑا گئیں اور بھران کے منہ سے نکلا!

” اوہ یہ میں کیا پڑھ رہا ہوں ۔۔۔
یہ کہتے ہوئے انہوں نے خط نکالا اور اسے پڑھنے
اور وہ سب اس پر جگ پڑے۔



” پروفیسر صاحب! چونکہ کسی کی ڈاک دیکھنا اخلاق سے گری
بات ہے، اس یے پہلے تو آپ ان خطوط کو دیکھ لیں اور البتہ
بعد ہم انہیں پڑھ کر یہ اندازہ لگایں گے کہ ان میں ایسی
بات ہے جس کے لیے اس قدر بھاگ دوڑ کی گئی۔“
” بھی میری طرف سے اجازت ہے، پہلے تم ہی انہیں
لوڑ پروفیسر داؤڈ مکراتے

” جی نہیں، پہلے آپ ہی دیکھائیں۔ انپکٹر جمیڈ بولے۔
” جی نہیں پہلے آپ پڑھ لیں۔ پروفیسر داؤڈ نے بھی البتہ
کے انداز میں کہا اور انہیں اس عالم میں بھی ہنسی آگئی ایسا
انہیں یوں لگا جیسے ان سے کوئی جرم سرزد ہو گی ہو۔ آخر
داؤڈ کو ہی خطوط دیکھنا پڑے۔ انہوں نے سب سے پہلا خطا
انکھیا، لغاڑ چاک کر کے انہوں نے خط نکالا اور اسے پڑھنے
کے بعد بولے:

” یہ سامنی ترقیاتی کارپوریشن کی طرف سے مینگ کا دعا

انپکڑ کامران مرزا کو ہوش آیا تو کمرے میں ان کے بوقوع ہے اور خیال ہے کہ وہ ملک کے مغربی حصے کی طرف آفتاب اور آصف کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ انہوں نے راز کرنے والا ہے، کیونکہ آج شام سے پہلے صرف ایک ہلایا جلایا تو دو نوں ہوش میں آگئے، لگھڑی پر نظر ڈالنے والیا سے جائے گی اور وہ مغربی حصے کی ہے۔

پتا چلا، وہ صرف چند منٹ بے ہوش رہے تھے۔ بہت خوب! اسے نظر میں رکھو، میں آ رہا ہوں، طیارے " وہ لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، لیکن انہیں سینیو فرمان علی خان، ارشاد علی، نوشاد علی کے نام گوشش یہ ہوئی پاہیے کہ وہ ملک سے باہر نہ نکلے تب کراو... جہاز کس وقت جائے گا۔ اور اگر نکل ہی جائیں تو ہم ان کے تعاقب میں ہوں، جی بہتر... جہاز ٹھیک وہ گھنٹے بعد روانہ ہونے والا یہ بہتر ہو گا کہ ان کا تعاقب کریں، اسی طرح ہم جان بناۓ گے۔

کے کہ یہ سارا جکڑ کی ہے۔ اب ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔

دہان سے نخل کر وہ ایک پیلک فون بوٹھ تک پہنچے۔ جی ہاں! ایک بہت بڑا سا بیگ اٹھائے ہوئے ہیں۔ کامران مرزا نے پیرمول کاروں کے انچارج کو بلے آدمی کی سامان بھی ہے۔ جیک ہے، یہ بھی معلوم کرنے کی گوشش کرو کر وہ کس حلیہ بتاتے ہوئے تمام سیشنوں، ہواں اڈوں اور بندگاہیں نام سے سفر کر رہا ہے۔

جو اچھا۔

انپکڑ کامران مرزا آفتاب اور آصف کو لے کر میک اپ آئے، انہیں خبر کر دی جائے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے روم میں لگھس گئے۔ آدھہ گھنٹے بعد نکلے تو وہ ایک بوڑھے آئی جی صاحب اور جوی آئی جی صاحب کو بھی صورت حالے باخبر کیا۔ آدھہ گھنٹا بھی نہ گزرا تھا کہ انہیں اپنے گھر کے فو بدر اطلاع ملی،

"ہیلو! آپ کے بیان کردہ جیسے کا ایک آدمی جو اسی قدر مباہے جتنا کہ آپ نے بتایا ہے، اس وقت ہواں اڈ

ناک بندی کا حکم دیا اور یہ بھی ہدایات دی کہ جوہنی وہ نظر آئے، انہیں خبر کر دی جائے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے آئی جی صاحب کو بھی صورت حالے باخبر کیا۔ آدھہ گھنٹا بھی نہ گزرا تھا کہ انہیں اپنے گھر کے فو بدر اطلاع ملی،

"ہیلو! آپ کے بیان کردہ جیسے کا ایک آدمی جو اسی قدر مباہے جتنا کہ آپ نے بتایا ہے، اس وقت ہواں اڈ

"اب میں فرمان علی خان ہوں، آفتاب تم ارشاد علی ہے بہت شریفیاں تھیں، لیکن اس وقت اس کے چہرے پر انپکٹر اور آصف نوشاو علی، تم دونوں ریاست بنگ ڈنگ کے ولی عہد ان مرزہ کا باختہ بچرا ہوا تھا۔

"ریاست بنگ ڈنگ یہ کیا کوئی واقع ہے ابجا جان؟ آنماں وہ ایک پورن پر اترے تو ایک آدمی لپک کر ان کی طرف کے لجھے میں حیرت تھی۔

"یہ چین کے شمال میں ایک چھوٹی سی مسلمان ریاست سے یہ نہ بتا دیتے کہ وہ کس حدیے اور کس کار میں آئے ہے، تم فکر نہ کرو، صرف اپنے نام یاد رکھنا خود کا صندوق تو اس کے فرشتے بھی انہیں نہ پہنچان سکتے:

کیا بھر ہے؟

لبایا آدمی موجود ہے۔ جہاڑ پر واڑ کے لیے تیار ہے، لمبے آدمی

اور مجھے تم خان بابا کہ کر پکارو گے، میں تمہارا نگران لکھوایا ہے:

ہوں ۔۔۔

ایک سو گیارہ؟

ٹھیک ہے، جب تک جہاڑ پر واڑ نہ کر جائے، تم اور

تمہارے ساتھی نگرانی جاری رکھیں گے۔

بہت بہتر جناب؟

آدمی گھنٹے بعد وہ جہاڑ میں سوار ہو چکے تھے۔ سید بزر

ایک سو گیارہ پر انہوں نے ایک اچھتی سی نظر ڈالی تھی اور

یہ دیکھ کر انہیں اٹھناں ہو گیا تھا کہ یہ دہی تھا جو انہیں

بے ہوش کر کے نکل آیا تھا۔

انپکٹر کامران مرزہ ملک کے مغربی حصے میں بھی پہنچے ہیں فون

جی بہتر ہے دونوں ایک ساختہ بولے۔

اور مجھے تم خان بابا کہ کر پکارو گے، میں تمہارا نگران لے اپنا نام تاکہ خونا لکھوایا ہے:

ہوں ۔۔۔

بیویار! ہم تو بن گئے ریاست کے ولی عہد آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

خدا کا شکر ادا کرو ارشاد علی۔ آصف مسکرا یا۔

ہاں! اس کا شکر تو بہر حال ہیں ادا کرنا چاہیے۔

ٹھیک سوا گھنٹے بعد وہ ایر پورٹ پر روانہ ہو

گئے۔ اس وقت ان کی کار بھی شاہزاد قسم کی تھی اور ڈرائیور

کی سیٹ پر ایک باور دی ڈرائیور ٹھیک ہتا۔ اس کی بڑی

بڑی موچیں اس کے چہرے کو خوفناک بنانے کی تھیں۔ یہ

کار ان کے ایک دوست کی تھی۔ اور ڈرائیور کی صورت

کر چکے ہتھے انہوں نے اپنے دوست کو ہدایت کی تھی اُبھی ہاں بیہ قوہ ہے۔ ایڈ پورٹ پر کار لے کر موجود رہے۔

”ابا جان! آپ نے اس موقع پر اپنے ایک عام دوست مزدور ملاقات کو بھی تو فون کر سکتے ہیں کیوں فون کیا، آپ انکل جمیش کو بھی تو فون کر سکتے ہیں جو منی جماز نے زین چھوڑی، آفتاب نے سوال داغ دیا، سیٹ ہے ایک سو گیارہ ان سے کافی فاصلے پر بھتی اور ان کی گفتگو کیے جاتے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔

”میں نے اپنی پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا، ہو سکتا ہے وہ کسی صزوری کیس میں الجھے ہوئے ہو، اس طرح ان کی توجہ دو طرف بٹ جاتی ہے اسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”دیے انکل اس کیس سے فارغ ہونے کے بعد کیا آپ ہمیں ان سے ملا تے نہیں چلیں گے؟

”اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو ملا لاوں گا، بشرطیکہ وہ ان دنوں شہر میں ہی ہوئے ہے دہ بولے۔

”ہماری تو زبردست خواہش ہے کہ ایک بار پھر ان سے ملاقات ہو، ہم کچھ وقت ایک ساتھ گزاریں ہے اُصفتے سرداہ بھری۔

”معلوم ہوتا ہے، تم ان کے بارے میں اکثر سوچتے رہتے ہو۔ اسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”اب اس معاملے کی طرف آئیے کیا آپ کچھ اندازہ لگا کے ہیں؟

”صرف اتنا کہ پروفیسر افلاک جاہ نے کوئی بہت ہی اہم چیز ایجاد کی تھی۔ ان کا استثنہ اس ایجاد کی کھوچ میں تھا، ہو سکتے ہے، ہمارے وشن حاک کا جاسوس ہو۔ پروفیسر کو بھی شاید اس پر نکل ہو گی تھا۔ انہوں نے اپنی ایجاد کے بارے میں کسی کو خط لکھا، استثنہ مراد طالب نے وہ خط اڑانے کی گوشش کی، لیکن خط لکھا اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ نہ لگ کے سکا، دوسرے انہوں نے پروفیسر سے ایجاد کے بارے میں معلوم کرنا چاہا، لیکن انہوں نے لے کچھ نہ تباہا اور جان دینا منتظر کر لیا، اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی بہت اہم ایجاد ہے۔ تجربہ گاہ سے ایک ریڈیو گم ہے، اس ریڈیو کو ہم پروفیسر کی میز پر دیکھ لپکے ہیں، خیال ہے کہ شاید وہ ایجاد اس ریڈیو میں چھپی ہوئی تھی۔ اب یہ لبا آدمی اس ایجاد کو اڑانے کے لیے جا رہا ہے، میں اگر جاہوں تو اسے یہیں گرفتار کر سکتا تھا اور وہ ریڈیو بھی اس سے برآمد کی جا سکتا تھا، لیکن میں دیکھتا یہ چاہتا ہوں کہ یہ کہاں جا رہا ہے۔

انپکڑ کامران مرزا کہتے چلے گئے۔
 ”اس کا مطلب یہ ہے کہ پروفیسر افلاک جاہ کا خط اس شخص
 کو ملنے والا ہے..... کاش ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے
 خط کے لکھا تھا..... ان کے قتل کی خبر بھی تو کل اخبار میں آنے
 والی ہے، کیا آپ اس خبر میں یہ اضافہ نہیں کر سکتے کہ افلاک
 جاہ نے مرنے سے پہلے کسی کو ایک خط لکھا تھا، وہ اس خبر کو
 پڑھنے کے بعد آپ سے رابط قائم کریں۔“ آصف نے بخوبی
 پیش کی۔

”ہماری تجویز ابھی ہے، اس خبر میں تو اب اضافہ نہیں کرو یا
 جاسکتا، یکون تکہم ادم آگئے ہیں، البتہ میں ملک کے دو قوی حصوں
 کے اخبارات میں اشتہار ضرور دے دوں گا..... شاید اس سے
 کوئی نتیجہ نکل آئے۔“ انہوں نے کہا۔

ٹھیک اڑھائی گھنٹے بعد وہ ملک کے مغربی حصے کے ایر پورٹ
 پر اتر رہے تھے۔ انپکڑ کامران مرزا انہیں لے کر جلدی سے باہر
 آئے، ان کا دوست کار یہے کھڑا تھا۔

”ہمیں ایک آدمی کا تعاقب کرتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ
 میکی کے ذریعے جاتا ہے یا اسے بھی لینے کے لیے کوئی کار آتی
 ہے۔“ انہوں نے اپنے دوست امتیاز شاکر سے کہا۔

”ٹھیک ہے، تم صرف اشادے سے مجھے بتا دینا، وہ کون

ہی ہے۔ اس کے بعد سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیتا۔“ امتیاز شاکر نے
 کہا۔ دراصل امتیاز شاکر کا تعلق خفیہ پولیس سے تھا اور وہ اس قسم
 کے کاموں کا ماہر تھا۔

”بس وہ آتا ہی ہو گا۔“
 چند منٹ بھی نہ گزد سے ہوں گے کہ لمبا آدمی یعنی ڈاکر خومان
 آتا دکھائی دیا۔

”یہ ہے۔“ انپکڑ کامران مرزا نے سرگوشی کی۔
 ”بہت خوب!“ امتیاز شاکر نے اسے لکھوتے ہوئے کہا۔
 ”پھر وہ غیر محسوس طور پر اس کے چھپے چل پڑا وہ میکی شینیہ
 کی طرف پڑھ رہا تھا۔ یہ اپنی کار کی طرف پکے۔ عین اسی وقت
 انپکڑ کامران مرزا کی نظر ایک آدمی پر پڑی، وہ بیری طرح چنکے۔
 وقت بہت نازک تھا، لیکن وہ اس آدمی کو بھی نہیں چھوڑ سکتے
 تھے، چنانچہ امتیاز شاکر، آفتاب اور آصف کو روکنے بغیر وہ اس
 آدمی کی طرف مڑا گئے، آفتاب اور آصف نے جوان کی طرف مرڑ
 کر دیکھا تو صحبو تھکے رہ گئے..... وہ آدمی منور علی خان تھے اور
 شاید کسی جہاز پر سوار ہونے کے لیے آئے تھے۔ انپکڑ کامران
 مرزا ان کے نزدیک پہنچے اور ان کے کام میں بوئے:
 ”دوست! تھیں ہمارے ساتھ چلا ہے۔“
 ”وہ کیوں... کیا تم لوگوں کو اخواز کرنے کا دھندا کرتے ہو؟“

منور علی خان چونکے۔

"ہاں ! اور اس وقت تو میں اخونا کروں گا : انپکڑ کامران اپنے
اصل آواز میں بوسے ، یکوئی دقت بہت تازگ تھا ۔ اب منز
ملی خان بھی چونکے۔

"پہلی کامران مرزا ۱۰۰۰ یہ تم ہوتے

"اس وقت ہم ایک مجرم کا تعاقب کر رہے ہیں ہمدا کوئی
سوال کیے بغیر پہلے ہوئے ۔

"یہکن میرا جہاز تکل جائے گا :

"گولی مارو بچاڑ کو ۔ انپکڑ کامران مرزا نے کہا اور وہ
ان کے سامنے پہنچے گئے ۔ جلد ہی وہ کارٹک پہنچ گئے ۔ درسے
اننوں نے ڈاکٹر خزان کو ایک ٹیکسی میں منتظر دیکھا ۔ وہ بھی کار
تیں بیٹھ گئے ۔ جوئی ٹیکسی احاطے سے نکلی ، امیار شاکر نے بھی
کار اس کے پیچے لکا دی ۔

"یہ چکر ہے : منور علی خان تکے گما۔

"پہلے میں ہندرا تعارف کرائیں ۔ یہ امیار شاکر ہیں ، ہماری
کی خنی پوہیں کے ایک دستے دار افسر اور مرٹشکر یہ میرے
دستے منور علی خان ہیں ، مشہور و معروف شخصیتی ۔

"اوہ ہو ، ان کا تو میں نے بہت نام سا ہے : امیار شاکر
نے کہا : آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ۔

۔ بے بھی بے تھا شہنشوہی ہوئی : منور علی خان مسکراتے

۔ دہان نے سامنے اگل سیٹ پر بھی بیٹھ گئے ۔

۔ شاید تم ان دونوں ملک کے لمحتے میں شکار کھیل رہے ہے :

۔ ہاں ! بہت دونوں سے ادھر آیا ہوا جوں = ہمین نے کہا ۔

۔ نیکی ہجولی اپریل کی طرف باہر ہی ہے ، کوئی بخوبی اس طریق

پر دہنی ایک بڑا ہو چکا ہے ، کیا خالی ہے ، یہ اس سے آگے

تھیں ، اس طرف تعاقب کا شہر بھی نہیں ہو گا ۔ امیار شاکر

نے تجویز پیش کی ۔

۔ نیک ہے ، یہکن آگے رہتے ہوئے بھی دریافتی فاصلہ زیادہ

نہیں ہونا چاہیے ۔ ایسا نہ ہو ، غائب ہو جائے اور اگر یہ

لکڑوں سے او جبل ہو گی تو سب کچھ شاکر میں مل جائے گا ۔

۔ میر نہ کرو : امیار شاکر نے کہا اور رفتار بر جانے لگا ،

یہاں تک کہ وہ ٹیکسی کو پچھے چھوڑ گئے ۔ پندرہ منٹ بعد وہ

ہجولی اپریل میں داخل ہو رہے تھے ۔ اس سے پہلے وہ ٹیکسی

کو بھی ہو چکی کے سامنے رکتے دیکھ چکے ہے ۔

۔ بیخ امیار شاکر کو دیکھتے ہی پہک کر اس کی طرف آیا اور

۔ انپکڑ آواز میں بولا :

۔ یہ حکم سے جاہل عالی جگہ سے کوئی قدر نہیں ہو گا ۔

۔ نہیں ، دو گروں کی صورت ہے ، اسٹر اسٹاد میں اور فشاہ میں

اپنے ان کے کرفٹ میں بچپوڑ کر چلا گیا۔ انہوں نے اپنا سامان
تکرہ مبڑا ایک سو دس میں رکھا اور خود ایک سو گیارہ میں
اکر بیٹھ گئے جلد ہی انہوں نے ساتھ دالے کمرے کا
دروازہ سکھنے کی آواز سنی..... اوہ دیر دوبارہ کمرے میں
سے جان سکیں۔

” میں سمجھ گیا جناب! آپ فوراً انہیں دوسری منزل کے کمرہ نسب

ایک سو نو اور ایک سو دس میں لے جائیے، کاغذی کارروائی
بعد میں ہوتی رہے گی۔ آنے والے کو تکرہ مبڑا ایک سو بارہ د
جائے گا، مبڑا کا غسل خانہ مشترک ہے اور میں انہیں
ایک چابی دے دوں گا، یہ کسی وقت بھی اس کمرے میں جا
سکیں گے۔“

” بہت خوب مرتضیٰ چاہاں..... تم بہت کام کے آدمی ہو۔
” شکریہ جناب عالیٰ: اس نے خوش ہو کر کہا اور وہ ایک
دیر کے ساتھ زینت کی طرف بڑھنے لگے، اسی وقت انہوں
نے ٹاکرہ خونا کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔

مبرا خیال ہے، اسے تعاقب کا ذرا بھی شک نہیں ہوا
ہو گا: امتیاز شاکر بولا۔

” ہاں! خیال تو ہی ہے، لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکا
یہ شخص بھی بہت چالاگ لگتا ہے۔ اپکر کامران مرا بو۔ دیر

” اب وقت ہے کہ ہم اس کی چیزوں کی تلاشی لے لیں۔
” پہ کہہ کر وہ اپنے کھڑے ہوئے غسل خانے کا دروازہ کھولा اور
عمر پینجھر کی دی ہوتی چابی سے کمرے میں کھلنے والا غسل خانے
کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے اس کا بیگ

کھوں کر دیکھا۔

بیگ میں وہ ریڈیو موجود تھا جو انہوں نے پروفیسر اونکی کی میز پر دیکھا تھا۔ اس وقت انہوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی، لیکن اب یہ ریڈیو بے تحاشہ اہمیت حاصل کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ پلاٹک کے بڑے بڑے اگرے بھی تھے۔

انہوں نے فوراً بیگ بند کی اور غل خانے سے ہوتے ہوئے اپنے کمرے میں آئے۔ انپر کامران مرازا نے رسیور اٹھ کر کان سے لگایا تو دوسری طرف سے مینجر نے کہا:

”مرد فرمان علی خال... وہ دالپس آ رہا ہے۔“

”بہت بہت شکر یہ؟ یہ کہہ کر انہوں نے رسیور رکھ دیا۔“
”اشنی جلدی واپسی کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کو فون کرنے لگی تھا۔“

انہوں نے خیال ظاہر کیا۔
”آبا جان! کسیوں نہ ہم اس کے بیگ سے ریڈیو اٹالیں۔“
”اس طرح ہم یہ نہ جان سکیں گے کہ یہ کرنا کیا چاہتا ہے، ولیے تم یہ فکر رہ جو پروفیسر افلک جاہ کی ایجاد کے بارے میں ابھی یہ لوگ کچھ نہیں جانتے، جہاں تک میرا خال ہے، یہ اس خط کے چکر میں میں جو انہوں نے کسی کو نکھا تھا۔“

”آپ اخبار میں اشتہار دے رہے تھے؟“

ہاں! میں ابھی باہر جا کر امتیاز شاکر کو فون کر دیں گا۔ امیران مرزا کمرے میں داخل ہوئے۔ اشتہار کی اشاعت کا بندوبست تکرار دے گا، دوسرے اس۔ صبح کے اخبارات میں پر دفیر انفلک جاہ کی خبر کے ساتھ ہی ایک کار کا بندوبست کرنے کے لیے بھی کہنا ہے.... بلکہ میں اشتہار لگ جائے گا اور کار کا بندوبست بھی ہو گیا ہے، یہ کام کر ہی آؤں، تم لوگ یہیں بھڑو گے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھنٹے بعد کار نیچے موجود ہو گی، اس میں ڈرائیور بھی ہو لیکن پھر رک گئے۔

کی پروگرام بدل گیا ہے؟ آصف نے پوچھا۔

”نہیں، میں چاہتا ہوں، پسے وہ اپر اپنے کمرے میں آجائے۔“ بہت خوب! یہ امتیاز شاکر تو بہت کام کے آدمی ہیں۔ اچانک ساختہ دالے کمرے کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ انپر کامران مرزا نے اپنے کہنا،

”نہیں، میں چاہتا ہوں، نبھن کے اس ساتھ ہی انپر کامران مرزا نے ساختہ دالے کمرے کا دروازہ کھلنے اور ہم جلد ہی انہوں نے ساختہ دالے کمرے سے بھڑو کھلنے اور ہم بند ہونے کی آواز سنی، اس کے ساتھ ہی انپر کامران مرزا نے ساختہ دالے کمرے سے باہر نکل گئے۔“

”اُنکل! آپ سے یوں اچانک مل کر بہت خوشی ہوئی۔“ افلا نے آہستہ آواز میں کہا۔

”بھئی خوش تو میں بھی ہوا ہوں، لیکن ڈر رہا ہوں کہ کہیں تو لوگ مجھے کسی جاسوسی چکر میں نہ بھنسا دو۔“ انہوں نے ڈری ڈری آواز میں کہا اور دونوں بے ساختہ مسکرا دیے۔

”ویسے یہ چکر کیا ہے، کیا تم مجھے تفصیل سے بتائے؟“ ”جی ہاں! کیوں نہیں؟ آفتاب نے کہا اور شروع ہے نہ داعقات سنانے لگا۔ ابھی اس نے کہانی ختم ہی کی تھی کہ انہوں

”میں غسل خانے میں جا رہا ہوں، تم لوگ یہیں بھڑو، اشید میں ان کی گفتگو سن سکوں؛“ ”مجھے اجازت دیں، میں بیردنی دروازے پر کان لگا کر کھڑا ہو جائیں گے۔“ ”نہیں! ہم کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے اسے شک ہو جائے۔“ انہوں نے انکار میں سر ملا یا اور چلے گئے۔ پندرہ منٹ بعد وہ واپس آئے اور انہوں نے سرگوشی میں بتایا۔ ”میں ان کی گفتگو نہیں سن سکا، وہ بہت ہوشیار اور جاگا۔

ہے، اس نے آئے والوں سے بہت سچی آواز میں باتیں
پیش کر دیں، صرف اتنا اندازہ لگا سکتا ہوں کہ آئے والے دوں ان بڑھا:

بیخیر میں ان کا حلیہ تو بینجھر سے بھی معلوم کر سکتا ہوں اب "میرا نام جابر رضا ہے، امتیاز شاکر صاحب کی طرف سے بھیجا
ہمیں رات بھر جاگ پڑے۔ بیخیر! ہم باری باری جاگیں لایا ہوں..... اس طرف تشریف لے آئیے: اس نے ایک سفید
..... کہیں پر رات میں کسی وقت نہ تکل جائے۔ خدا تعالیٰ تک کی لمبی سی کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
اس کا کیا پروگرام ہے؟

بیٹھ گئے۔

ان کی باتیں سن کر وہ فکر مند ہو گئے، پھر وہ بالا
چند منٹ بعد ہی ہٹول سے بدعاش ٹاپ دو آدمی نکلتے
باڑی جاگتے رہے، لیکن رات آرام سے گزر گئی، ابھی وہ نہ
کر رہے تھے کہ پھر سماختہ والے کمرے کے دروازے پر دستک
دی گئی..... انپکٹر کامران مرزا اکٹھ کھڑے ہوئے اور غسل

میں چلے گئے، جلد ہی وہ واپس آئے اور ان سے بولے:
"آؤ نیچے والیں چلتے ہیں، بلکہ باہر حل کر کار میں بیٹھنے
میرا خیال ہے..... یہ لوگ کہیں جاتے کا پروگرام بنارہے ہیں
منور علی خان اگرچہ خالص شکاری آدمی تھے، لیکن جب
اہنوں نے تمام حالات اور واقعات سننے شروع کیے تو
دچکی لے رہے تھے، چنانچہ ان کے سماختہ دھوکے میں
یہے تیار ہو گئے۔ انپکٹر کامران مرزا رات ہی ہٹول کے
سے ڈاکٹر خومان کے ملاقاً میں کے جیسے معلوم کر جکے تھے
ہٹول سے باہر نکلے تو سفید کپڑوں میں ملبوس ایک آدمی الا
ڈاکٹر خومان کے کمرے کے دروازے پر تلا لگا ہوا تھا۔

ان کی باتیں سن کر وہ فکر مند ہو گئے، پھر وہ بالا
چند منٹ بعد ہی ہٹول سے بدعاش ٹاپ دو آدمی نکلتے
باڑی جاگتے رہے، لیکن رات آرام سے گزر گئی، ابھی وہ نہ
کر رہے تھے کہ پھر سماختہ والے کمرے کے دروازے پر دستک
دی گئی..... انپکٹر کامران مرزا اکٹھ کھڑے ہوئے اور غسل

مجھ پر جبی ہیں۔ انہوں نے اپنے آدمی میری فکر کی پر
 لگا رکھے ہیں۔ اور میں ایک خاص چیز ایجاد کرنے
 میں کامیاب ہو گی ہوں۔ ایسی ایجاد کر ہم اپنے بڑے
 سے بڑے دشمن پر فتح حاصل کر سکتے ہیں، بلکہ اسے
 بڑی آسافی سے نہیں میں ختم کر سکتے ہیں، یہ ایجاد
 اگر غیر ملکی ایجنٹوں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اس سے
 اٹھ جارے خلاف استعمال کرے گا اور مجھے کوئی مدد
 ملنے کی امید نہیں، میں خطرات میں گھرا ہوں اور
 اس امید پر یہ خط لکھ رہا ہوں کہ شاید یہ آپ
 تک پہنچ جائے، ویسے تو مجھے ڈر ہے کہ دشمن اس
 خط کو پہنچی راستے میں ہی اڑانے کی گوشش کریں
 گے، اگر ایسا ہو گیا تو پھر ہم تباہی کے کنارے
 پر کھڑے ہوں گے اور کوئی ہمیں بچانے والا نہیں
 ہو گا، خدا کرے یہ خط آپ تک پہنچ جائے اور
 آپ یہاں آ کر میری تجربہ گاہ سے وہ ایجاد حاصل
 کر لیں۔ میں اس خط میں یہ ذکر نہیں کر سکتا کہ
 ایجاد کیا ہے، اس کے لیے آپ کو اپنی ذہانت
 سے کام لینا ہو گا، یہ سوچنا ہو گا کہ میں کس
 چیز کی ایجاد کی فکر میں رہا ہوں گا اور یہ معلوم

ان کی عدم موجودگی میں وہ بھی نکل گیا تھا اور اس کا مطلب
 یہ تھا کہ وہ ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ اندازہ لگا چکا تھا۔
 دوسرے اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی تھی کہ وہ اس شہر
 کے علاقوں اور راستوں سے بخوبی دا قفت تھا۔ کویا اس نے انہیں
 پہنچ دیا تھا۔ انپکڑ کامران مزرا فوراً غسل خاتمے میں داخل ہو
 گئے۔ ان کے پیچے آفتاب، آصف اور منور علی خاں بھی تھے۔
 پنجھر کی جاپی سے دروازہ کھول کر وہ کمرے میں داخل ہوتے۔
 انہوں نے دیکھا، بیگ فائزہ تھا۔
 وہ وھک سے رہ گئے۔



خط کے الفاظ عجیب و غریب تھے۔ سب ایک ایک لفظ عنز
 سے پڑھنے لگے۔ الفاظ یہ تھے۔

"ذیر داؤد!

ہو سکتا ہے جب یہ خط نہیں ملے، میں اس دنیا
 میں نہ ہوں۔ میری موت کا سبب میری اپنی ایجاد
 ہو گی، میری قوم کے سب لوگ مجھے پاگل خیال
 کرتے ہیں، ان کے خیال میں میں کوئی ایجاد کر
 ہی نہیں سکتا، ادھر یعنی علی جاسوسوں کی نظری

کرنا کچھ مسئلہ بھی نہیں ہو گا۔ میری ایجاد کی مزید کاپیاں تیار کر کے کام میں لائی جا سکتی ہیں۔ فی الحال اسے بہت پھوٹے پیمانے پر استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر گوشش کی جائے تو یہ ایجاد اتنے بڑے پیمانے پر کام کرے گی کہ دنیا میں کھلی پڑے جائے گی، لیکن افسوس اس وقت میں اس دنیا میں موجود نہیں ہوں گا، تاہم آسمانوں پر میری روح حضور نبوش ہو رہی ہو گی، اگر ایسا وقت آئے تو میرے یہ دعائے خیر کر دیجیے گا۔

خدا کرے یہ خط آپ تک پہنچ جائے۔
فقط

پروفیسر افلک جاہ

خط پڑھنے کے بعد بھی وہ چند منٹ تک سوچ میں گم رہے۔ آخر انپکٹر جمیل نے:

کیا خیال ہے پروفیسر صاحب! آپ یہ کس طرح معلوم کریں گے کہ وہ ایجاد کیا ہے، کیونکہ جب تک آپ یہ معلوم نہ کر لیں، پروفیسر افلک جاہ کی تجربہ گاہ میں جا کر اسے تلاش کرنا ہے سو ڈھونڈ ہو گا۔

ہاں مہارا خیال تھا، اس کے یہے مجھے ان تمام ساتھی

ہاں کا جائزہ لینا ہو گا جن میں افلک جاہ کے معاشرین شائع ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی لیک یا ایک سے زائد معاشرین میں اور اس ایجاد کی طرف اشارہ ملتا ہو گا۔

تو پھر آپ یہ کام اسی وقت سے شروع کر دیں، کیونکہ اس انداز سے اس خط کو اڑانے کی گوشش کی تھی۔ اس سے سان لکا ہر ہے کہ دشمنوں کو مکمل معلومات حاصل ہیں۔ یہاں تک اور اس خط کے تعاقب میں یہاں تک بھی پہنچ گئے..... لیکن اس سے بھی پہلے ہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ پروفیسر افلک جاہ اس وقت تک زندہ ہیں یا نہیں، اور ہاں! یہ بہت مزدودی ہے...: انپکٹر جمیل نے چونکہ کہ کہا اور فون پر شرقی حصے کے کوئی نمبر ٹوائل کیے۔ آدھ گھنٹے کی گوشش کے بعد سدلیل گیا۔ انہوں نے کہا:

میلو! میں انپکٹر جمیل بول رہا ہوں.... علیکم السلام....
لکڑی شکریہ.... آپ سے بھتوڑا سا کام ہے، بھی ہاں.... صرف یہ معلوم کراؤ کہ پروفیسر افلک جاہ کس حال میں ہیں۔....
جن کیا کہا....: انپکٹر جمیل زدر سے چونکے اور پھر کئے کے
عام میں دوسری طرف کی بات سننے رہے ا آخر انہوں نے
لیکے تھے انداز میں ریسیور رکھتے ہوئے کہا:
پروفیسر افلک جاہ اور ان کے ملازم کو قتل کیا جا چکا ہے

.... تفتیش انپکٹر کامران مرزا کے ہے میں آئی سے، اس سے میں اگر کچھ معلومات ہیں تو صرف انپکٹر کامران مرزا کو، لیکن مشرقی حصے میں ان کا بھی کوئی پتا نہیں چل رہا ہے۔ ” اوہ! ان سب کے منہ سے نکلا۔.... یہ چکر نو فناں صوت ان مڑتے۔

ابا جان! آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے پارٹیوں کے
نکاحات کرنا ہمارا دن رات کا کام ہے: فاروق بولا۔
پارٹیوں کے موقعے پیدا کرنا تو ہمارا دن رات کا کام ہے نا-
جی کیا مطلب ہے محور چونکا۔
بس بس..... رہنے دو، میں سب کچھ جانتا ہوں۔ انپکٹر
بند نے بڑا سامنہ بنایا۔

تم سمجھے نہیں ابا جان ! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ؟
یہ کہ تم نے خان رحمن کو فون کیا کہ آج پروفیسر صاحب سے
اللہ یعنی جائیے ، لیکن اس سے میں عتمارا نام نہیں آتا جائیے ،
خان رحمن نے پروفیسر صاحب کو فون کیا ، یہ تیار ہو گئے اور
لئے بھی فون کر دیا ، فون ملتے ہی میرے کان کھڑے ہوئے
تھے اور میں سوچتے لگا تھا کہ اب تم میری طرف سے یہ بخبر
کس طرح سنو گے ، ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ تم نے پروفیسر
صاحب کے ہاں جانے کی اجازت مانگی ، یہ محفوظ شرین طریقہ

.... تفتیش انپکٹر کامران مرزا کے ہے میں آئی سے، اس سے
میں اگر کچھ معلومات میں تو صرف انپکٹر کامران مرزا کو، لیکن
مشرقی حصے میں ان کا بھی کوئی پتا نہیں چل رہا ہے۔
” اوہ! ان سب کے منہ سے نکلا۔۔۔ یہ چکر نو فناک صورت
اختیار کر چکا تھا۔
” پروفیسر صاحب! خدا کے لیے آپ اسی وقت سے بیان
کا مطالعہ شروع کر دیں۔۔۔
” لیکن..... آج شام کو تو پارٹی ہے۔۔۔
” پارٹی..... کیسی پارٹی..... کس کی پارٹی؟ ” انپکٹر جیشہ جلدی
لے گوئے۔

یار مذاق نہ کرد، تم اتنی جلدی تو بھول نہیں سکتے، خان رحمان بھی شام کو بیوی پھون سمیت پہنچ رہے ہیں، تم لگا کو بھی شام کو آنا تھا، یہ اور بات ہے کہ حالات آپ بصیرتے یہاں لے آئے؟ مجھے لائے ہیں حالات تو، یہ تینوں تو آپ کا ہاتھ بنانا آئے بھتے؟ انکی وجہ جوشید ہوئے۔

”سوال یہ ہے کہ میں رسائل پڑھوں یا پارٹی کا استلام کر لے
”پارٹی کا استلام یہ نہیں کرتے خود کرتے رہیں گے، مجھے محدودیتی
کے پے دفتر واپس جانا ہے، آپ شام تک رسائل کی ورقہ ادا کر لے

بھتا، لیکن تم پھر ٹے گئے، فرزانہ اپنی آواز پر کنڑول نہ رکھتا
میں نے اس کی آواز میں جوش کی جھلک سن لی..... ورنہ نام
حالات میں جوش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہذا میں نے
فوراً پہ نتیجہ نکال دیا کہ یہ چکر دراصل تم نے ہی چلایا ہے:
”اوہ! ارسے... ہائی! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ پرانے
دواو نے آنکھیں نکال دیں۔

”آپ جو سن رہے ہیں، وہ بالکل درست ہے: فرزانہ
نے مری مری آواز میں کہا۔

”کتنا احتیاط کی مختی اہم نے کہ آپ کمیں ہماری اس
حرکت کو پھردا نہیں، لیکن پھر بھی ہم پھر ٹے ہی گئے: لہذا
نے حسرت بھری آواز میں کہا۔

”بچھتا نے کام کیا فائدہ..... آخر ہم ابا جان سے لہذا
لے جا بھی کس طرح سکتے ہیں؟ فاروق بولا۔

”فاروق نے بالکل ٹھیک کہا: شائستہ بولی۔

”لہذا میرا فیصلہ یہی ہے کہ چونکہ یہ پارٹی زبردستی کی
پارٹی ہے، اس سے اس کا انتظام بھی یہی کریں گے اور
آپ صرف رسائل کا مطلاع کریں، کیونکہ یہ انتہائی ضروری معاشر
ہے، اس کے علاوہ محل کے اخبارات میں پروفیسر افلک
کے قتل کی خبریں بھی شائع ہو رہی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ

کے قتل کی خبر کچھ اور ملکوں کے ایکٹوں کو چونکا دے۔ اس صورت
میں ہماری مشکلات پڑھ سکتی ہیں۔

”اچھا بھائی، میں شروع کرتا ہوں۔ تم نہ رحمان بھی
ذرا حذری آئنے کی گوشش کرنا، تین آدمی مل کر نیادہ کام نہ
کرے گی۔“

”ٹھیک ہے، میں دوپہر کے بعد آئنے کی گوشش
کروں گا اور خان رحمان کا کیا..... ہے، انہیں تو آپ
چاہے ابھی فون کر کے بلا لیں۔

”اچھا یونی سی، میں فون کرتا ہوں: یہ کہتے ہوئے
پروفیسر داؤڈ نے ریسیور اٹھا لیا۔

”ابا جان! آخر ہم پارٹی کا انتظام کس طرح کر سکتے
ہیں، ہمیں کیا خبر، کیا کیا چیزیں تیار کرنی ہیں اور کس
طرح کرنی ہیں؟ فاروق نے بوکھلائے ہوئے انداز
میں کہا۔

”جہاں تک میرا خیال ہے، پارٹی کا خیال تینوں میں
سے تھیں ہی آیا ہو گا، لہذا اب بھگتو، جو لمبارے جی
میں آئئے تیار کرو اور جو جی چاہے، بازار سے لے آؤ۔
ہم تو صرف کھانے والے ہوں گے۔“

الپکٹر جشید نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر تجربہ کاہ
پاہنچل کر نیچے پہنچے، پھر جونہی ان کی نظر سامنے دالی کا
لی طرف گئی، وہ ٹھٹک کر رک گئے، صدیق احمد تب
سے ان کی طرف آرہے تھے اور ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں رتے
اشارہ کر رہے تھے۔

یہ ریڈلو تو نہیں

” وجہی اودہ ریڈلو بھی گیا ہاتھ سے، انپکٹر کا مران مرتانے
داپس آتے ہوئے کہا۔

” لیکن مجلا وہ اسے لے کر کہاں جا سکتا ہے؟ منور علی
خال ہے۔

” اب اگر وہ داپس آیا تو میں اس کے سامنے آئے بغیر
لیں رہ سکوں گا..... ایسا نہ ہو، معاملہ ہاتھ سے نکل جائے
اور ہم ہاتھ ملنے رہ جائیں ہیں۔

” جی ہاں اور کی، ہاتھ ملنے کے لیے اور بخوبڑے لوگ ہیں؟
آناب بول پڑا۔

” انکل! کیوں نہ اس موقعے پر انکل جشید وغیرہ سے مدد
لے جائے؟ آصف نے تجویز پیش کی۔

” بھی کوئی بات بھی تو ہو مدد لینے والی، انہیں بلا وجہ
بدیشان کرنا مناسب نہیں اور پھر وہ نہ جانے کس معاملے میں
مردف ہوں؟ انہوں نے کہا۔

”خیر آپ کی مرضی..... آپ کا اشتہار پڑھ کر اگر وہ شخص

سے رابطہ قائم کر لے جئے پروفیسر افلاک جاہ نے خط لکھا۔

تو پھر شاید ہم کسی راستے پر لگ جائیں۔“ آفتاب نے بنا

ٹھاہر کیا۔

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... میں ایک بار اس خط

کو پڑھ لوں، اس کے بعد مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں

رہے گی۔“

”سوال یہ ہے کہ اب اس خط کو حاصل کرنے کا کیا طریقہ

افتیار کیا جائے۔“ دوسرا آدمی بولا۔

”سوچ، غور کر دیں اس خط کے بدلتے میں تھیں اب

بیس ہزار روپے دے سکتا ہوں.....“

”بیس ہزار روپے؟ تیرے آدمی کے منہ سے جرأت زدہ

لنجے میں نکلا۔ کیوں نپٹو کیا خیال ہے۔“

”ٹھیک ہے؛ میں یہ کام ضرور کر دیں گا۔..... بیس ہزار

روپے کوئی معمولی رقم نہیں۔ نپٹو نے کہا۔

کر کے میں گھری خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ دونوں کچھ

سوچنے لگے بختے۔

”نہیں جناب؛ ہماری سمجھ میں تو کوئی ترکیب نہیں آ رہی۔“

”خیر سنو..... میں بتاتا ہوں..... اس کے بعد اس کی

آواز سرگوشی میں بدل گئی، اس لیے وہ کچھ نہ سن سکے، کچھ میکنے

”خیر آپ کی مرضی..... آپ کا اشتہار پڑھ کر اگر وہ شخص

”فکر نہ کرو، بہت جلد کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ یہ را

دبا نہیں رہے گا۔“

”معاملہ دبارہ سے گایا نہیں، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے

یہ معاملہ ہمیں ضرور دا ب لے گا۔“ آفتاب نے منہ بتایا۔ اس

کو اس کی بات پر تہشی آگئی۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد انہوں نے دوبارہ

کھلنے کی آواز سنی۔ ساختہ ہی انسپکٹر کامران مرزا

اور غسل خان نے میں پہنچ گئے، اس مرتبہ آفتاب، آندھا

لور منور علی خان نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اپنے کمرے کا

انہوں نے اندر سے بند کر دیا۔

”عجیب بات ہے، خط کا معاملہ تو طول ہی پکڑا گیا۔“

کم بخت تاختہ آتے آتے نکل جاتا ہے۔ انہوں نے بے

کی آواز سنی۔

”اب آپ کی کہتے ہیں؟ دوسری آواز سنائی دی۔“

”ہمیں وہ خط ہر قیمت پر حاصل کرنا ہے۔“ ملا آدمی

گزرنے کے بعد انہوں نے بلے آدمی کے ایک ساتھی کی آداز منی
”شن نہیں جناب یہ یہ کیسے ہو سکتا ہے:
” ہو جائے گا، تم مجھے نہیں جانتے، یہ اتنی آسانی سے ہو گا
تم سوچ بھی نہیں سکتے، اور اس کے بعد میں ہزار روپے تمہارے
ہوں گے، بلکہ ان میں سے دس ہزار روپے تو میں تمہیں یہاں پہنچنے
کی صورت میں ہم یہاں واپس نہیں آئیں گے۔
” تو پھر کہاں جائیں گے؟
” کہیں بھی جا سکتے ہیں، میرے اس شہر میں بہت تھکانے ہیں
بلے آدمی کی آداز سنائی دی۔ انپکڑ کامران مرزا نے اس لمحے
بے حدیٰ محسوس کی، کیونکہ وہ یہ نہیں سن سکے ہتھ کر انہوں نے
کیا پردہ گرام بنایا ہے۔ ایسی صورت میں خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں
خط اور ریڈیو ان کے ہاتھوں میں پہنچ کر ملک سے دور نہ چلا
جائے، اب ان کے پاس دد ہی راستے ہتھے، ایک تو یہ کہ
وہ ان تینوں کو فوراً گرفتار کر لیتے اور یہ معلوم کرنے کے لیے
ان پر سختی کرتے کہ ریڈیو اور خط کہاں ہے، دوسرے یہ کہ
خاموشی سے ان کا تعاقب کرتے۔ خطرہ دنوں صورتیں میں غافل
پہلی میں یہ کہ اگر انہوں نے زبان نہ کھولی تو کیا ہو گا، کیونکہ
دنیا میں ایسے سخت لوگ بھی موجود ہیں جو ہزار سخنیوں کے بعد

بھی زبان نہیں کھولتے، تعاقب میں بھی خطرہ تھا کہ کہیں وہ نکل نہ
جاں گی.... آخر انہوں نے دوسری ہی ترکیب پر عمل پیرا ہونے کا پردہ گرام
نیا غسل خانے میں اب اور مٹھرنے کی ضرورت نہیں تھی، لہذا
نکل کر اپنے کمرے میں آئے اور سرگوشی میں انہیں نیچے چلنے کے
لیے کہا۔ چاروں ہوٹل سے باہر نکلے۔ کار تیار کھڑی تھے اور صابر
لھا جو کس دہان موجود تھا۔
” ہمیں ایک بار پھر ان لوگوں کا تعاقب کرنا ہے، اگر اس
بار بھی وہ لوگ ہاتھوں سے اوجھل ہو گئے تو پھر ہم کہیں
کے نہ رہیں گے۔
” آپ فخر نہ کریں، اب میں دریانی فاصلہ بہت کم رکھوں
گا۔ صابر بولا۔
” میں ایک فون کر کے آتا ہوں، اس دوران اگر وہ باہر آ
کر لیکی میں چل پڑے تو تم لوگ میرا انتظار نہ کرنا اور روانہ
ہو جانا، میں کوئی بیکھی کر کے تم سے آ ملوں گا۔
” جی بہتر۔ صابر رضاۓ کہا۔ اس کے چہرے پر شرمدگی کے
آثار ہتھے۔
انپکڑ کامران مرزا ایک پیک فون بوتحہ میں گھس گئے، اور
امیاز شاکر کے نمبر گھمائے۔
” ہیلو شاکر.... میں کامران مرزا بول رہا ہوں.... تم یوں

کرد نہایت ہی خفہ طریقے سے ہوٹل اپنیل پہنچ جاؤ۔ تمہاں انگ جائے گا تو پہ سلد ختم ہو جائے گا، بس اس کے بعد کرنا ساختہ جیب میں چار پانچ نہایت تیز طرار آدمی ہوتے پاہیں، ہو گا کہ ایجاد اور خط کو ملک کے سب سے بڑے سائنس دان سب کے سب سادہ بس میں ہم مجرموں کا تعاقب کی جائے کر دیا جائے گا۔

اگر یہ مشکل سوال نہیں ہے تو ایک دوسرے سوال کا جواب دو، یہ کہ ملک کا سب سے مشهور سائنس دان کون ہے ۔

آناب بولا۔

ملک کے اس حصے میں جس میں ہم رہتے ہیں پروفیسر فوری ہیں اور اس طرف پروفیسر داؤڈ کا نام بھی سننے میں آتا ہے۔

اصف نے کہا۔

تم نے اس سوال کا جواب بھی بالکل ٹھیک دیا..... بہت زیاد بچے ہو، شاباش، اب یہ بتاؤ.... کیسی یہ پروفیسر داؤڈ ہی تو نہیں جو ان پکڑ جشید کے دوست بھی ہیں اور محمود، فاروق اور فرازان کو عجیب دعزیب کھلونا نہا ہبھیار بنانا کر دیتے ہیں ۔

تمہارا اندازہ بالکل درست ہے اب تم مجھ سے بہت سوال پوچھ پکے ہو، اس لئے میرے بھی ایک ادھ سوال کا جواب دو۔ اصف نے کہا۔

صفر در دوں گا، تم پوچھ کر تو دیکھو، کیا تم نے مجھے نالائق سمجھ رکھا ہے۔ آناب نے اسے گھور کر کہا۔

اچھا تو یہ بتاؤ، ہمیں کار میں کتنی دیر اور بیٹھے رہنا پڑے

ہم کار میں ہی موجود ہیں۔ جلدی کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہاں آنے سے پہنچے ہیں ہمیں یہاں سے روانہ ہونا پڑ جائے۔

نکر نہ کرو، میں اسی وقت یہاں سے روانہ ہو رہا ہے۔

ریسور نکھ کروہ والیں سفید کار کے پاس آئے اور فرم بھی اس میں بیٹھ گئے۔ دوسرے ہو جلی تھی، سورج ڈھلنے کا غاف اور دھوپ کی تیزی میں کچھ کی آگئی تھی۔ ایسے میں انہیں اسٹلار کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ لہذا آناب کی زبان میلے۔

یہ معاملہ تو شیطان کی آنت کی طرح لمبا ہی سوتا جا رہا۔

نہ جانے اس کا سلد کہاں اور کب ختم ہو گا۔

یہ کونا مشکل سوال ہے، جب وہ ایجاد اور خط ہماں

کا : اصف نے مسکرا کر کہا۔

" یہ میں کس طرح بتا سکتا ہوں ، یہ تو وہ لبای آدمی بتا سکتا ہے ، کیوں ابا جان کیا آپ اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں ؟ " بھی سوال تم سے پوچھا گیا ہے ، تم ہی بتاؤ ۔ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے ۔

" لیکن میں اس اسے ہاں دے سکتا ہوں ، کیوں نہیں دے سکتا ۔ سنو ! ہم ابھی تیس سینینڈ تک اور بیٹھیں گے ۔ " گویا اکٹیسویں سینینڈ پر ہم چل پڑیں گے ۔ " ہاں ، بالکل ۔ "

انہوں نے نظر اٹھا کر ہٹل کے دروازے کی طرف دیکھا ، وہ تینوں باہر آ رہے تھے ۔ اس مرتبہ ان کے لیے ایک ٹیکسی پہنچے تیار کھڑی تھی ، شاید انہوں نے ٹیکسیوں کے اڈے کو فون کیا تھا ۔ تینوں اس میں بیٹھ گئے ۔ انپکٹر کامران مرزا نے شہر سے آنے والی سڑک کی طرف دیکھا ، ایک کار انتہائی تیزی سے چلی آ رہی تھی ، وہ سمجھ گئے کہ یہ صدر امتیاز شاکر کی کار ہے ۔ اسی وقت ٹیکسی چل پڑی ۔ ۔ ۔ صابر رضا نے بھی کار آگے بڑھائی ۔

" ایسا معلوم ہوتا ہے ، جیسے ہم ملک کے اس حصے میں صرف تعاقب کرنے کے لیے آئے ہیں ۔ آفتاب پڑ پڑا ۔ " بھی اگر بور ہو رہے ہو تو تم واپس گھر چلے جاؤ ۔ اصف

نے منہ بنایا کہا ۔

" بوریت کا اس معاملے میں کیا سوال میری دلچسپی کا تو یہ کالم ہے کہ شاید رات کو نیند بھی نہ آئے اور میں نارے گل کر رات گزاروں ۔ " لیکن یار تم ہٹل کے کمرے میں تے کیسے گز گے ۔

اسف نے حیران ہو کر پوچھا :

" روشن دان میں سے گن بول گا ، تم فخر نہ کرو ۔ " " اچھا ، صحیح تعداد بتا دینا ، کتنے گئے تھے ؟ " اصف مذاق اڑانے والے انداز میں کہا ۔

صابر رضا اس بارہنایت چاکب دستی سے تعاقب کر رہا تھا ۔ ان کے پچھے امتیاز شاکر کی کار تھی ۔ انپکٹر کامران مرزا اسے بھی دیکھ پکے تھے ۔ یہ تعاقب شر سے باہر جنکل میں نکلنے پر ختم ہوا ۔ ۔ ۔ جب اگلی کار سڑک سے اتر کر درختوں کے درمیان رک گئی اور وہ تینوں اس میں سے اتر کر پیدل آگئے چلتے گے ، انہوں نے دیکھا ، لیے آدمی کے ہاتھ میں اس کا بیگ بھی تھا ۔ صابر رضا نے کار روک دی اور وہ بھی پیدل تعاقب کرنے لگے ، لیکن اس طرح کہ درختوں کی اوٹ لے لے کر ۔ آخر انہوں نے ان تینوں کو ایک کوئی کی کے دروازے پر رکتے دیکھا ۔ لما آدمی دروازے کی گھنٹی بکار رہا تھا ۔ وہ جلدی جلدی کوئی پہنچنے کی کوشش کرنے لگے ۔

بے اٹھاتے ہوئے بولا:

ٹیک ہے، میں اسے بھی پولیس والوں کے حوالے کر دوں گا۔
لے نہتے وہ چونک اتنے۔ ریڈیو انہیں بہت ہلکا چیلکا سالگا تھا،
اپ کی اس کی جسمت کے لحاظ سے اس کا کچھ دزن صفر ہونا چاہیے
خدا۔ انہوں نے اس کے بڑن گھا کر دیکھے، لیکن ریڈیو نہ پلا جب کہ
بیکی کا عجیب نہیں تھا، کیونکہ اس میں کوئی تاردار نہیں لگا ہوا تھا۔
”یہ تو خراب معلوم ہوتا ہے۔“ انہوں نے کہا اور پھر اس کے پچھے
لئے سے کوئہ ہٹا کر دیکھا۔ دوسرا لمحہ انہیں چونکا دینے کے لئے کافی
تھا۔ انہوں نے ڈھکنا بنہ کیا اور صدیق احمد کا شکریہ ادا کرنے ہوئے
کے نکر رہیں، اس سے میں آپ نے جو تکمیل اور پریشانی
آپ بے نکر رہیں، اس سے میں آپ نے جو تکمیل اور پریشانی
لٹکائی ہے، اس کے لیے مجھے انہوں ہے، لیکن آپ یہ سوچ کر
اپنے دل کو تسلی دے سکتے ہیں کہ آپ اس طرح ملک اور قوم کے
لام آئے ہیں..... اور ہاں اگر کوئی پریشان دالی بات ہو تو مجھے
اللاح دے دیجیے گا، میرا نمبر نوٹ کر لیں۔“ انہوں نے نمبر بتایا اور
صدیق احمد نے نوٹ کر لیا۔

”فی الحال میں پروفیسر صاحب کی کوئی میں موجود ہوں۔“
پر رکھے اس ریڈیو کو پولیس کا خیال کس طرح اسکتا تھا، پولیس
دانے تو یہی سمجھے تھے کہ یہ گھر والوں کا ہو گا۔
انسپکٹر جمیں اس ریڈیو کو سری نظر سے دیکھا اور پھر

○
کیا ہوا جناب.... خیر تو ہے؟ انسپکٹر جمیں صدیق احمد کی طرف
بڑھتے ہوئے بولے۔

جناب! وہ وگ اپنا ریڈیو چھوڑ گئے ہیں۔
”ریڈیو... کیا مطلب ہے؟“ انسپکٹر جمیں چونکے۔
”جی ہاں۔ ریڈیو..... ہمارے گھر میں ان کے داخل ہونے سے
پہلے وہ ریڈیو ہرگز نہیں تھا۔“ انہوں نے گھبرا کر کہا۔
”تو آپ اس قدر گھبرا کیوں رہے ہیں؟“

”کی خبر... اس ریڈیو میں کوئی بم ہو اور وہ پھٹ جائے۔
اوہ ہاں! آئیے میں دیکھتا ہوں۔“ انہوں نے کہا اور ان کے
ساہنے صدیق احمد کی کوئی میں داخل ہوئے۔ صحن میں انہیں بیکم صین
احمد، ان کا بیٹا اور ملازم سے کھڑے نظر آئے۔ صدیق احمد زین
کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ انسپکٹر جمیں ان کے ساتھ چلتے ہوئے
اوپر دالی منزل کے اس کمرے میں آئے جسے دشمنوں نے موچم
بنایا تھا، دوسریں دغیرہ تو پولیس لے جا چکی تھی، لیکن میز
دانے تو یہی سمجھے تھے کہ یہ گھر والوں کا ہو گا۔

چڑھ کر دہ اپر پنچ، محمود، فاروق اور شائستہ انہیں کہیں دکھانی نہیں تھیں، اب میں ان سے کیا کہتا، خاموش ہو رہا ہے
دیے، شاید وہ بادرچی خانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ بجھ بے لگاہ میں پہنچا جائے تو آئی جی صاحب نے بالکل جائز بات کی، دراصل
داود بھی نظر نہیں آئے۔ وہ فوزا لا بسیری کی طرف بڑھے۔ پروفیسر احمد فاروق اور فرزانہ کو ان کی عمروں کے لحاظ سے نہیں، ان کی ذمہات،
یہاں موجود تھے۔ قدموں کی آہٹ سن کر انہوں نے نظریں اپر افراحت اور پھر تی کے لحاظ سے جانچنا چاہیے، یہ اپنی عمروں سے
اور اپکر جمیش کے ہاتھ میں ریڈیو دیکھ کر بوے:

شاپر انہوں نے سوچا ہو گا کہ زبانے کتنا دقت اس
کمپریس گزارنا پڑے۔ لہذا ریڈیو ساتھیے آئے کہ سننے رہیں گے:
بلڈینگ داؤن نے کہا اور ریڈیو انسپکٹر جمیشہ کے نام سے لے کر
ایجین گیے۔ پسے انہوں نے اس کے بیٹن گھمائے، لیکن کوئی آداز
نہ آئی۔ اب انہوں نے بھی اس کا پچھلا کور اٹا کر دیکھا۔ دوسرے
کالے انہوں نے چونک کر کہا:

اے! یہ ریڈیو تو نہیں ہے۔

پچھے سہر کے یہ..... پارٹی کے سلے میں خرید فردخت کرنے پر دفیر بولے۔
”اور وہ گئے کس طرح۔“
”گاڑی پہ..... میں نے انہیں اپنے گاڑی سے جانے کی اجازت دے دی..... محمود، فاروق اور فرزانہ کو تم نے ڈرائیور نگ لائسنس آ دلوا ہی رکھا ہے۔“

”میں نے نہیں، میں اس کے حق میں نہیں بھاگا، یہ تو آئی جی صاحب
نے کام دکھایا ہے، ان کا خیال بھاگا کر ان تینوں کے لیے ایسی اسائیا
ہوئی چاریں، آخر دہ ملک اور قوم کے لیے جان کی بازی رکھئے

اپ بات جان کے ہیں کہ ہم وہ خط اور ریڈیو حاصل کرے چکے ہیں، آپ پوسیں کو فون کے بعد فیر داؤر کے ہاں جائیں گے، آپ پوسیں کو بازدھ کر جانا ہو گا، جسیں اسی یہے، میں ایک بار بھر آپ کو بازدھ کر جانا ہو گا۔

آپ پوسیں نہیں گے۔ آواز منہ سے شکایے گا۔
جس بیتال نے پستول نکال کر ان کی طرف تماں دیا، وہ
لکڑا گئے ہے اور وہ تینوں اندر داخل ہو گئے۔ نیٹو اور بائی
دستک کی آواز کی کردیتی احمد اور دوسرے جوک اتنے سب سینی بندی بازدھنے لگے۔ جیتاں نے اپنا بیگ کھولا اور اس
اٹھنے ہوئے کہا:

”شاید انپکڑ جیشہ بھر آتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ دروازے

اور جنوں نے جھینکی گرا دی۔ دوسرے ہی لمحے ان کا لگا
لکھے دیں ہرے اپنی اندر جاتے دیکھے چکے ہتھے۔
دروازے میں دہی جنوں کھڑے بخت جنوں نے ہنزا دیا ہے۔ آفتاب نے فخر مدد
ان کے گھر پر قبضہ کیا تھا۔

”ہماری ایک چیز ہیاں رہ گئی ہے، ہم وہ یعنے اے
تیل دیکھو اور تیل کی دھار دیکھو۔ انپکڑ کامران ہنزا بولے۔
لیکن آہاں اس صلحی میں نہ تو تیل ہے اور نہ تیل کی دھار،
لیکن کیے۔ آفتاب نے منہ بسیر کر کہا۔

”اسوں! اب وہ ریڈیو ہیاں نہیں، چند منٹ پہلے کی انہیں
جنوں کیے۔ آفتاب نے منہ بسیر کر کہا۔

”اوہ! اور وہ کمال کرے۔ بھی نہ توں کاتیل۔
درختی سے بھی نہ تیل بکھدا ہے، جبکہ نہ توں کاتیل۔
لیکن اس جملے میں نہ یقین کے درخت بھی تو نہیں ہیں، کیوں انھیں
کیا اس جملے میں نہ یقین کے درخت ہونے کا امکان ہے۔

”نہیں صحتی، ہیاں نہ توں کمالی۔

سوٹ والا

دستک کی آواز کی کردیتی احمد اور دوسرے جوک اتنے سب سینی بندی بازدھنے لگے۔ جیتاں نے اپنا بیگ کھولا اور اس

”شاید انپکڑ جیشہ بھر آتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ دروازے

اور جنوں نے جھینکی گرا دی۔ دوسرے ہی لمحے ان کا لگا
لکھے دیں ہرے اپنی اندر جاتے دیکھے چکے ہتھے۔
دروازے میں دہی جنوں کھڑے بخت جنوں نے ہنزا دیا ہے۔ آفتاب نے فخر مدد
ان کے گھر پر قبضہ کیا تھا۔

”ہماری ایک چیز ہیاں رہ گئی ہے، ہم وہ یعنے اے
لیکن آدمی نے کہا۔

”اوہ! اور وہ کمال کرے۔ بھی نہ توں کاتیل۔
لیکن کیے۔ آفتاب نے منہ بسیر کر کہا۔

”اوہ! اور وہ کمال کرے۔ بھی نہ توں کاتیل۔
جس کا اصلی نام جیتاں تھا۔

”اوہ سانے والی کوٹھی میں گئے ہیں، یعنی پروفسر داؤڈ کی الی

”بہت خوب! جتر کوئی بات نہیں آپ کا اس میں کیا فکر کرے۔

”پڑا گی یہ تو تیل اور درختوں کے سمجھے۔“
”بھی اس جنگل میں اور ہے ہی کیا بیز جس کے پیچے با کا طرف چلنے لگے۔

”اں تو آتا جان، ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ ان کے پیچے ہم چکر لمحہ پر لمحہ گرا ہوتا جا رہا ہے، آخر دہ تینوں اندر نکایا کر اندر چلیں۔“

”ابھی ٹھہر و..... میں ان پر ایسے دفت ہاتھ ڈالن پسند کرنے ہے ہیں، یہ تو کوئی میں رہنے والے نظر آتے ہیں تے منور علی خان معاملات بالکل واضح صورت اختیار کر لیں گے، درجنہ اس طرح اس کا الجھ کر بوئے۔

اندھیرے میں ہی ہاتھ پیر مارتے رہ جائیں گے۔

”تو پھر ہمیں اجازت دیجیے، تو را اس جنگل میں گھوم پھرائیں۔“

”ہرگز نہیں ہمیں یہیں ٹھہر کر ان کی نگرانی کرنی ہے، کسی دن بھی وہ دل پس آ سکتے ہیں۔“

”جی بتر بانگل! اس چکر سے نکلنے کے بعد اس جنگل میں شکار کی کوئی حالت کے بارے میں کیا جیاں ہے۔“

”میں اس جنگل میں کئی دن گزار چکا ہوں..... یہاں کوئی نہ شکار نہیں ملا، بس دو تین خاص قسم کے سانپ ضرور پکڑے جن کے چڑیا گھر والوں نے اچھے پیسے دیے۔“ منور علی خان بو۔

”تقریباً نصف گھنٹا گزرنے کے بعد کوئی میں کا دروازہ کھلا اور اس میں سے سوت پہنے ایک ادمی نکلا۔ اس کے ساتھ ایک فوجان لڑکا ایک عورت اور ایک ملادموں کے میں جیسا ایک بھی باہر آتے۔ وہ سمجھے سمجھے انداز میں مرطک کی طرف بڑھتے۔“

○
چند سکینڈ سکتے کے عالم میں گزر گئے۔ آخر انپکڑ جہید بولے:
”میرا بھی خیال تھا کہ یہ کم از کم ریڈیو نہیں ہے، لیکن سوال ہے کہ اگر یہ ریڈیو نہیں ہے تو پھر کیا ہے..... یہ لوگ اسے ساختہ

کے معاہدین پھیپھے میں عادن میں سے ایک مصنفوں ایسا بھی ہے۔ جس
لے ایک ریڈیو نما ایجاد کا ذکر ہے۔

کیا یا انسپکٹر جشید ہیرت زدہ بھے میں بوئے۔

ہاں: میں صرف چند منٹ میں یہ جان ووں گا کر وہ ایجاد کیا
ہے، تم اتنی دیر میں لگھر کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کرو،
میں ایک انجانہ ساختہ محسوس کر رہا ہوں۔

ہاں: میرا خیال ہے، جیتاں اسے حاصل کرنے دوبارہ ضروری
گا، ان کی کوئی پر صدر پرہ ہونا چاہیے، خصیہ پرہ تاکہ جوئی
آئے، اسے چھاپ لیا جائے، آپ اس ریڈیو نما چیز کو دیکھے ایں
لات دروازے کی لفٹی بھی۔

وہ.... وہ لوگ آگئے ہیں۔ پروفیسر داؤڈ خوف زدہ انداز میں
اکرام کو فون کروں۔

ابے، جمیشہ حلبی کر دتے۔ کون لوگ آگئے ہیں، آپ کیوں فکر کرتے ہیں، میں آپ کے

ساتھ موجود ہوں۔ آپ مصنفوں پڑھیں۔ میں دیکھتا ہوں، کون آیا ہے۔
یہ کہ کر انسپکٹر جشید تیزی سے باہر نکلے اور چھٹک پر آئے۔
انہوں نے دروازہ کھولا تو دہاں صدیق احمد وغیرہ کھڑے تھے۔

کیا بات ہے صدیق صاحب اخیرت تو ہے۔

نجیے اپنے لگھر میں ڈالگ رہا ہے۔ یہ دھرم کا لگا ہوا ہے کہ وہ
لوگ اب آئے کر اب آئے، اس یہے میں یہاں چلا آیا ہوں۔

آپ نے بہت اچھا کیا۔.... اندر آ جائیتے: انہوں نے کہا اور ان
کے اندر آنے کے بعد چھٹک بند کر دیا۔ پھر ایسیں لے کر اندر آئے

ساختہ کیوں یے پھر ہے یہ، جیتاں جیسا ادی اسے ساختہ کی
پر کیوں مجبور ہے.... اور.... اور.... اوہ.... وہ کچھ کہ
کہتے رک گئے۔ ان کی انہوں میں الہمن ناچھنے لگی۔

کیا بات ہے، تم کچھ پریشان ہو گئے ہو۔

ہاں: میرا خیال ہے، جیتاں اسے حاصل کرنے دوبارہ ضروری
گا، ان کی کوئی پر صدر پرہ ہونا چاہیے، خصیہ پرہ تاکہ جوئی
آئے، اسے چھاپ لیا جائے، آپ اس ریڈیو نما چیز کو دیکھے ایں
اکرام کو فون کروں۔

فون وہیں رکھا تھا، چنانچہ وہ دفتر کے بزرگ گھمانے لگے۔ اس کو چند مایاں دینے کے بعد وہ پھر پروفیسر داؤڈ کی طرف ملے
کیوں نہ خان رحمان کو بھی ابھی بلوا لیا جائے۔ اب میں داہی
تو جانیں سکوں گا اور بیگم کو بھی فون کر دیتا ہوں، خان رحمان اپنی
بھی ساختہ ہی لے آئیں گے۔

تجویز معمول ہے: پروفیسر داؤڈ نے کھوئے انداز میں
کیا بات ہے، آپ بھی کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔

ہاں! پہلے تم فون کروں پھر بتاؤں گا۔

اب بتائیتے، کیا معاملہ ہے: فون سے فارغ ہونے
بعد انسپکٹر جشید نے پوچھا۔

میں نے وہ تمام رسائلے نکال لیے ہیں جن میں پروفیسر افلک!

یہ دروازے بند کرتے چلے گئے۔ ان لوگوں کو معاف فنا نے میں ہو۔ صدقی صاحب اور ان کے گھر والے۔ اسیں ڈر لگ رہا تھا، چنانچہ وہ واپس پروفیسر داؤڈ کے پاس آئے اور گم صم میختے ہوئے۔ یہاں چلے آئے، آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ یہ ایجاد دیکھتے ہی بولے:

”جشید! ہم بال بال بیٹھ گئے، یہ ایک اتفاق تھا کہ...“
”اہ! ایجادو... اس ایجاد کا خیال آج سے تقریباً وہ سال ہے
میں پروفیسر افلاک جاہ نے کیا تھا۔ اس وقت صرف اسکا
اٹک جاہ نے ملک کے مشرقی حصے میں کی تھی اور اب یہ ہمارے
پاس موجود ہے، جب کہ پروفیسر افلاک جاہ کو قتل کیا جا چکا ہے
ظاہر ہے، یہی لوگ اسین قتل کر کے ایجاد اڑا لائے ہیں، یہ یہاں کجو
نہ آتے مگر یہ خط اسیں یہاں کھینچ لایا۔ کیونکہ یہ چاہتے ہیں کہ
وہ ہمارے ملک کے کسی آدمی کے ہاتھ نہ لگے تاکہ یہاں کے کوئی
بھی شخص کو پروفیسر افلاک جاہ کی ایجاد کے بارے میں کچھ معلوم
ہی نہ ہو۔ لیکن ہوا الٹ خط تو یہاں تک پہنچا ہی
قدرت نے وہ ایجاد بھی ہم تک پہنچا دی۔ اف خدا۔ اگر
دشمن کے ہاتھ لگ جاتی تو ہم کہیں کے نہیں رہ گئے ہیں۔
میں اب بھی خطا محسوس کر رہا ہوں، وہ لوگ ایجاد کرنے کے
لیے ایرانی چوتھی کا زور لگا دیں گے۔ وہ... وہ...“

درادیل یہ ہے کہ کسی جگہ کی.....
ان کے اغاثا درمیان میں رہ گئے، دروازے کی گھنٹی ایک بار
پھر بھی ہتھی۔ دونوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کے
لئے دیکھا۔

”ٹایڈ یہ خان رحمان دیگر ہیں، میں دیکھتا ہوں۔“

”مجھے انہوں ہے جشید! آج تھیں بہت تکلیف اٹھانا پڑ رہی
ہے، دراصل آج ملازمہ صبح سوریہ چھٹی لے کر حلی گئی اور میسا

ریڈیو ہمارے ہاتھ لگ گی۔ ذرا سوچ تو سی۔ یہ ایجاد پر دیکھ
ایک مضمون میں پروفیسر افلاک جاہ نے کیا تھا۔ اس وقت صرف اسکا
اٹک جاہ نے ملک کے مشرقی حصے میں کی تھی اور اب یہ ہمارے
پاس موجود ہے، جب کہ پروفیسر افلاک جاہ کو قتل کیا جا چکا ہے
ظاہر ہے، یہی لوگ اسین قتل کر کے ایجاد اڑا لائے ہیں، یہ یہاں کجو
نہ آتے مگر یہ خط اسیں یہاں کھینچ لایا۔ کیونکہ یہ چاہتے ہیں کہ
وہ ہمارے ملک کے کسی آدمی کے ہاتھ نہ لگے تاکہ یہاں کے کوئی
بھی شخص کو پروفیسر افلاک جاہ کی ایجاد کے بارے میں کچھ معلوم
ہی نہ ہو۔ لیکن ہوا الٹ خط تو یہاں تک پہنچا ہی
قدرت نے وہ ایجاد بھی ہم تک پہنچا دی۔ اف خدا۔ اگر
دشمن کے ہاتھ لگ جاتی تو ہم کہیں کے نہیں رہ گئے ہیں۔
میں اب بھی خطا محسوس کر رہا ہوں، وہ لوگ ایجاد کرنے کے
لیے ایرانی چوتھی کا زور لگا دیں گے۔ وہ... وہ...“

پروفیسر داؤڈ خاموش ہو گئے۔ ان کے چہرے پر خوف کے آثار ظاہر
ہتھ س آخر انہوں نے کہا:

”تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں، دروازے پر کون تھا؟“

اسٹینٹ کچھ روز سے بیمار ہے۔

"کوئی بات نہیں ہے یہ کہ کر دہ تیزی سے نیچے کی طرف چلا گا اور اس میں سے کچھ لوگ نیچے اترے۔ ان میں ایک جوڑا ادمی تھا، ایک خوبصورت عورت، دو لڑکے اور ایک لال محنتی۔

"یہ کون لوگ ہیں؟

"جسی جو تم کو، ہم کرنے کے لیے تیار ہیں، وہ یہے ہمارے پتے تو کچھ نہیں پڑتا کہ کیا ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے۔ اب ایک اہم کردار ادا کرنا ہے، ادھر میں، آفتاب اور آصف دہنی طرف جائیں گے۔ یہ کہ کر دہ دبی آواز میں منور علی خان کو اپنے پروگرام سے آگاہ کرنے لگے۔ جب دہ ابھی طرح سمجھ گئے تو انہیں نے کہا:

"اوہ اب چلیں۔ اپنکی طرف کامران مرزا بوئے۔

"ایسا جان، اپنے ڈرائیور صاحب رضا اور امتیاز شاکر کو مجبول ہے ہیں۔ صابر رضا کو تو انگ رکھو، اس کا کام تو صرف ڈرائیونگ ہے، بال رہے امتیاز شاکر، تو میں انہیں ہدایات دے چکا ہوں، وہ ان

ہدایات پر پوری طرح عمل کریں گے۔ تو پھر چلیے... آفتاب نے کہا اور تینوں پروفیسر داؤڈ کی کوئی کی طرف بڑھنے لگے، لیکن اس وقت انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کوئی پروفیسر داؤڈ کی ہے۔

منور علی خان! اب وقت ہے کہ ہم حرکت میں آئیں۔

"جسی جو تم کو، ہم کرنے کے لیے تیار ہیں، وہ یہے ہمارے پتے تو کچھ نہیں پڑتا کہ کیا ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے۔ "تم فخر نہ کر دو، میں سب کچھ بخوبی سمجھ رہا ہوں.... تمہیں اب ایک اہم کردار ادا کرنا ہے، ادھر میں، آفتاب اور آصف دہنی طرف جائیں گے۔ یہ کہ کر دہ دبی آواز میں منور علی خان کو اپنے پروگرام سے آگاہ کرنے لگے۔ جب دہ ابھی طرح سمجھ گئے تو انہیں نے کہا:

"حیک ہے، اب تو یہاں سے کھسکو۔

منور علی خان درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے صدیق احمد کی کوئی کی طرف بڑھنے لگے۔ اپنکی طرف کامران مرزا، آفتاب اور آصف کی طرف مرتے۔

"اور اب تم سنو، ہمیں کیا کرنا ہے۔ انہوں نے کہا اور ان کے کافلوں میں کچھ کھنے لگے۔ دونوں سر جھکائے نشے رہے۔

"بس اب آؤ میرے ساتھ۔ اپنکی طرف کامران مرزا بوئے اور درخت

جا سو سی پارٹی ؟ خان رحمان اور دوسردیں کے منہ سے نکلا،
ان کی حیرت اور بڑھ گئی تھی۔ اور پر کا رجھ کرتے ہوئے
ان نے تمام حالات انہیں کہہ سنائے اور پھر بولے:

اب ہمیں یہاں رہ کر مجرموں کا سامنا کرنے کی تیاری کرنا
ہے، بلکہ اور بچے باورچی فانے میں پارٹی کا بند دبست کریں گے۔
خان رحمان دعیزہ کو دیکھ کر انپکٹر جیش نے اطمینان کا سانس لایا۔ یہ تو بہت عجیب پارٹی ہو جائے گی، لیکن وہ ایجاد کیا ہے۔
اور انہیں لے کر اندر آتے۔ خان رحمان نے پھاٹک کے اندر انہیں دیکھ کر کہ صرف پروفیسر صاحب کو پتا ہے اور
ہوتے ہی کہا:

”بھی یہ کیا؟ پارٹی تو شام کو تھی، یہ ابھی کیوں بلا لیا گیا؟“
”یہاں ایک دوسری پارٹی شروع ہو چکی ہے۔“ انپکٹر جیش
سنجیدہ انداز میں مسکرائے۔

”دوسری پارٹی کی مطلب، کیا ایک پارٹی کے بجائے دو پارٹیاں یعنی
کا پروگرام بن گیا ہے، لیکن یہ دوسری پارٹی کون دے رہا ہے؟“
”دوسری پارٹی کچھ جرام پیشہ لوگ ہمیں دے رہے ہیں
ہمیں؟ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ اب جرام پیشہ لوگ انپکٹر جیش
کو پارٹی دیں گے۔“ خان رحمان کے لمحے میں بلا کی حیرت تھی۔

”ادر وہ بھی پروفیسر داؤڈ کے گھر میں۔“ بلکہ جیش بول پڑی۔
”بات دراصل یہ ہے کہ یہ دوسری پارٹی ذرا جاسوسی قسم کا
ہے۔“ میں تم لوگوں کا ان سے تعارف کراؤں اور انہیں

جا سو سی پارٹی

خان رحمان دعیزہ کو دیکھ کر انپکٹر جیش نے اطمینان کا سانس لایا۔ یہ تو بہت عجیب پارٹی ہو جائے گی، لیکن وہ ایجاد کیا ہے۔
اور انہیں لے کر اندر آتے۔ خان رحمان نے پھاٹک کے اندر انہیں دیکھ کر کہ صرف پروفیسر صاحب کو پتا ہے اور
ہوتے ہی کہا:

”بھی یہ کیا؟ پارٹی تو شام کو تھی، یہ ابھی کیوں بلا لیا گیا؟“
”یہاں ایک دوسری پارٹی شروع ہو چکی ہے۔“ انپکٹر جیش
سنجیدہ انداز میں مسکرائے۔

”دوسری پارٹی کی مطلب، کیا ایک پارٹی کے بجائے دو پارٹیاں یعنی
کا پروگرام بن گیا ہے، لیکن یہ دوسری پارٹی کون دے رہا ہے؟“
”دوسری پارٹی کچھ جرام پیشہ لوگ ہمیں دے رہے ہیں
ہمیں؟ یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ اب جرام پیشہ لوگ انپکٹر جیش
کو پارٹی دیں گے۔“ خان رحمان کے لمحے میں بلا کی حیرت تھی۔

”ادر وہ بھی پروفیسر داؤڈ کے گھر میں۔“ بلکہ جیش بول پڑی۔
”بات دراصل یہ ہے کہ یہ دوسری پارٹی ذرا جاسوسی قسم کا
ہے۔“ میں تم لوگوں کا ان سے تعارف کراؤں اور انہیں

پارٹی کی بھی اطلاع دوں۔

” وہ اپنی لے کر مہانوں کے کمرے میں آئے۔ ان سب کا ایسے تعارف کرایا۔ پارٹی کا سن کر صدیق احمد بوسے:

” میرا ملازم ایسے کامول کا بہت باہر ہے، باورچی خانے میں بھی آپ کی مدد کرے گا۔ ”

” یہ اور اچھی بات ہے، میرے بچے سامان یہ شہر کے ہیں، وہ آتے ہی ہوں گے..... خان رحمان..... اگر اب درانے جی۔ یہ تو میں نے نہیں کیا تھا فاروق گھبرا کر بولا اور وہ

مکراتے ہوئے اندھی طرف چل پڑے۔ ”

” محوو، فاروق اور فرزاز نے سب چیزیں باورچی خانے میں لے لیے۔ صدیق احمد کا ملازم جبار اور بیگم جمیشہ دہاں پہنچ گئے۔ بیگم جمیشہ نے ان تینوں سے کہا:

” اب تم لوگوں کو فخر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم دو

اُدمی سارا کام سنبھال لیں گے۔ ”

” بہت بہت شکریہ امی جان! ” انہوں نے ایک ساتھ کہا اور باہر نکل آئے۔ ”

” اب ہم سب مل کر کوئی کھیل کھیلیں گے۔ ”

” کوئی میں اب آٹھ بجے جمع ہو گئے تھے، وقار ان میں بالکل بیا تھا اور کچھ سما سما نظر آ رہا تھا۔ اپنکی بھیشہ نے ان کے بارے میں اپنیں سب کچھ بتا دیا تھا۔ محمود نے

” آج تو تمہاری اچھی دریش ہو رہی ہے۔ خان رحمان مکران اور خود بھی ان کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ دروازے پہنچ کر المد نے کہا:

” محمود، فاروق.... یہ تم لوگ ہی ہونا: ”

” جی ہاں! اللہ کی مہربانی سے ہم ہی نہیں؛ باہر سے لفڑی کی شوشخ آواز سنائی دی۔ ”

” بہت خوب! ” یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ ”

وقار کو خوف زدہ دیکھا تو اس سے رہا زگیا :

" دیکھو بھی ! اب تمہیں ڈرتے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ... اب تم ہم سب کے ساتھ ہو۔"

" جی جی جی ماں ؟ وقار نے ہسکلا کر کہا۔

" بالکل : جہاں ہم موجود ہوں ، دہاں سے خون دم دبا کر بچا جایا کرتا ہے : فاروق نے چمک کر کہا۔

" خوف کی دم بھی ہوتی ہے : فرزانہ کے لمحے میں حیرت تھی۔ " تو کیا تم نے نہیں دیکھی آج تک ، اکمال ہے بھئی ؟ فارون بولا۔

" دراصل میری ملاقات مرض خوف سے بہت کم ہوتی ہے ، تمہارا اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے ، لہذا تمہیں تو اس کی دم اکثر دیکھنے کااتفاق ہوتا رہتا ہو گا۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا اور محمود مسکرانے لگا۔

" خوف سے تمہاری ملاقات اس یہے نہیں ہوتی کہ تمہارا گمراہ تعلق ان کے بڑے بھائی ڈر سے ہے : محمود نے بتایا۔

" پڑے گے پیچے ، میں تو وقار کو سمجھا رہا تھا ، لیکن شاید اب تمہیں سمجھانا پڑے گا : محمود نے دونوں کو گھوڑا - پھر تینوں وقار کی طرف مڑے۔ اس کے چھرے پر خوف دہراں بستور موجود تھا۔

" کیوں بھئی ، کیا ماجرا ہے ، تم آخر اتنے خوف زدہ کیوں ہو ، ہم سب کچھ سن پکھے اور جان پکھے ہیں ، تمہارے یے اپنے لہریں تو خوف زدہ ہونے والی کوئی بات ہو سکتی تھی ، لیکن یاں نہیں ، سمجھتے ۔

" سمجھ گیا ہاں سمجھ گیا :

اس وقت ان کے قریب سے صدیق احمد گزرے - وہ وقار کا گھور رہے تھے - یہ دیکھ کر فرزانہ کو بڑی حیرت ہوئی ۔ بب صدیق احمد ڈرائیگ روم کی طرف پڑے گئے تو اس نے کہا:

" وقار بُکیا تمہارے ابا جان تم سے کسی بات پر ناراض ہیں ، یا وہ تمہارا بھارتے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتے ۔

" وہ وہ ناراض ہی ہیں ۔

" فیرا ! اگر تم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو معافی مانگ دینا ٹھیک ہے ! میں یہی کر دیں گا :

" وہ کھیل میں مصروف ہو گئے ، لیکن محمود ، فاروق اور فرزانہ بھن میں پڑے گئے تھے ، وقار کے خوف کی کوئی دبیر ان کا سمجھ میں نہیں آ رہی تھی - وہ یہ بھی جان پکھے تھے کہ وقار ان سے کچھ چھپا رہا ہے ، میکونگ والد کی ناراضی سے کوئی بچھ بھی القد تک خوف زدہ نہیں ہو سکتا ، لیکن کھیل کو ڈروقت کا بتا بھی نہ چلا اور اچانک بیگم جشید نے اعلان کیا کہ پارٹی

کے یہ کھانے پسند کی تمام چیزوں تیار کر لی گئی ہیں، لہذا جو شکری دیکھ کر تو ان کی آنکھیں حیرت سے اور بھی پھیل گئیں کہ وقت بھی چاہیں، پارٹی شروع کی جا سکتی ہے۔
مکوڑی دیر بعد کھانا میز دل پر سجا دیا گیا۔ سب لوگوں کے دامیں اور بائیں آنکاب اور آصف بھی کھڑے تھے، وہ
کے یہے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کھانا انتہائی نفاست سے چاہی مسکرا رہے تھے۔
گیا تھا۔ اس کی خوبصورتی بے چین کیے دے رہی تھی اور کامران مرزا! یہ پچ پچ آپ ہیں یا ہم کوئی خواب دیکھ
پر فیض داؤد نے اعلان کیا:

”مرہبائی فرمائ کھانا شردع کریں۔“

سب نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائے، عین اسی وقت بکھرنا ہے اور کسی وقت بھی یہاں آسکتا ہے۔
آواز نے انہیں چونکا دیا:

”آپ لوگ یہ کھانا نہیں کھا سکتے۔“

اس وقت سامنے والے مکان کے مالکان کے روپ میں
یاں فیر ملکی ایجنت یا ان کے ساتھی موجود ہیں، اصلی آدمی اس
کوئی میں قید ہیں، البتہ ان کی بیگم اور بچے کو ضرور ساتھ لایا
لیا ہے، ملازم اور مالک کے روپ میں دراصل کوئی اور ہے،
ان لوگوں کا ایک ساتھی اس کوئی میں موجود ہے اس سے
ہے اس کا انتظام کرنا ضروری ہے۔ انپکٹر کامران مرزا نے
اں جلد کھڑے کھڑے کہا۔

”آپ سب لوگ یہیں تھریں، اس سے میں بیٹھ لیتا ہوں۔“
خان رحمان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”بچے انہوں ہے، آپ نہیں جا سکتے۔“ پیٹو جو صدیق احمد

یہ جلد ایک عام ساجد تھا، لیکن اس وقت یہ جلد ان سے
کے یہے انتہائی حیران کن تھا۔ ان سب نے ایک ساتھ جلد
والے کی طرف مرد کر دیکھا۔ وہ ڈرائیکٹ روم کے دروازے پر
نٹا کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں کوئی پستول بھی نہیں تھا۔
پر ایک دلکش مسکراہٹ ضرور تھی اور یہ مسکراہٹ دوستاز تھی
اس شخص کو دیکھا کر انپکٹر جمیش، محمود، فاروق اور فرزانہ کی
آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ خواب میں بھی نہیں سوچ لے

لما بولے۔
میں! آپ لوگ یہ کھانا نہیں کھا سکتے۔ انپکڑ کامران مرا نے

دبارہ دہی الفاظ کے اور وہ حیران رہ گئے۔

شاید اس یہے کہ کھانے کی تیاری میں دشمنوں کا ایک آدمی بھی شامل تھا، کیا اس نے کھانے میں کچھ ملا سا دیا ہے۔ انپکڑ

بیشداں کا مطلب سمجھ کر بولے۔

ہاں بان لوگوں کا پروگرام یہی تھا کہ آپ سب لوگ کھانا

کھا کر بے ہوش ہو جائیں یا دوسری دنیا کو سدھا ر جائیں اور

لوگ اس خط اور ایجاد کو لے کر چلتے نہیں۔ میں ملک کے مشرقی

حکٹے سے ان کے پیچے لگا ہوا۔

لیکن انکل آپ یہاں تک کس طرح پہنچے۔

رسی کی سیرھی کے ذریعے.... ارے ہم سے بڑی بھول ہو

گئی۔ آفتاب تم چیخت پر جا کر رسی کی سیرھی اور کھینچ لو،

ایسا نہ ہو کہ ان کا کوئی ساختی اس سیرھی کے ذریعے اندھا جائے۔

بہت بہتر، میں جاتا ہوں۔

آفتاب جانے کے پیڑا۔ لیکن پھر شٹک کر رک گیا۔ اس

کا اور پر کا سانس اور پر نیچے کا نیچے رہ گیا۔

کے حصیں میں تھا، بولا، ساختہ ہی اس کے ہاتھ میں پستول لے

ایا، اور وہ انکھ کر کھڑا ہو گیا، لیکن دوسرے ہی لمحے ایک فاز

ہوا اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ انپکڑ کامران مرا نے

نہایت پھر ت سے پستول نکال کر چشم ندن میں خاکر کر دیا تھا۔

تم بھی اس کے ساختہ کھڑے ہو جائے: انہوں نے اس کے

دوسرے ساختی بالی سے کہا جو ملازم کے روپ میں تھا۔ وہ اپنی

بندگی سے بہت کر نیٹو کے ساختہ کھڑا ہو گیا۔ دونوں کے ہاتھ فرو

بخود اکٹھ گئے مغان رحمان دروازے کی طرف بڑھے۔

رحمان! تم یہیں بھڑد، وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔

میرے خیال میں تمہاری پہلی موجودگی ضروری ہے۔

اچھا تو یہ پستول لے جاؤ: انہوں نے اپنا پستول نکال

کر ان کی طرف اچھاں دیا۔ مغان رحمان نے پستول دلوچا اور

کمرے سے باہر نکل گئے۔ نیٹو اور بالی پر فوز، ہی قابو پا یا کہ

انہیں رسیوں سے جکڑا کر ایک طرف ڈال دیا گیا۔ اب انپکڑ کا

مرزا، آفتاب اور آصف آئے اور اس وقت انہیں متوعلیٰ فوج کا

خیال آیا۔ انہیں تو وہ صدیق احمد کی کوئی تھی کے آس یا سی نیچے

آئے نہیں۔ وہ سب اپس میں بڑی گرم جوشی سے ملے۔ یہ ملافقان

انہیں اچانک بخی اور اسی قدر خوش گوار بھی۔

اور اب ہم کھانا شروع کر سکتے ہیں۔ پردیسیر داؤد پرست لے

لے جائے۔

لاحوال ولاوقۃ

منور علی خاں کو بھٹی کے دروازے کے بالکل قریب گھاٹ لگائے بیٹھے تھے۔ اچانک انہوں نے دروازے کھلنے کی آذان سنی۔ وہ چونک اٹھئے اور چاک دی جو بندہ ہو گئے، لیکن کئی منڈ گزرنے پر بھی کوئی اندر سے باہر نہ نکلا۔ آخر وہ خود دروازے کی طرف بڑھے.... وہ فرازہ چوپٹ کھلا محتا اور اندر کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔ محتا۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے.... ان کے ذہن میں سوال اجھرا کیا یہ چال ہے.... ذہن کا جواب ہاں میں محتا، اس کے باوجود انہوں نے اندر داخل ہونے کا فیصل کر دیا، شاید اس لیے کہ وہ نگرانی کرتے کرتے تنگ گئے تھے۔

گھر کے دروازے میں سے گزر کر وہ صحن میں پہنچے..... پوری گھٹی سائیں سائیں کر رہی تھی۔۔۔۔۔ ایک کمرے کا دروازہ انہیں بندہ ملا۔ اس کی گندڑی کھول کر انہوں نے اندر چاک لانا۔ دوسرا سے ہی لمحے وہ چونک اٹھئے۔ اندر صدیق احمد اور ان کا

لام بندھے پڑے تھے۔

یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے، ایک جیسی شکل کے دو دو آدمی۔ ان کے منہ سے نکلا۔ بھر انہوں نے آگے بڑھ کر ان کی رسیاں کھول ڈالیں۔ وہ دونوں ابھی ہوش میں تھے۔

یہ کیا چکر ہے، آپ جیسی شکل صورت کے دو آدمیوں کو تو

میں دوسری کو عین کی طرف جاتے ہوئے دیکھو چکا ہوں۔۔۔۔۔

ہاں! ان کے ساتھ جو لمبا آدمی تھا، اس نے ان دونوں کے

پیروں پر ہماہا سیک اپ کی تھا۔ صدیق احمد نے بتایا۔

پیروں پر ہماہا سیک اپ نے اسے نہیں دیکھا اور ہاں

اوہ! لیکن وہ ہے کہاں؟ منور علی خاں بولے۔

ہم کیا جانتے..... کیا آپ نے اسے نہیں دیکھا اور ہاں

.... آپ کون ہیں، کیا انپکڑ جمیشہ کے آدمیوں میں سے ہیں۔۔۔۔۔

صدیق احمد نے پوچھا۔

انپکڑ جمیشہ! وہ یہاں کہاں؟ منور علی خاں چونکے۔

وہ انپکڑ جمیشہ! وہ یہاں کہاں؟ منور علی خاں چونکے۔

وہ اس وقت سامنے والی کو بھٹی میں موجود ہیں۔۔۔۔۔

اوہ..... اچھا! منور علی خاں کے لمحے میں حیرت تھی۔

اس کا مطلب ہے، آپ ان کے ساتھی نہیں ہیں۔۔۔۔۔

نہیں! لیکن میں ان کا دوست ضرور ہوں۔ آپ فکر کر دے

کریں، دراصل میں اس لیے آدمی کی نگرانی کر رہا تھا۔ بچے

حیرت ہے، وہ کہاں چلا گیا تھا یہ کہتے کہتے وہ چونکہ اپنیں پاد آگی۔ بیردنی دروازہ پہنچ بند تھا، پھر خود کھل گیا تھا، گویا اس بلے آدمی نے، ہی اسے کھولا جاتا اور خود کمیں چھپ گیا تھا، جب وہ اندر داخل ہوئے تو باہر نکل گیا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ دلپس مرٹے ہوا سامنے والی کوٹھی میں جا کر سب کو بخرا دار کر دیں، لیکن فدا ہی اپنیں ٹھنڈک کر لک جانا پڑتا۔

دروازے میں ایک بلا چڑا آدمی کھڑا اپنیں گھور رہا تھا، وہ بھی اسے تیز نظر دی سے دیکھنے لگے۔ یہ دراصل خان رحمان نے "کون ہو تم؟" منور علی خان نے تیز بجے میں کہا۔ "میں کوئی بھی ہوں، تمہارے یہے موت بن کر آیا ہوں" خان رحمان بولے۔

"مجھے اپنی موت سے مل کر بہت خوشی ہوئی..... آگے بڑھو" کر میں تھیں گے لگاؤں۔" منور علی خان نے طنزیہ بجے میں کہا۔ "ضرور... کیوں نہیں، تم میرے لک میں آ کر کوئی اہم ایجاد کے لئے جانے کی گوشش کر دو اور میں موت بن کر تمہارے راستے میں نہ آؤں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیا کہا...؟" منور علی خان چونکے۔

"میں اتنی آہستہ آواز میں نہیں بولا اور نہ کسی ایسی زبان کے

الغاظا منہ سے نکالے ہیں جنہیں تم سمجھو نہ سکو:

" تو تم مجھے کسی دوسرے ملک کا جاسوس سمجھ رہے ہو، یہ بھی خوب رہی..... ارسے یہاں میں اس ملک میں پیدا ہوا، پلا پڑھا، تعلیم حاصل کی اور اب یہی میرا دل میں ہے۔"

" میں یہاں ایک بلے قد کے آدمی کی تلاش میں آیا تھا، اس کے دو ساتھی پر، نیز سرگناہ کی کوٹھی میں بھیں بدلت کر گئے تھے، لیکن ان دونوں را کو گرفتار کر لیا گیا ہے، اور یہیں دیکھو رہا ہوں کہ تم بلے آدمی ہو، لہذا ادھر ادھر کی نہ ہانشو اور خود کو میسٹر حوالے کر دو۔"

" اگر یہ پسج ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھی نہیں ہو تو میرا اور تمہارا کوئی جھگڑا نہیں" منور علی خان نے کہا۔

" جھگڑا کیوں نہیں، جھگڑا تو بہت زبردست ہے.... تم بلے آدمی ہو اور انپکڑ کامران نے ہیں یہ اطلاع دی تھی کہ تم اس کوٹھی میں ملوگے، میں انپکڑ جہشید کی طرف سے تمہیں گرفتار کرنے نے آیا ہوں اور تمہیں گرفتار کر کے ہی یہاں سے لے جاؤں گا۔"

" اگر یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے، میں آپ کے ساتھ پہنچ کے یہے تیار ہوں" منور علی خان مسکرا کر بولے۔ اس وقت صدیق احمد آگے بڑھے اور بولے:

"میرا خیال ہے، آپ دونوں ایک ہی پارٹی سے تعلق رکھنے میں۔ اس یے وقت صائم نہ کریں اور فوزاً پر و فیسر داؤد کی کوئی میں جا پہنچیں، میں آپ لوگوں کو جنرال کرتا ہوں کہ ڈاکٹر خواہ نے یہاں سے چند بہت اہم قسم کے فون کیے ہیں اور اس کے لیے زبردست قسم کی مدد آبندے والی ہے، کسی ایسا نہ ہو، وہ لوگ آپ سب پہ ٹوٹ پڑیں اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں، ڈاکٹر خواہ! منور علی خان اور خان رحمان کے منہ سے ایک ساختہ نکلا۔

"جی ہاں! اس نے فون پر اپنا یہی نام بنایا تھا۔

"اوہ ہو، پھر تو ہم سب بہت بڑے خطرے میں ہیں: خان رحمان گھبرا کر ہوئے۔

"تو پھر چلیے، چل کر دونوں انپکٹر صاحبان کو بتائیں: منہ علی خان ہوئے۔

"ٹھیک ہے.... آئیے؟ خان رحمان نے بھی کہا۔

"صدیق احمد اور جبار کو ساختہ لے کر باہر لکھے،

"بھائی ہم نے ایک دوسرے کے نام تو پوچھے ہی نہیں، غیر میرا نام خان رحمان ہے.... اور آپ کا?

"اے.... تو آپ خان رحمان ہیں، لاحول ولا قوہ:

"کیا مطلب! آپ نے میرا نام سن کر لاحول ولا قوہ پڑھا؟

خان رحمان نے چونکر کہا۔

"اے ہمیں بھی خود پر پڑھا ہے کہ میں آپ کو دشمن

بھجو بیٹھا، میرا نام منور علی خان ہے۔"

"اوہ ہو.... تو یہ آپ ہیں، بھی پھر تو میری طرف سے

بھی لاحول ولا قوہ، خان رحمان نے ہنس کر کہا اور دونوں نے

گرم جوشی سے مصافو کیا۔

انہوں نے کوئی سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ یوں لگائیے

قیامت ٹوٹ پڑی ہو۔



کیا بات ہے بھی، تمیں انکل نے رسی کی سیڑھی لانے کے لیے کہا ہے، کوئی کوئی قاف سے سحری چڑایا کا انڈہ لانے کا حکم نہیں

دیا کہ اس طرح مشکل کر دک گئے ہوں اور اگر تمیں یہ کام

اتا ہی مشکل نظر آیا ہے تو واپس ٹوٹ آؤ، کیوں اپنی..... جان جو کھوں میں ڈالنے ہو۔ تمہاری جگہ میں جلا جاتا ہوں، فاروقی

نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

آصف نے اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اب تو

سب نے نظریں اوپر اٹھا کر دیکھا اور یہ دیکھ کر سکتے کے عالم میں رہ گئے کہ دہان جیتاں کھڑا تھا۔

" دسی کی سیڑھی کا خیال تمہیں بہت دیر سے آیا، اور اگر جلد بھی آ جانا، تو بھی میں ادپر ضرور پہنچتا، تم دیکھ بھی رہے ہو گئے کہ میسکے۔ تھے میں شاعری پستول ہے، اس کی ایک شاعری تم سب، لوگوں کے یہے کافی ہو گی، انپکٹر جیشید پلی جھڑپ میں کامیابی کے بندے یہ سمجھے ہوں گے کہ میں کوئی بہت بھی گیگ گزرا ڈھمن ہوا، لیکن بات یہ نہیں ... میں اس وقت خود کو المحتاط نے مونڈ میں نہیں تھا، اصل مقصد تو دراصل خدا حاصل کرنا تھا، سہاب میں ایسے حاصل کرنے کے یہے آگیا ہوں ڈجیتال تیزی سے کہتا چلا گیا۔

تم سے اتنی جلد دبارہ مل کر بہت خوشی ہوئی..... لیکن تمہاری اطلاع کے یہے عرض کر دوں تو ایک وقت یہ پوری کوئی بے شمار آدمیوں کے گھرے میں ہے، تم یا تمہارا کوئی ساختی اندر تو داخل ہو سکتا ہے۔ اس سے نکل کر فرار نہیں ہو سکا۔ انپکٹر جیشید نے اس کی باتوں کا اثر یہے بغیر کیا۔

" تو پھر میری طرف سے بھی ایک اطلاع سن لیں، یہ تمہارے آدمی اس پرے جھپٹ کو گھرے میں لے چکے ہیں۔ انہوں نے ٹیلیفون کے کھجے پہ چڑھا کر اس پرے علاقے کے فون کے تار کاٹ دیے ہیں، اب یہاں سے کوئی بھی شخص شہر میں کی کو فون نہیں کر سکتا، دوسرے ناظروں میں صورتِ حال اس

ن میکن طور پر ہمارے کنٹرول میں ہے، لہذا اب تم لوگوں کے بیچ
کے سوا کوئی پارہ نہیں کر خط اور ریڈیو میرے حوالے کر
اک صورت میں یہ وعدہ کرنا ہوں کہ تم میں سے کسی
کوی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، بیشتر لیکر میرا راستہ روکنے کی گوشش
کا گھنی۔ یہ میرا وعدہ ہے، جیتال کا وعدہ.... جو پھر پر لکیرہ ہے۔
اک دنیا ادھر ہو سکتی ہے، لیکن جیتال اپنے وعدے سے
لے پھر سکتا ہے جیتال کہتا چلا گی۔

" بھی داہ! دشمن ہو تو ایسا، ہم تو جیوال کی موت پر بہت
خوش کر رہے تھے کہ اب ایسا دشمن کہاں ملے گا، لیکن یہ
اک سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں.... ویسے سطر جیتال آپ
اکھ آگے ہونے کا مطلب تو سمجھتے ہوں گے۔ فدق
لے کہا۔

" بھی ان کے منہ سے اچھی جملی اردو کی تقریر سننے کے بعد
وہیں یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آفتاب بولا۔

" واقعی مجھ سے غلطی ہوئی، یہ سوال تو تمہیں کرنا چاہیے تھا۔
لاردن مسکرا یا۔

" صورت حال میں واضح کر دوں کر کیا ہے، اس وقت پورا
جھلک ہمارے گھرے میں ہے، ٹیلیفون کے تار کھجے پر سے، ہی
اٹ دیے گئے ہیں، باقی رہے تمہارے وہ آدمی جوان دونوں

کو عظیموں کی نگرانی کر رہتے ہیں، اگرچہ وہ داڑھیں سیٹوں سے بے ختم کرد، اور ہمیں جیتاں سے بات کر لیئے دو، ہاں تو سے جا پکے ہوں گے، انپکڑ جمیلہ! میں تمہارے منزے سے سننا پا رہتا ہوں، تمہارا کیا جواب ہے؟ فاروق! تم میری طرف سے اپنیں جواب دو۔ انپکڑ جمیلہ یہ مسکرائے۔

معلوم ہوتا ہے، آج کا دن وعدوں کا دن ہے: آفتاب۔

بول پڑا۔

کیوں محبی آصف! اب آصف کے جلے کے متعلق کی

خیال ہے؟

اور ہمارا بھی یہ فیصلہ ہے کہ ایجاد اور خلط یے بغیر بیان

سے نہیں جائیں گے۔ میں نے اس معاملے میں اپنے کسی بھی

کارکن کو سامنے نہیں آنے دیا تھا، بس یہاں کے دو غندھوں

پہنچ اور بالی سے کچھ کام ضرور لیا ہے، لیکن اس وقت کے

ہی میں اپنے صحیح روپ میں جلوہ گر ہو رہا ہوں، تم دیکھو

گے کہ جیتاں کیا ہے۔

ہمارے دیکھنے سے پہلے آپ خود ہی بتا دیں نا۔ محمود نے

سمی صورت بناؤ کر کھا۔

جو مزا دیکھنے میں ہے، وہ سننے میں کھا۔

جنت بہتر ابا جان! میں آپ کا مطلب سمجھ گیا، سننے سے مبتہ ہوا..... تم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہوئے تب بھی آپ اپنے دعے سے نہیں پھریں گے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے ہم وہ خط اور میڈیو نہیں دیں گے، ہم جانیں تو دے سکتے ہیں، «لے کن چیزیں ہرگز نہیں دے سکتے» یہ کہہ کر فاروق انپکڑ جمیلہ کا طرف مردا:

ابا جان! آپ کو میرا جاب پسند آیا۔

بہت.... بہت نیادہ.... تم نے میرے منزے کے الفاظ قصیر

جی۔ نہیں تو.... میں نے تو کوئی الفاظ نہیں چھینے۔ فاروق نے گھبرا کر کھا۔

اتسی اپنی بات کرنے کے بعد اتنی اوٹ پلانگ بات لئے کیا صورت بھتی: آفتاب نے برا سامنہ بنایا۔

بہت بہتر جا ب : اگر آپ کی خواہش یہی ہے تو دیکھو یہیں گے
بلکہ عیکلیں لگا کر دیکھیں گے : فرزانہ نے کہا۔

اے ... تم ہمی دیکھتا ہیں کہ لگا گر... میری نظر کمزور نہیں
ہے : فاروق بخوبی کر بولا۔

یہ تمہارے پنکے بائیس بہت بناتے ہیں : جیتاں نے برا سا
منہ بنایا کہ کہا۔

یہ شکایت ان سے اور بھی بہت سے لوگوں کو ہے ، لیکن ان
کا بائیس بڑے بڑے مجرموں کو تباہ کا ناچ نچا دیتی ہیں ۔
کی کہا انکل ! بائیں تباہ کا ناچ نچا دیتی ہیں ۔ آصف نے
چونکہ کہ پوچھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تم سب لوگ بہت دلیر ہو ،
انپکڑ کامران مزرا بھی جس طرح میرا تعاقب کرتے ہوئے ہوئے یہاں
تمکہ پہنچے ، قابل تعریف ہے اور یہ عین وقت بہہ یہ یہاں نہ
پہنچے ۔ اس وقت تم لوگ چلتے ہو چکے ہتھے ، تمہاری دلیری
بھیجے اس بات پر مجبور کر رہی ہے کہ خود کو گرفتاری کے لیے
پیش کر دوں : جیتاں نے بجیب بات کہی۔

بھی داہ : اس سے نیک ارادہ بھلا کیا ہو سکتا ہے : فاروق
خوش ہو کر بولا۔

بلکہ اسے کہتے ہیں ، نیک اور پوچھ پوچھت : آفتاب بھی فوراً بولا۔

لیکن یہ پوچھ پوچھ کیا ہوا : فرزانہ بول پڑی۔
انپکڑ کامران مزرا ایسے اور اسے گرفتار کر یہیے ، کیونکہ یہ آپ
دارہ عمل سے ایجاد اڑا کر جاگا ہے ، یہ آپ کا مجرم زیادہ ہے۔
پتھے نے کہا۔

شکریہ ! آپ صحیک کہتے ہیں ۔ یہ کہ کہ انپکڑ کامران مزرا الحمد
ہے ہرستہ۔ اس کے ساتھ ہی انپکڑ جشید کے ہاتھ میں پستول
ایادہ سرد آواز میں بے۔

جیتاں ! تمہاری کوئی حرکت تمہیں موت کی نیند سلا سکتی ہے...
لے تمہارے دل کا نشانہ لے رکھا ہے۔

بہتر ہو گا کہ دو چار اور پستول بھی میری طرف تاں یہے جائیں
لب کے سب پرے دل کا نشانہ لے لیں ، کیونکہ بعد میں یہ
اکلہ ہو کر کیوں صرف ایک پستول لے نشانہ یا گی۔
جیتاں کا انداز عجیب سا تھا وہ جو نک اٹھے ، انپکڑ کامران مزرا
اٹھل کر رکھے تھے۔ عین اسی وقت کان چاڑ دیتے والا ایک
کاہرا فری دینوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے کاون
پہاڑے پھٹ گئے ہیں۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ جگہ سے رکھا
لے رکھتے ، ایسے میں انپکڑ جشید کس طرح فارس کر سکتے تھے۔ دھماکے
کا لالا بعد دھویں کا ایک گمرا بادل کمرے کے فرشتے سے اٹھا اور
اکان میں پورستے کمرے میں گھپ اندر ہو گیا... پھر یہ

خداوندیقیناً گوییوں کی بوجھاڑ کر دیتے۔

دھواں کر کے دروازوں اور روشن دنوں سے اس طرح دم خدا سا پرندہ نظر آنے لگا۔ اب اگر کوئی اسے دیکھتا تو یہی نکلنے لگا جیسے اس کمرے میں دھوپیں کو قید کر دیا گیا ہے۔ نکل کر تناکہ ایک پرندہ بالکل سیدھا اوپر چلا جا رہا ہے۔ جنتاں جنتاں تیزی سے کمرے سے نکل کر لاہوری میں داخل ہوا۔ اس کا دل کرتا کہ ایک پرندہ بالکل سیدھا اوپر چلا جا رہا ہے۔ اس نے اپنی جیب سے شعاعی پستول نکال کر دروازے کے تارے پر ٹھیک کر کے ان کا گرو فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس ڈالی، دروازہ فوراً کھل گیا۔ میز پر وہ ریڈیو اور خط کھلا پڑا تھا۔ اسراں میں جنتاں تے انہیں دخل اندازی کی اجازت نہیں دی تھی، اس نے دونوں چیزیں اپنے قبضے میں کیں اور مسکراتا ہوا کر جانپور وہ خاموشی سے پہنچے ہئے چلے گئے۔ اب انہیں معلوم تھا کہ سے نکل آیا۔

اس نے یونچے جھانک کر دیکھا، بے شمار لوگ کو تھی کی طرف لالا پہنچا ہے۔

ہے تھے۔ اس نے نہایت اطمینان سے اپنا بیگ کھولا، آہ میں سے پلاشک کے بڑے بڑے سے ملکجے نکالے اور انہیں اپنا شفت کرنے لگا۔ اس کام میں اسے صرف ادھ منٹ گھاڑ آدھ منٹ بعد ایک نخسا سا، سیلی کا پتہ تیار تھا۔ جس میں ایک دو آدھ کا کر بیٹھ سکتے تھے، پہنے اس نے ایک آدمی کو اس میں بھایا۔ اس خود بیٹھ گی۔ اب اس نے، سیلی کا پتہ کا ایک بیٹن دبایا، ابجا گئی بہت ہی ہنکی سی آواز آنے لگی، اس کے ساتھ ہی، بیٹا کے پر چلنے لگے اور وہ فرش سے اوپر اٹھنے لگا۔ تجربہ گاہ چاروں طرف دھواں ہی دھواں تھا، سیلی کا پتہ اس دھوپیں کے درمیان میں ہی اوپر اٹھ رہا تھا، لہذا یونچے سے تجربہ کیا، کہ بڑھتے دالوں میں سے کسی کو بھی وہ نظر نہ آیا، اگر وہ اس

تفصیل کی حکایت

شعبان جمالی نے اس خوبصورت سے پارسل کو حیرت بھی نظر دیں سے دیکھا، اس پر بھیختے دالے کا نام نہیں تھا۔ اس کھوں تو اندر سے یک خط اور ایک ننھی سی گیند نکلی۔ اپنے سہری رنگ کی اور بے صدیقی میتھی۔ گیند کو دیکھ کر انہیں اُنہیں حیرت ہوئی۔ وہ ایک سرکاری افسر تھے اور اونچی جگہ پر تھے لہذا کسی کا گیند بھیجا ان کے لیے عجیب ترین بات تھی۔ انہیں نے گیند کے ساتھ ملنے والے پرچے کو پڑھا، لکھا تھا۔

”آپ نے ہمارے ملک کے لیے بہت خدمات انجام دیں، بھاری رتوں کے بدے اپنے ملک کی قیمتی معداً ایک عرصے سے ہمارے حوالے گرتے رہے ہیں، دیکھ اب آپ کے افسران بالا کو آپ پر شک ہو گیا۔ اس لیے اب اس سلے کو ختم کر دینا چاہیے، آپ کا بھلانی بھی اسی میں ہے، کیونکہ آپ روز بروز خلط میں گھرتے جا رہے ہیں، لہذا ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ

آج کے بعد آپ کی طرف سے کوئی معلومات حاصل نہ کریں۔ آپ کی اب تک کی خدمات کے صلے میں یہ گیند انعام کے طور پر آپ کی خدمت میں ارسال کی جا رہی ہے، اید ہے، آپ اسے پاکر بہت خوش ہوں گے، یہ گیند دراصل کیا ہے، بہت جلد آپ کو معلوم ہونے والا ہے، ہمارا ملک آپ کا بہت بہت شکر گزار ہے کہ آپ نے اسے طاقت وربنانے اور اپنے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں مدد فرمائی۔ اگر آپ بیسے لوگ ہمیں ملتے رہے تو وہ دن دور نہیں جب ہم آپ کے ملک پر پوری طرح قابض ہو جائیں گے اور اس وقت ہم آپ بیسے لوگوں کو خوب عیش کرائیں گے۔“

ان الفاظ پر خط ختم ہو گیا تھا۔ شعبان جمال کے بدن سے بینہ بیوٹ پڑا، وہ ان الفاظ کا مطلب اپنی طرح سمجھتے تھتے۔ گیند کو انہوں نے بھی بھی آنکھوں سے دیکھا، پھر یہ دیکھنے کے لیے کہ دراصل وہ کیا چیز ہے، انہوں نے لا تھے اس کی طرف بڑھایا۔ مگر اس وقت ایک ہلکا سا دھماکا ہوا، اتنا ہلکا کہ باہر کھڑا ہناگی بھی اسے نہ سن سکا۔ اس کے کوئی آدھ گھنٹہ بعد چپر اسی یہ ملاقی کا کارڈ اندر لے کر آیا تو خوف سے اس کی آنکھیں بھٹ پڑیں۔ شعبان جمالی کری کری پر مردہ پڑتے تھتے۔ ان کی گردن کرسی

کی پشت پر ٹھلک گئی تھی اور زبان باہر نکل آئی تھی۔ ہاتھ ادھر ادا
اس پارسل میں کہا تھا ہے فضیل نے یو جھیا۔

بھول ہے ہتھ -
چپر آئی کے ہاتھ پاؤں بھول گئے۔ اس نے تھر تھر کا پتے ہاندھ
سے پویس اٹیشن فون کیا۔ جلد ہی پویس موقع دار دات پر پہنچ گئی۔
میز پر پڑے خط کے الفاظ نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے
فرزا مکملہ سرا غسانی کو فون کیا اور صورت حال بتائی، کیونکہ
کیس عام پویس کا ہتھیں تھا۔ آئی جی صاحب کو فون ملا تو انہوں
نے ٹوٹی آئی جی صاحب کو بلوایا:

.....انیکٹ بہشید تو سپتائیں میں میں شکر اگلی سرلوٹ میں درج تھا، شعبان جمال کی موت کے وقت پورسٹ مارٹم کی رپورٹ موصول ہوئی۔ اسے پڑھ سوال یہ ہے کہ اب وہاں تفییش کے لیے کے بھیجا جائے گی۔

انپکڑ فضلی عام طور پر یہ شکایت کرتے رہتے ہیں کہ اپنے
موقع نہیں دیا جاتا اور ہر اہم کیس انپکڑ بھشید کو سونپ دیا
یہ ایک حیران کن بات ہے، فضا میں آکسیجن کی کوئی کمی نہیں
جاتا ہے، لہذا اسے بیچ دیں: ٹوی آئی جی صاحب نے منظہ
کا اور شعبان جمال کے کمرے میں روشن داں وغیرہ بھی تھے، پھر
ٹھیک ہے، یہی کرنا چاہتے ہیں۔ اس سوال کا جواب فاکر ڈول

چنانچہ اسپکٹر فضل کو شعبان جمالی تسل کی لعنتیں کے بے
بھیجا گیا۔ اس نے خط کو اپنے قبضے میں لے لیا، لاش کے
پورے جسم کا جائزہ یا، لیکن کوئی زخم نظر نہ آیا، نہ گلگھتے
کے آثار ہوتا، یوں بھی چپڑا سی کا بیان ہتا کہ صاحب اندھا اپل
اکیسے عتکے، وہ خود بھی صبح سے صرف ایک بار اندر گا گتا۔

طرح بچرا رہا تھا، ایسے میں آئی جی صاحب بار بار اس سے بنا کر اور صابر رضا سے معلومات حاصل ہوئی تھیں اور اس طرح پروفیسر مانگ رہے تھے، لیکن وہ روپورٹ کی پیش نہ کرتا، اس کی تفییر لالاک جاہ کی ایجاد کا معاملہ بھی لوگوں کے سامنے آگیا تھا، چنانچہ گاڑی تو ایک اپنے بھی آنکے نہیں بڑھ رہی تھی۔ ایسے میں صاحب اور ڈی آئی صاحب کو انپکٹر جمیشہ بہت یاد آئے لالاک جاہ کی ایجاد کو بھی انہوں کیا ہے۔ خود آئی جی صاحب کا بھی یہ شعبان جمال کا کیس اس یہے اہم تھا کہ اس نے اب تک جانے کتنی قیمتی معلومات غیر ملکی ایجنٹوں کو دی تھیں۔ اُن دونوں صاحبان ہسپتال پہنچے۔ انپکٹر جمیشہ اور باقی لوگوں کی پوری یہ داؤڈ کی کوھٹی میں تین دن پہلے بے ہوش پایا گی تھا اب تک اب تک انہیں ہوش نہیں آیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان کے ساتھ انہیں پروفیسر داؤڈ بے ہوش نہیں ملے تھے۔ ان پوری کوھٹی میں تلاش کیا گیا، لیکن وہ کہیں نہ ملے۔ انہیں اس پاس اور اوھر طلاق کرنے کے بعد تلاش کا پورے شہر میں پھیلا دیا گی.... سر طرف پڑوں کا ریں دلت لگی، لیکن پورے تین دن کی تلاش کے بعد بھی ان کا کوئی نہیں ملا تھا۔ انپکٹر جمیشہ اور دوسرے لوگوں کی بے ہوش پروفیسر داؤڈ کی گم شدگی ہی کی کم تھی کہ شعبان جمالی کے لام معاملہ پیش آگیا۔ اوھر اخبارات میں انپکٹر جمیشہ لاران کے راجہ کے ساتھ ساتھ انپکٹر کامران مزرا وغیرہ کے بارے میں میں نہیں سے شائع ہو رہا تھا۔ ان کے بارے میں اخبارات کو اپنے پیش کیا گیا تھا۔ انپکٹر جمیشہ ان دونوں کو دیکھ کر نگلین انداز میں

کہ دیجئے گا:

”بہت اچھا!

ٹیک شام کے چار بجے انہیں فون موصول ہوا کہ انپکٹر جمیشہ اور کامران مزرا ہوش میں آگئے ہیں جب کہ باقی لوگ پستور بے ہوش ہیں۔ وہ ڈی آئی جی صاحب کو ساتھ لے کر ہسپتال پہنچے، ان سب کو ایک بڑے سے ہال میں ساتھ ساتھ لے لیا گیا تھا۔ انپکٹر جمیشہ ان دونوں کو دیکھ کر نگلین انداز میں

مکرائے، پھر ساعتہ یہی انپکٹر کامران مرزا کا تعارف ان سے کریا۔ اُننا مناسب خیال نہیں کیا۔

"اب کسی بیعت ہے۔"

"بس؛ صحیک ہی ہے۔"

"حالات بہت نازک ہو گئے ہیں۔ آئی جی بولے۔"

"جی کیا مطلب ہے؟"

"تمہیں شاید معلوم نہیں.... پر وفیر داؤد اس وقت سے غائب ہیں جب تم لوگوں کو بے ہوش پایا گی۔"

"اوہ؟ ان کے منہ سے نکلا۔"

"ان کی تلاش میں یتن دن گزر گئے ہیں۔"

"تب پھر انہیں جیتاںل ساعتہ لے گیا ہے۔" انپکٹر کامران مرزا بولے۔

"آپ کا خیال بالکل صحیک ہے۔ انپکٹر جسید بولے۔"

"جیتاں؟ آئی جی اور ڈی آئی جی صاحبان بری طرح چونکے۔"

"جی ہاں؛ اس معاملے میں اسی کا ہاتھ ہے، بھٹریے میں تفہیل سے ساتا ہوں، بلکہ پہلے انپکٹر کامران مرزا سنائیں گے؛ شروع سے لے کر بے ہوش ہونے تک سارے واقعات سن کر دونوں صاحبان کی سٹی گم ہو گئی۔"

"اور یہ اب تک معلوم نہیں کہ وہ ایجاد کیا ہے۔"

"جی نہیں! پر وفیر داؤد مجھے بتانے لگے بنتے، لیکن اس

انت دوسرے لوگ آگئے اور ان کی موجودگی میں میں نے معلوم

کیا۔"

"اور اب شہر میں ایک اور چونکا دینے والا داھر ہوا ہے۔"
وہ کیا ہے انپکٹر جسید چونکے۔

اپنی شبستان جمال کے قتل کے بارے میں بتایا گیا۔

دونوں سن کر حیرت زده رہ گئے۔ آخر انپکٹر کامران مرزا بولے۔

ہمیں فرنی طور پر اس کیس پر کام شروع کر دینا چاہیے۔

لیکن آپ لوگ اس قابل کب ہیں کہ...."

"میرا خیال ہے، اب ہم صحیک ہے اور موقع داردات تک

پہنچنے ہیں.... ویسے فضیل صاحب نے اب تک کیا معلوم کیا۔"

غماک بھی نہیں؛ آئی جی صاحب منہ بنا کر بولے۔

کیا خیال ہے کامران مرزا.... کیا آپ چلیں گے۔"

ہاں! کیوں نہیں، ہمیں اٹھنا ہی ہو گا، اس ایجاد اور

پر وفیر داؤد کے بارے میں ہم جتنی دیکھ کریں گے، حالات

ہمارے پیسے اتنے ہی خطرناک ہوتے جائیں گے۔"

"آپ کا خیال صحیک ہے۔ یہ کہ کہ انپکٹر جسید بتر پر اٹھ

بیٹھے۔ انپکٹر کامران مرزا نے بھی یہی کیا۔ ہاں کے دوسرے کونے

پر ایک ڈاکٹر موجود تھے، انہیں اٹھتے دیکھ کر پیک کر آئے۔

جناب یہیں رہیے، یہ آپ کی کر رہے ہیں، آپ کے پیسے

ابھی ہنا جدنا خطرناک ہے۔ اس نے بوکھلا کر کھا۔

"اور ہمارا غیر ہلتا جلتا قوم اور ملک کے بیسے خطرناک ہے۔ انپکڑ جشید مکرائے۔"

"میں آپ کو خبردار کرتا ہوں، آپ لوگوں کے پھیپھر سے یہ مساثر ہیں، بہت کمزور ہو چکے ہیں اور آپ کو مکمل آرام کی ضرورت ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! ہم اس موقعے پر اگر آرام کرتے رہ گئے تو شاید پورا ملک آرام کی پیٹ ہیں آجائے، آپ ہمارے بارے میں فکر نہ کریں، ہم لوگ یونز مہموں قوتِ ارادی کے ملک ہیں، باقی رہا باتی لوگوں کا سوال تو یہ لوگ یہیں رہیں گے، جب تک نکمل طور پر صحت یا ب نہ ہو جائیں تا یہ کہ کہ انپکڑ جشید اٹھ کھڑے ہوئے۔ انپکڑ کامران مرزا نے بھی ان کا ساتھ دیا۔"

"جشید اور ملک کامران مرزا اگر ڈاکٹر صاحب کے نزدیک آپ کا حرکت کرنا خطرناک ہے تو ابھی آپ دونوں چند دن اور آرام کریں: آئی جی صاحب فکر مند ہو کر بولے۔"

یہ اب ناممکن ہے جناب ہے

"ڈاکٹر انہیں دیکھتا ہی رہ گی اور وہ دونوں باہر نکل کر آئی جی صاحب کی کار میں بیٹھ گئے۔"

"سب سے پہلے آپ ہمیں شعبان جمالی کے دفتر لے چلے،

زابھی تک سیل ہو گا: انپکڑ جشید نے کہا۔
اگر بود بولے: لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ پہلے تم پروفیسر
روے معاشرے کا طرف متوجہ ہو۔
شبان جمالی کے کمرے کا چند منٹ تک جائزہ یعنی کے بعد
ان کی تجربہ گاہ ہی جائیں گے۔ آپ فخر نہ کریں۔
کار دفتر کے سامنے رک گئی۔ نگران کامنیشن نے سیل توڑ کر
خوازہ کھوی دیا اور وہ اندر داخل ہوئے۔ شبان جمالی کو جو
لٹا لٹا تھا، وہ آئی جی صاحب کے پاس موجود تھا، انہوں نے
انپکڑ جشید کو دنے دیا، دونوں نے اسے بغور پڑھا اور
ہر پارسل کا لفظ ان کے ذہن میں دھما چوکڑی مچانے لگا، دونوں
فرزا روی کی ٹوکری کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں پارسل سے
ازٹے دالا موٹی کاغذ ابھی تک موجود تھا، اس کا غذ پر ایک
ادرا کا غذ لگا کر پتا لکھا گیا تھا، پتا اور خط ایک ہی ہاتھ کا
لکھا ہوا تھا۔

اس کمرے سے دہ گیند بھی ملی یا نہیں۔"

"نہیں! کوئی گینہ نہیں ملی۔"
"خیر، تم اس کا غذ اور اس پر لکھی تحریر کے ذریعے آگے بڑھنے
کی گوشش کریں گے، لیکن اس سے پہلے ذرا ہم پروفیسر داؤد
کی تجربہ گاہ کا جائزہ لے لیں۔"

بجتہ بگاہ میں انہیں کوئی سراغِ نسل مکا جوان کے ۱۱۰
آتا۔ آخر وہ ان رسائل کی طرف متوجہ ہوئے جن سے پردہ
داود نے پروفیسر افلاک جاہ کا مضمون پڑھا تھا۔ آئی جیسا
ان کے سامنے کریں گے اور بے تابی کے عالم میں
انہیں رسائل کی درق گردانی کرتے دیکھنے لگے.... ایک مضمون
پر اپکٹر کامران مزرا کو پنل کے نشانات نظر آئے۔ پروفیر

داود نے باقاعدہ تیروں کے نشانات سے اشارے کیے ہے
انہوں نے اس مضمون کی طرف اپکٹر جمیش کی توجہ بھی دلائی
اور دونوں اسے بغور پڑھنے لگے، پھر جو نہیں انہوں نے مضمون
ختم کیا، دونوں ایک ساتھ زور سے اچھلے۔ ان کے چہروں
پر حیرت، خوف اور جوش نے ایک ساتھ حلہ کیا تھا۔
آئی جی شیخ نثار احمد صاحب اور طوی آئی جی افتخار اور
صاحب نے دونوں کو حیران ہو کر دیکھا۔ ادھر وہ دونوں ایک
دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سرخ قتل والا

معلوم ہوتا ہے، آپ لوگوں نے کوئی خاص بات معلوم کی
ہے: شیخ نثار احمد بولے اور ان کی طرف سوالیہ نظرؤں سے
دیکھنے لگے۔

”جی ہاں! آخر ہم یہ راز معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں
کہ پروفیر افلاک جاہ نے کئی سال پہلے کسی ایجاد کا امکان
ظاہر کیا تھا اور معلوم ہوتا ہے، اب وہ اسے عملی شکل دینے
ہیں کامیاب ہو گئے تھے.... ادھر وہ ایجاد وہ ریڈیو ہی تھا،
لیکن اس ریڈیو کے ساتھ کوئی فارمولہ نہیں ملا۔“

”آخر وہ ایجاد کیا ہے؟“ افتخار احمد نے پوچھا۔
”کسی جگہ کسی کمرے، کسی میدان یا کسی خطے سے آکیجن کو
یک لخت ختم کر دینا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس جگہ
کے تمام جاندار آتا فاتا میں ہلاک ہو جائیں گے اور اس طرح
بڑی سے بڑی فوج کا بھی صفائیا کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کہ
اپنی فوج کا ایک آدمی بھی نہ مارا جائے، ایک گولی بھی نہ

پلائی پڑے ۔ آئیں : اسکپٹر کامران مرزا کہتے چلے گئے ۔

ان خدا ! یہ کس قدر خوفناک ہے ... آئی جی کے منہ

کا کھلا رہ گیا ، خوف سے کھلے گئے اندانہ میں نکلا ۔ ان کا پھرہ نزد پڑتا جا رہا

کے مختلف نہیں تھی ۔

کے قبضے میں تھی ۔

تو ... تو کیا شبیان جمال کو اس ایجاد کے ذریعے سے

قتل کیا گیا ہے ، کیونکہ وہ آکسین نہ ملنے کی وجہ سے مراہے اور

آکسین کا کمرے سے یک لخت ختم ہو جانا اسی صورت میں ملک

نظر آتا ہے ۔ ڈی آئی جی حیرت زدہ بھے میں بوئے ۔

آپ کا خیال صحیک ہے ، ہم دنوں اس یہ اچھے تھے :

تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایجاد کو استعمال

کرنے کا طریقہ بھی معلوم کر لیا ہے ، بلکہ اس کا تجربہ بھی کر کے

دیکھ لیا ہے ۔

بالکل یہی بات ہے ، شاید وہ شبیان جمال جیسے اور لوگوں

کو بھی اس ذریعے سے ختم کریں ، جواب ان کے کام کے نہ ہے

ہوں ، ہو سکتا ہے ، ایجاد ابھی چھوٹے پیمانے پر ہو ، بعد میں

وہ اسے بڑا کریں گے اور بڑے پیمانے پر بھی استعمال کر

سکیں گے ، یعنی وہ جب چاہیں گے ، ہمارے ملک کے کسی

بھی علاقے کی آکسین کو اس ایجاد کے ذریعے خذب کر لیں

گے اور اس علاقے کے تمام جاندار نسلوں میں تسلیم ہو

گے اس علاقے کے تمام جاندار نسلوں میں تسلیم ہو

گے اس علاقے کے تمام جاندار نسلوں میں تسلیم ہو

گے اس علاقے کے تمام جاندار نسلوں میں تسلیم ہو

گے اس علاقے کے تمام جاندار نسلوں میں تسلیم ہو

بی آنے والی ہر رکاوٹ کو ختم کر دینا، ہر دیوار کو گرا دینا
”آپ فکر نہ کریں، ایسا ہی ہو گا۔“

دہ ان کے ساتھ ہی دہاں سے بیان ہوئے۔ جی پی اونے پارس وصول کرنے والے نے بتایا کہ جس شخص نے کے قریب دونوں اتر گئے، یہاں سے انہوں نے پسے ہستال ایسل کرایا تھا، اس کا رنگ سانول، قد چھوٹا اور جسم موٹا فون کیا، معلوم ہوا کہ باقی لوگ بھی ہوش میں آگئے ہیں۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی عقیص اور ناک چھوٹا ہوا، جس پر کے کمرے کا رنخ کیا۔ تعارف کرنے پر پوسٹ مارٹر جھرا گیا، لیکن انہوں نے مسکراتے ہوئے مومی کاغذ اس کے سامنے رکھ دیا:

”صرف یہ معلوم کر دیں کہ یہ کس ڈاک خانے سے پوسٹ ہے۔ پولی ہوئی ناک پر سرخ زنگ کا ایک تل بھی ہے، ہمارا کیا گیا ہے؟“

”بہت بہتر! ابھی یہجیے! اس نے کہا اور اپنے نائب کو بلا کر کاغذ اسے دیا اور کچھ ہدایات دیں۔ مختصر ہی دیر بعد پورٹ موصول ہو گئی۔“

”اُنلیکے اور اوھر سے ہیو کی آواز سن کر پوئے۔ اپنکر جشد بول رہا ہوں، ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے اُن کا قد چھوٹا، جسم موٹا، آنکھیں چھوٹی اور ناک چھوٹی ہوئی تھے، ناک پر ایک سرخ زنگ کا تل بھی ہے۔“

”میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں جناب، لیکن میرا واسط اُنگ اس جیسے کے آدمی سے نہیں پڑتا، تاہم آپ ہٹول جاتا پڑے جائیے، وہاں کا مینجر صزور ایسے کسی آدمی کے بارے میں

اور صبر کر دو، شاید اس کے بعد میں ڈاکٹر صاحب کو مناسکوں ہے۔ اپنے جیشید بولے اور وہ بڑے بڑے منہ بنانے لگے۔ انسین منہ بناتے چھوڑ کر وہ ہسپتال سے نکل آئے۔ دونوں نے اپنے پھر دن میں تھوڑی بہت تبدیلی کی اور ہوش جاتار کی طرف روانہ ہوئے۔

ہوش جاتار کے کاؤنٹر پر ایک پیلا دبلا سا آدمی نظر آیا۔
کامران مرزا کو بتایا کہ اس آدمی کی تلاش کے سلسلے میں ہوئی تھیں
دونوں اس کی طرف بڑھے۔ اپنے کامران مرزا نے بازوں کا کاؤنٹر پر
تک جانا ہو گا۔

نکاتے ہوئے کہا:

"میخچر کہاں ہے، ہمیں اس سے ملا ہے۔"

"یہ سے پہلے جلیئے، کرہ بنزدیں کے دروازے پر تین بار
ڈٹک دے کر اندر چلے جائیے گا، میخچر سے ملاقات ہو جائے
گی، لیکن اپنی زندگی اور ماں کی حفاظت آپ کے اپنے ذمے
ہو گی۔"

"فکر نہ کرو۔ اپنے جیشید بولے۔"

- کرہ بنزدیں کے دروازے پر تین بار ڈٹک دینے کے بعد
وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئے۔ دونوں نے دیکھا، کہے
میں تقریباً ایک درجن آدمی ایک بڑی سی میز کے گرد جمع ہتے
اور وہ جو اکھیل رہے ہتے۔ اب وہ سمجھے کہ کاؤنٹر والے کے
پر کھٹکا کیا مطلب تھا کہ جان اور ماں کی حفاظت ان کے

بتا سکے گا، لیکن وہ بہت خطرناک آدمی ہے.... ذرا ہوٹ
بہتی ہے گا، اگر اس جیسے کا آدمی اس کا آدمی ہوا تو اس میں وہ ہرگز نہیں بتا سکے گا۔

"شکر یہ! تم فکر نہ کرو۔" دونوں نے یہ سو رکھ دیا اور اپنے
کامران مرزا کو بتایا کہ اس آدمی کی تلاش کے سلسلے میں ہوئی تھیں
دو نوں اس کی طرف بڑھے۔ اپنے کامران مرزا نے بازوں کا کاؤنٹر پر
تک جانا ہو گا۔

"کیوں نہ پہلے ہسپتال پکر لگا آئیں۔...."

"میکھیک ہے۔"

دونوں ہسپتال پہنچے۔ اب باقی سب لوگ بالکل ہوش یا
نچتے، البتہ ڈاکٹر صاحب کے لئے انسین ایک سختے سمجھ کچلنے پڑتے۔
روک دیا۔ اس پابندی نے محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب اور احمد
کو بہت بُر کر دیا تھا۔

"آتا جان! یہ مکھی ہے، ہم ایک سختے تک ہسپتال کے بیرونی
سینئے نہیں رہ سکتے۔ فاروق نے منہ بناؤ کر کھا۔

"اچھا! اکھے ہو گا۔ اپنے جیشید سمجھیگی سے بولے اور فرزانہ
کھمی کھمی شردع ہو گئی۔ میں تو کہتا ہوں۔ اب اسی وقت، میں ساختے ہے۔
آنفتاب نے کہا۔

اسی وقت تم لوگوں کا ساختہ چنانچہ نہیں، ایک آدمی کا

اپنے ذمے ہو گی۔ دروازہ کھینچنے پر انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا، اس کمرے کے سامنے والی دیوار میں انہیں ایک دروازہ لظر آ رہا تھا، دروازہ کھلا تھا اور اس جگہ سے ہی دوسرے کمرے کے بعد ایک تیرا کمرہ بھی نظر آیا، اس میں بھی لوگ بھرے ہوئے تھے۔ یہاں تو انہیں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا جس کے بارے میں میخرا ہونے کا شہر کیا جاسکے۔ اسپکٹر کامران حمزہ نے مایوسانہ لیں گما۔

"اب اگر ہم نے ان میں سے کسی سے پوچھا تو ہمیں اندازی سمجھ یا جائے گا، میرا خیال ہے، یہاں یہ جلد خفیہ طور پر استعمال ہوتا ہے، کاؤنٹر پر آ کر جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہمیں میخرا ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمیں جو اکھیلنا ہے.... لیکن میرا خیال ہے کہ میخرا بھی یہی کہیں ہونا چاہیئے۔"

دونوں اور آگے بڑھے۔ کوئی پانچویں کمرے کے بعد انہیں ایک دروازے پر میخرا لکھا نظر آیا۔ دونوں بے دھڑک اندر داخل ہو گئے۔ اندر ایک میز کے پیچے گھر منے والی کرسی پر بڑی بڑی موچھوں والا ایک خوفناک سا آدمی بیٹھا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس کے پھرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"معلوم ہوتا ہے، آپ اس جوئے خانے کے میخرا ہیں؟" کیا بات ہے۔ تم لوگ کون ہو۔ اس نے کرخت بھیجے میں پہنچا۔

"ناموں میں کیا رکھا ہے، ہمیں اس سے ملنا ہے، جس کی ناک بسرخ تل ہے۔ اسپکٹر جشید نے سرسری بھجے میں پوچھا۔ اودہ! میں سمجھا، آپ کو اس سے کوئی کام کرنا ہے، لیکن وہ ان دونوں ایک بہتر بڑے آدمی کے کام میں لگا ہوا ہے اور خوب کہ ہا ہے، میں آپ کو اس سے بہتر آدمی دے سکتا ہوں، لیکن اس کا معاوضہ بہت زیادہ ہے اور میری کمیشن بھی کم نہیں ہو گی۔"

"معاوضہ اور کمیشن کی آپ نظر نہ کریں، لیکن کام ہمیں سرخ تل دائے کے ہی ہے۔"

"آپ میری کمیشن دے دیں اور اس سے خود جا کر بات کر لیں، میں اس کا پتا اس صورت میں بتا سکتا ہوں۔"

"ہمیں منظور ہے۔ اسپکٹر جشید نے خوش ہو کر کہا۔ کمیشن بتائیے۔"

"صرف پانچ ہزار.... میری کمیشن کی چٹ دیکھ کر ہی وہ آپ کام کرنے کی حتمی بھرے گا۔"

"بہت اچھا! اسپکٹر جشید نے کہا اور جیب سے بٹوہ نکال کر سور روپے کے پیچا س نوٹ نکال کر اس کے ساتھ پھینک دیئے۔ اس نے ایک کاغذ پر پتا تحریر کیا اور کاغذ انہیں بھٹا دیا۔

دونوں کاغذے کر پاہر نکل آئے۔ ان کے نکتے ہی میخرا نے ایک بیٹھن دبایا، چند سکینڈ بعد ہی کاے زنگ کا ایک پھلوان غما

آدمی اندر داخل ہوا:-

ابھی ابھی یہرے کمرے سے دو آدمی نکلے ہیں۔ معلوم کردہ انہیں خیر! اسے بھی دیکھ لیں گے، پسے جوٹا سے تو مل لیں گے۔

یہ اگر وہ سرکاری آدمی ثابت ہوں تو انہیں ختم کرنا تمہارا کام ہوا۔ یہ کہ کہ انپکڑ کامران مرزا نے دروازے پر دستک دی۔ ایک بیان عورت نے سر باہر نکالا۔ اس کا زنگ بالکل لا تھا۔

”ہمیں جوٹا سے مل ہے:-“

”یا ہو گا اسی جزیرے پر جس پر چند روز سے ہر روز جانے لگا ہے:- اس نے کھر درے لجھے میں کہا۔“

”کس وقت والپس آتا ہے؟“

”کوئی وقت مقرر نہیں۔“

”اچا! ہمیں اس سے ایک کام ہے، ہم اس کے اساد کی لیش دے کر آئے ہیں اور اب کل کسی وقت دوبارہ آئیں گے:- ابھی بات ہے، لیکن میری کیش دیتے جاؤ، درستہ میں اسے اللاح نہیں دوں گی۔“ عورت نے کہا۔

”اور تمہاری کیش کتنی ہے:- انپکڑ جشید مکرا ہے۔“

”صرف ایک سورپے۔“

انہیں نے سورپے کا نوٹ نکال کر اسے دیا اور والپس اٹے۔ راستے میں انہوں نے اپنے چند ماتحتوں کو فون کیا کہ... وہ جوٹا کے گھر کی چوبیں گھنٹے نگران کریں اور جو نہیں وہ والپس آئے انہیں اللاح دی جائے۔

آدمی کی تلاش میں دو آدمی پھر رہے ہیں۔

”تو کیا آپ نے انہیں جوٹا کا پتا دے دیا۔“

”تو پھر اب مرٹ خوان کو اعلان کیوں دے رہے ہیں تا اس

نے اغتراف کرنے والے لجھے میں کہا۔“

”تم ان بالوں کو نہیں شمحتے جانی۔ جاؤ، پسے ان کی نیک کرو۔“

جانی فوراً کمرے سے نکل کر باہر کی طرف چل پڑا، وہ دونوں لے

ہوٹل سے نکلتے نظر آئے، پھر اس نے انہیں ایک کار میں بیٹھے دیکھ دی۔

”دھ بھی فوراً ایک کار کی طرف بڑھا۔“



جوٹا کا گھر ساحل سمندر کے کنارے تھا۔ جب وہ اس کے قریب پہنچے تو انپکڑ کامران مرزا نے سرگوشی میں کہا: ”یا خیال ہے، ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔“

"معلوم ہوتا ہے، یہاں سب لوگ کمیش پر ہی گزارا کرنا ہنس پڑے اور پھر انپکٹر جیشد نے کہا: یہیں نہ انپکٹر کامران مرزا بولے۔ اگر تم لوگوں کو چھٹی مل ہی گئی ہے تو پھر یہاں یہ طے ہو۔

"ہو ٹل جاتا رہ ادران اطراف میں آنے کا مجھے بھی پہلی مرتباً نے سے کیا خادم، آڈ چلیں۔" اتفاق ہوا ہے، اس ایجاد والے معاملے سے بنت یہیں پھر اس اور وہ سب گھر کی طرف روانہ ہوئے، داہبی کے یہے انہوں ہو ٹل کو بھی دیکھیں گے۔ انپکٹر جیشد کا گھر چنا تھا۔ یہیں بھی آفتاب اور آصف انہی ہسپتال پہنچے تو محمود، فاروق، فرزاز، آفتاب اور آصف فرگھر جانے کے خواہش نہ رہتے۔ راتے میں بھی ان کی بوک چمک رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی فاروق نے کہا: "اک بستور جباری ہری:

"ابا جان! میں نے کہا تھا نا یہ بات لکھو میں کر ہم ہسپتال میں۔ ابا جان! انکل کا کچھ پتا چلا۔" ایک ہفتہ اک نہیں رہ سکیں گے۔

"ہاں! تم نے کہا تو ضرر تھا اور میں نے لکھنے کا وعدہ بھی کیا۔ بت جلد ان تک پہنچ جائیں گے۔" تھا، لیکن انہوں ابھی تک موقع نہیں مل سکا۔ انہوں نے کہا۔ "وہ شائستہ اور صدیق احمد کے گھر کے افراد کو بھی ساختہ ہی تھا۔

"پہلے خیر کوئی بات نہیں۔ فاکٹر صاحبان آئے جتے اور تم لے آئے جتے۔ صدیق احمد اور جبار بھی ہسپتال میں موجود تھے۔

ان سے اجازت لے لی ہے۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ارسے! بھلاکس طرح اجازت لے لی۔ انپکٹر کامران مرزا کے بیٹے کی حیرت تھی۔

"میں نے ان سے کہا تھا کہ ہسپتال کے کسی آدمی سے ہم میں سے کشتی کر کے دیجھیں، اگر ہم جیت جائیں تو جیٹی دے دیں ورنہ ہم ہمیں رہیں گے، فاکٹر صاحبان پہلے تو ہمیں گھوڑتے ہے اور پھر اجازت دے دی۔"

"اور وہ ذرا سا سراغ کی ہے؟ فرزانہ نے پوچھا۔

"ہمیں اس ایجاد کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے، وہ انتہائی فخرناک ایجاد ہے، اس کے ذریعے کسی بھی علاقے کی آسیجن کو

بلکہ ختم کیا جاسکتا ہے اور اس جگہ کے تمام جاندار آنما فانہ میں ہلاک ہو سکتے ہیں، انہوں نے ایجاد پر قبضہ کرتے ہی اپنے ایک اینٹ پر تحریر بھی کر دیا ہے اور وہ ہلاک ہو چکا ہے۔

"اوہ! ان میں سے کسی کے منہ سے نکلا۔"

"اب ہم ان بوگوں کا ٹھکانا معلوم کرنے کی دھن میں ہیں بند نے آگے بڑھ کر یہ سور اٹھایا تو اکرم کی آواز سنائی دی۔
بب سے زیادہ فکر ہمیں پردفیر داؤد کی ہے، ایک بارہ میل سر اتازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ اس وقت تک شہر
ہم تک پہنچ جائیں، اس کے بعد ہم ان بوگوں سے بنتیں ہیں، ماچھ آدمی ایکجتنہ ملنے کی وجہ سے مر جپے ہیں۔ ان چھ کے پچھے
لیکن ابا جان، ایجاد ان کے قبضے میں چلے جانے کا مطلب، اُنھی منی گیزوں کے پارسل ملے رہتے اور ان پارسلوں کے ساتھ
یہ ہے کہ ہمارے پورے ملک کی آبادی ان کی مشتعلی میں ہے... لیکن شاید آپ کے لیے یہ خبر زیادہ اہم ہو
فرزانہ نے سفید پرستی ہوئے کہا۔
لہجہ ابھی تھوڑی دیر پہنچے گھر واپس آگیا ہے۔

"ہاں! میں بھجو گیا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو، لیکن ملک کی سلامی
کے لیے پردفیر داؤد کا وجود بھی بہت ضروری ہے۔ اپنکرہ بھینڈے
درالصل فرزانہ کا مطلب یہ ہتا کہ ایک شخص کی زندگی کے لیے
پورے ملک کو کس طرح خطرے میں ڈالا جا سکتا ہے، اگرچہ خود کے
بھی پردفیر داؤد سے بے تحاشا پیار تھا، لیکن ایجاد کا معاملہ آن
خطرناک تھا کہ اگر خود اپنکرہ بھینڈ دشمنوں کی قید میں ہوتے تو بس
بھی فرزانہ کا یہی خیال ہوتا۔

"فرعن کیا، ہمیں ان کا ٹھکانا نہیں ملتا، اس صورت میں کیا ہوگا
انکل؟ آصف کے لئے میں قدمے مایوسی تھی۔

"ہر مجرم اپنے جرم کا کوئی نشان ضرور جھوڑ جاتا ہے، ہمیں اللہ پر
بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اپنکرہ کامران مرا زانے کہا۔
شائستہ کی پریشانی ان سے دیکھی نہیں جا رہی تھی، اسی کے
سب سنبھالے رہتے، لگھ پہنچے تو فون کی گھسنٹی نج رہی تھی۔ اپنکرہ

دھول کا جزیرہ

انہوں نے شاہست کو بیگم جمیش کے حوالے یا اور خود ساہل بنند کی طرف جانے کے لیے کھڑتے ہو گئے۔ اسی وقت صدیق احمد نے کہا:

”میرا خیال ہے، اب ہمیں اپنے گھر پلے جانا چاہیے، اب ہمارے کوئی خطرے کی بات نہیں رہی۔“
خطرے کی بات بے شک نہیں رہی۔ تماہم اگر آپ یہاں پہنچ کریں تو بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ انپر جمیش نے با اخلاق مجھے میں کہا۔

”بھی نہیں، اب ہمیں اجازت ہی دیجیے۔“

”اچھی بات ہے، آپ لوگوں کو مجرموں کی وجہ سے جو پریشانی اٹھانا پڑی، اس کے لیے میں بہت شرمذہ ہوں۔ انپر جمیش نے جواب میں کہا۔

”اس میں بخلاف آپ کا کی قصور۔“

ان کے رخصت ہونے کے بعد وہ گھر سے باہر نکلے۔

لاب الجھن یہ پیش آئی کہ کون کون کس کار میں روانہ ہو۔

کے پاس ہوقت دو کاریں اور ایک جیپ تھیں:

میں تو یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ فی الحال صرف میں اور کامران مزرا بنا سے دو دو بائیں کر آئیں، یا خاموشی سے اس کا تعاقب کر کے بعد، شاید اس طرح ہم دشمنوں کے ٹھکانے تک پہنچ جائیں۔

انپر جمیش نے تجویز پیش کی۔

”اصل! ہم کیا یہاں بینٹھ کر مکھیاں ماریں گے۔“ آفتاب نے رونی صورت بنانے کر کہا۔

”مجھے افسوس ہے، تم یہاں مکھیاں بھی نہیں مار سکو گے، کیونکہ

ہمارے گھر میں ہیں ہی نہیں۔“ فاروق نے سنجیدہ مجھے میں کہا۔

”فکر نہ کر د، ادھر ادھر کی مکھیوں کو تمہارے گھر آنے کی دعوت

دے دوں گا۔“ آفتاب نے فروٹ جواب دیا۔

”پھر تو تم مکھیوں کے پرانے اور تجویز کا شکاری ہو۔“ فاروق

سکرایا۔

”مکھیوں کا شکار.... یاد یہ تو میں نے بھی پہلی مرتبہ نہیں کیا۔“

”لائک شکار کیتیے عمر گزر گئی۔“ منور علی خان حیرت زدہ مجھے میں بولے۔

”لاحل ولاقوة.... آخر ان دونوں نے شروع کر ہی دیں اپنی

بائیں۔“ آصف نے بہت ہی برا منہ بنایا۔

”بھی تم بھی شروع کر دو، تمہیں کس نے روکا ہے۔“ محمود

نے شکفتہ بیچے میں کہا۔

"ابھی میرا دماغ نہیں چلا۔ آصف بولا۔"

"جب چل جائے تو شروع کر دینا، ہم کوئی اعتراض نہیں کرے گے۔ فاروق نے ترڑ سے جواب دیا۔"

"بھی آصف! تم ان دونوں سے اگر ہی رہو۔ ہم ان کی طاری کا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔ محمود مکرا یا۔"

"ارسے ہاں! وہ اس بار فرحت آپ لوگوں کے ساتھ نظر نہیں آ رہی۔ ان پکڑ جمیش چنگ کر بولے۔"

"وہ ہوشیں بخی، یہ چکر اچانک خروع ہوا، اور اتنی حملت ہی نہیں ملی کہ اسے بھی ساتھ لاسکتے۔ جب اسے معلوم ہو گا تو خوب ہی گزرے گی۔ ان پکڑ کامران مرزا نے کہا۔"

"آخر یہ فیصلہ کس طرح ہو کہ کون کون کس کاڑی میں جائیں گے؟ ان پکڑ جمیش تنگ آکر بولے۔"

"ابا جان! یہ بہت آسان ہے۔ فرزانہ جلدی سے بولی۔"

"تو بتاؤ نا۔ کس طرح آسان ہے؟"

"دیکھیے تا! ہم کل نو افراد میں، پسرگاری کے حصے میں میں آتے یہں، سب سے پہلے آپ ہی اپنے دوسرا حصہ منتخب کر دیجیے۔"

"بات تو صحیح ہے، ایک بار پھر یہ بات ثابت ہو گئی کہ تم تم کبیں ضوچنے میں بہت یقین ہو، ان پکڑ جمیش خوش ہو کر بلے۔"

"جی ہاں! ٹلوار جتنی تیز تو ہے ہی۔"

"میں کامران مرزا، منور علی خان اور خان رحمان کے ساتھ جانا ہے کروں گا۔"

"لیکن اس طرح تو آپ چار ہو گئے۔"

"تو کیا ہوا، ایک کار میں چار آدمی مزے سے آسکتے ہیں اور دوسری میں تم پانچوں آسکتے ہو۔ پھر جیپ کیوں ساتھے پال جائے، دونوں کاروں سے کام چل جائے۔"

"بھی داہ! یہ تو اور بھی آسان کام ہو گیا، ورنہ آفتاب اور فاروق رُرد کر مر جاتے کہ کون کس کے ساتھ جائے گا۔ فرزانہ کے کہا۔"

"لیکن ہمارا لڑکر مر جانے کا بالکل کوئی پروگرام نہیں تھا، کیوں آفتاب؟ فاروق نے کہا۔"

"ہاں! ابھی تک تو ایسا کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا۔ بعد میں بن جاتا تو میں کہ نہیں سکتا۔ آفتاب نے انتہائی سجدگی سے کہا۔"

"تو ہر ہے تم لوگوں سے۔ منور علی خان نے جدل کر کہا۔"

"بھی ان لوگوں کو آپ میں رکنے اور چکر لئے دیں، آئیے ہم پہلے ہیں۔ ان پکڑ کامران مرزا نے کہا اور پروفیسر داؤڈ کی کار میں با بیٹھے۔ انہیں بیٹھتے دیکھ کر یہ پانچوں جلدی خان رحمان کی کار میں بیٹھ گئے، محمود نے ڈرائیور نگ سیٹ سنبھال لی۔"

”ابھی تک اس کیس میں صرف جیتال سلمتے آیا ہے، بکا اسکے نے جل کر کھا۔

بار کالی آنکھ سے ملاقات نہیں ہوگی ۔ فرزانہ نے سڑک پر لنظر کیا۔ جتنے بھنٹے کی ضرورت نہیں، ٹھنڈے دل و دماغ سے کام جھائے ہوئے کھا۔

”اگر اسے ایجاد کی سن گن لگی ہوگی تو وہ بھی صزدرا آئے ۔ اب اس گرمی کے موسم میں دل اور دماغ کو ٹھنڈا کیسے رکھوں؟
گاڑِ محمود بولنا۔

”میرا خیال ہے، آصف یہ کہنا چاہتا ہے کہ اس سے یہ
ظاہر ہے کہ انہوں نے بہت عرصہ پتھے یہاں کہیں اپنا ہیئت کوارٹر
بنایا تھا اور اب وہ لوگ اس ہیئت کوارٹر میں ہیں ۔ فرزانہ نے
ان کی بحث کو ختم کرنے کے لیے جلدی سے کھا۔

”بہت خوب! فرزانہ تم واقعی ذہین ہو، کم از کم آفتاب
سے آصف نے اس کی تعریف کی۔

”اگر یا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ فرزانہ آفتاب کے علاوہ اور
کس سے ذہن نہیں ۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

”میں نے یہ نہیں کہا، تم خود ہی یہ سلطب نکال بیٹھے ہو۔

آصف جلدی سے بولا۔
”ختمن کرو، میں خود کو کسی سے بھی عقل مند نہیں سمجھتی ۔
فرزانہ نے چڑا سامنہ بنایا۔

”تو پھر جگا سامنے کیوں بنارہی ہوتے محمود ہنسا۔
”اس لیے کہ ہم نے بے کار کی بحث ضرور کر دی ہے۔

جیتال کے اس طرح اچانک پروفیسر افلک جاہ تک پہنچ جانے
کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ بہت دنوں سے ان کی نظر میں تھا،
دوسری طرف اس نے یہ بھی بالکل صحیح اندازہ لگایا کہ پروفیسر
افلک جاہ نے خط پروفیسر داؤڈ کو لکھ ہو گا، پھر وہ فوراً ہاکی
یہاں پہنچ گیا، جوہنی ایجاد اور وہ خط اس کے ہاتھ لے گئے، وہ فرار
ہونے میں بھی کامیاب ہو گیا۔ نہ صرف فرار ہو گیا، بلکہ پروفیسر
انکل کو بھی سامنے لے گیا، اور اس کے صرف یعنی دن بعد
شعبان جمالی اس ایجاد کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا، اس سے آنہ
کی ظاہر ہوتا ہے ۔ آصف پر خیال انداز میں کہتا چلا گیا۔

”اک سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایجاد کو اڑانے کی
تیاریاں بہت پتھے سے مکمل کر چکے ہیں ۔ آفتاب نے جواب دیا۔
”تمہارا اندازہ کسی قدر درست ہے، لیکن اس سے کچھ اور
بھی ظاہر ہے ۔ آصف نے پر اصرار لیجے میں کہا۔

”کیا ظاہر ہے، تم خود ہی کیوں نہیں بتا دیتے؟ آفتاب

ہمیں صرف کام کی بات کرنی چاہیے اور کام کی بات یہ ہے کہ تمہارا یا کھولاوڈ میں آنے والا نہیں۔ کاہی سیدہ کوارٹر کماں ہے تے

"یہ بستانا کیا مشکل ہے، میں چکھے سکاتے ہوں تھے۔ ووسرے سے جسی فاروق کو دیکھنے لگے۔

بنا سکتا ہوں کہ ان کا ہیئت کوارٹر کماں ہے۔ فاروق نے سونگ میں اپنے یہے نئے نئے لفظ تراش یا کرتا ہوں۔ بچے میں کماں۔

"چنگی بجانے اور پلک جسکنے کے علاوہ تمہارے ذہن میں اور کوئی نفظ نہیں آیا۔ آنکھ نے جل کر کہا۔

نہایت موزوں ہے۔

دھت تیرے کی ۔ محمود نے تھلا کر ہاتھ ران پر مارا اور ایسا رہ کے پے اسے سیڑنگ پر سے ہاتھ اٹھانا پڑا، نتیجہ یہ ہوا کہ کار دلکش نے ملکی -

دکھا کے ملی۔
یہ بان پر ہاتھ مارنا آنا ضروری تو ہنیں کہ تم ہماری زندگیوں کو
داو سریکا دوئے فرزاد نے منہ بنایا کہا۔

دعا پر لکھ دو۔ سردار سے سب کو
”بہت دیر بعد تمہاری آواز سنائی دی۔“ محمود کے لئے میں
جیت رکھتی۔

”میں فضول باقتوں میں کم ہی حصہ یا کرتی ہوں۔“

۔ میں تو ناوقعِ اتم یہ کہہ رہے تھے کہ پیک جسکتے ہی یہ بنا
مکنے سو کر دشمنوں کا ہیڈ کوارٹر کیا ہے۔ تو کیا تم ابھی

"ہاں : آئے محتے کچھ اور بھی میں نے اس خیال سے ادا
ہنس کیے کہ کہیں جل بھن کر تمہارا رنگ سیاہ نہ ہو جائے ، پہلے بیٹا
سانو لا ہے : فاروق مسکرایا۔

"یہ اطلاع میرے یہے باصل نہیں ہے کہ میرا بنگ سالوں سے
بھر تو تمیں میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ ایک نئی اطلاع
تمیں دی۔ فاروق نے منکرا کر کہا۔

اور یہ مجھے آج ہی معلوم ہوا کہ تم شکریے کے اتنے بھوکا
و۔ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"معلم مختار سے تعلیم کے لئے دیا ہے تم نے اسے جواب رکھ دیا۔" ویسی گڑ آفتاب! یہ دیا ہے تم نے اسے جواب رکھ دیا۔

سونم ہونا ہے عم سب میرے خلاف محاذ کھو لئے کا ارادہ کر
ہو ایکن محاذ کھو لئے سے پہلے کان کھوں کر یہ سن بُر کر میں دیا

تک پک نہیں جپک کے اور نہ چلکی بجا کئے۔ محمود نے اپنے چکی میں فرزانہ نے بھی اتنا ہٹ سے بھر لور آواز میں کہا۔
یاد دلایا۔

ابھی تک فرصت ہی کہاں ملی ہے، خیر میں پک جلکی اپنا رکھا ہے اور یہ قلعے ایک جزیرے پر واقع ہے، اس
چلکی بجا سے بغیر بتائے دیتا ہوں، ہاں تو بات دراصل یہ ہے کہ چاروں طرف ایک مانگ دالے شتر مرغ پھر دے
سے.....

ویکھو بھائی، میرا مذاق اڑانے کی گوشش مت کرد۔ آفتاب نظر... بالکل غلط... ایک مانگ دالے شتر مرغ ہوتے ہی
نے بوکھلا کر کہا۔

نیا مطلب! میرے چلنے سے مذاق کا پہلو یکے نکلتا ہے:
تم نے ایک مانگ دالے بگلے نہیں دیکھے کبھی۔
نہیں! کیونکہ مانگیں ان کی دو ہی ہوتی ہیں، ہاں وہ ایک
ایسے کہ بات دراصل یہ ہے، ان کا مخصوص جلد ہے: ان
کا پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اوہ ہو بھے معلوم نہیں تھا، بھئی بھے معاف کر دو، میں نہیں
تمہارا جملہ جوں کا توں واپس دیتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں، کہ
کبھی تم سے چھیننے کی گوشش نہیں کر دیں گا۔ فاروق نے شرمند
انداز میں کہا۔

شکریہ دوست! درہ میں تو دعویٰ کرنے کے بارے میں سہرا
رہا تھا: آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

بھئی فاروق؛ اب بتا بھی دو کہ دشمنوں کا ہیئت کوارٹر کہا ہے
محمود نے تینگ آ کر کہا۔

ہاں بھئی اب بتا ہی دو، کیونکہ یہ آپس کی باقی اب کان

طرح ہو سکتی ہے ذفرزادہ کے منہ سے نکلا۔

"بھنی تھیم کر دی گئی ہے:-"

"اور ان شتر مرنوں کی جائیں اس جن میں ہیں۔ آفتاب نے

فاروق کو گھورا۔

"ہاں؟ میں نے یہی کہا ہے۔ فاروق نے کہا۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ محمود نے جھلکا کر کہا۔

"اگر میرا دماغ چل گیا تو تم بتا دو، دشمنوں کا ہیئت کو اڑ لہاں سے۔

اس نے معصومیت سے کہا۔

"ختم کرو، اوہر دیکھو، ابا جان نے کار روک دی ہے، بلا جان وقت صارع کیا۔" فرزاد نے من بنایا کہا۔

"لیکن کار میں تم وقت کو آباد کس طرح کر سکتی تھیں۔" فاروق نے بھی من بنایا۔

"ہاں واقعی، تمہارے ہوتے ہوئے تو کہیں بھی وقت کار آمد نہیں ہو سکتا۔ آفتاب نے چوت کی۔

"ٹھیک سمجھے! تو پھر مجھے پر بگڑا، برسا، بھٹایا اور جھنگلایا کیک جا رہا ہے۔" فاروق تڑپ سے بولا۔

"معلوم ہوتا ہے، ابھی ابھی پوری ڈکشنری ہضم کر کے آرہے ہو، آفتاب بولا، اور آصف ہنس پڑا۔

اسی وقت محمود نے بریک لگائے۔ وہ الگی کار کے بالکل پیچے

لے لے چکے۔ انہوں نے دیکھا، وہ ساصل سمندر پر رکھتے اور ایک
تیز چلتا ان کی طرف آ رہا تھا۔

فاروق کو گھورا۔

"ہاں؟ میں نے یہی کہا ہے۔ فاروق نے کہا۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ محمود نے جھلکا کر کہا۔

"اگر میرا دماغ چل گیا تو تم بتا دو، دشمنوں کا ہیئت کو اڑ لہاں سے۔

اس نے معصومیت سے کہا۔

"ختم کرو، اوہر دیکھو، ابا جان نے کار روک دی ہے، بلا جان وقت صارع کیا۔" فرزاد نے من بنایا کہا۔

"لیکن کار میں تم وقت کو آباد کس طرح کر سکتی تھیں۔" فاروق نے

بھی من بنایا۔

"ہاں واقعی، تمہارے ہوتے ہوئے تو کہیں بھی وقت کار آمد نہیں

ہو سکتا۔ آفتاب نے چوت کی۔

"ٹھیک سمجھے! تو پھر مجھے پر بگڑا، برسا، بھٹایا اور جھنگلایا کیک

جا رہا ہے۔" فاروق تڑپ سے بولا۔

"معلوم ہوتا ہے، ابھی ابھی پوری ڈکشنری ہضم کر کے آرہے ہو، آفتاب بولا، اور آصف ہنس پڑا۔

بڑھ رہا ہے۔

فوراً ہی ان کا رخ اس سمت میں ہو گی۔
یہ معاملہ تو سمندری سفر تک آپ بخاتر۔

”میں نے تو پہلے ہی کہ دیا تھا کہ دشمنوں کا سید کوارٹر ایک اس سلے میں ہیں کسی ماہر کی خدمات حاصل کرنا ہوں گی۔
جنزیر سے پہلے ہے تا فاروق نے جلدی سے کہا۔
دشمنوں کا بیسہ کوارٹر؟ انپکٹر جیشہ نے سوا یہ لمحے میں کہا۔ اور اب یہ۔

اگر پہلے انہوں نے اپنے خیالات انہیں بتا دیے، دونوں ہیں ”بلو اکرام، ہم سمندر میں آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں،
دل ڈوب گئے۔ پھر انپکٹر کامران مرزا بولے۔

”بات تو صحیح ہے۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلا راج واقع ہے، تم فوراً ایسے آدمی کا بندوبست کرو، ضرورت
بہت پہلے سے تیاری مکمل کر دیجی تھی۔“
”ابا جان؟ کیا آپ کو سمندری حدود کے بارے میں علم ہے؟“
فرزاد نے نیا سوال کیا۔

”سمندری حدودو... تم کیا کہا چاہتی ہو؟“ انہوں نے الجھائے
انداز میں پوچھا۔

”بھی بہترًا آپ فکر نہ کریں، میں اسی وقت آئی جی صاحب کو
لند کرتا ہوں۔“ اکرام نے کہا۔

تو پہلے میں آگے جاتے والی لاپچ نظر آگئی، یہ ایک
پانکہ انہیں آگے جاتے والی لاپچ نظر آگئی، یہ ایک
بُرل لاپچ تھی۔ انہیں رفتار کم کرنا پڑتا۔ اب مناسب فاسدے
سے تعاقب ہونے لگا۔ سمندری چھاؤں کی وجہ سے اگلی لاپچ میں
سفر کرنے والوں کو تعاقب کا شہب بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ صحیح
اگر تھیں خوف محسوس ہو رہا ہے تو لاپچ سے چلانگ
لگا دو اور تیر کر داپن چلی چاہو۔ فاروق بولار

بیون گھنٹے بعد ایک لاپچ تیزی سے ان کی طرف آتی نظر
لاپچ وہ اس طرح دیکھنے میں کامیاب ہوئے کہ سب
ساحل کی طرف متوج تھے۔ انہوں نے رفقار اور کم کریں
ان کے بالکل ساتھ آ گئی اور پھر اس پر سے ایک با
آدمی چھلانگ لگا کر ان کی لاپچ پر آگیا۔ دوسری لاپچ
ساحل کی طرف چل گئی :

مجھے نصیر اختر کہتے ہیں :

انہوں نے بھی اپنا تعارف کرایا اور پھر بتایا کہ وہ اس
کیا جاہستے ہیں۔ نصیر اختر باعث میں وور بین لے کر کھڑا ہو گیا
پاروں طرف دیکھنے کے بعد بولا۔

"هم اپنے ملک کی حدود سے تو نکل آئے ہیں۔ اب نہ
سندھ ہو گیا ہے، یہاں بے شمار جزیرے ہیں جو غیر آباد ہیں
جزیرے کسی کی بھی ملکیت نہیں ہیں۔"

بہت خوب باب دیکھنا یہ ہے کہ اگلی لاپچ کمال کرتے
یہ تعاقب مزید ایک گھنٹے تک جاری رہا اور پھر اگلی دفعہ
ایک جزیرے کے ساحل پر رکتی نظر آئی۔ اس وقت نصیر اختر
خوت زدہ بجھے میں کہا:

"یہ علاقہ ہمارے دشمن ملک کا ہے اور یہ جزیرہ بہت ذلیل
ہے۔"

○
انہوں کا سما جوا اندازہ چونکا گیا۔ وہ سب اس کی طرف
ان کے بالکل ساتھ آ گئی اور پھر اس پر سے ایک با
آدمی چھلانگ لگا کر ان کی لاپچ پر آگیا۔ دوسری لاپچ
خونکا سے کی مراد ہے آپ کی
یہ.... یہ روحوں کا جزیرہ ہے.... پھلی جنگ غطیم میں، اس
لایے میں تقریباً آٹھ سو آدمیوں نے پناہ لی تھی.... لیکن ان
کو سو کے آٹھ سو آدمیوں کو بسواری کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ ان
کیا جاہستے ہیں۔ نصیر اختر باعث میں وور بین لے کر کھڑا ہو گیا
کاشیں مذتوں اس جزیرے میں پڑی سڑقی رہیں، جنگ کے بعد
کی کسی نے اس جزیرے میں آئے کی گوشش نہیں کی۔... اس پاس
کے لئے دالے جہازوں نے البتہ اس میں سے بھیب و غریب
کے لئے دالے جہازوں نے کہ ان آٹھ سو
آہازیں بلند ہوتی صورتی ہیں، عدم خیال یہ ہے کہ ان آٹھ سو
آدمیوں کی رو جس اس جزیرے میں اب تک چیختی چلاتی ہیں، شاید
اس لیے کہ ان کے جسموں کو دن بنیں نہیں کیا۔ نصیر اختر کے لئے کی
کلپاہٹ انہوں نے صاف محسوس کی۔
اہم ایسی چیزوں پر یقین نہیں رکھتے، ہاں ہمارے لیے اہم ضرور
ہے کہ یہ جزیرہ دشمن ملک کی سمندری حدود میں ہے، لیکن ہے تو
بزرگ آباد۔ انسپکٹر جمیش ہوئے۔
بھی ہاں! یہ بالکل غیر آباد ہے، کسی نے آج اس پر آباد ہونے

کی جوش نہیں کہے ۔

بہت خوب ! ہم اس پر ضرور اتریں گے، آخر جھوٹا بھی تو جزیرہ نما پس تو آپ جانہیں سکتے، ورنہ پھر ہم شکس طرح واپس جائیں گے۔

”آپ کی مرصنی ! لیکن مجھے واپس جانے کی اجازت دے دیجئے چکا ہے ؟ نصیر اختر ڈرے ڈرے انہاڑے میں بولا، شاید وہ اس

میں اس جزیرے سے پر قدم نہیں رکھوں گا، دوسرے یہ کہ میں آپ جھٹہ نہ چاہتا تھا۔

کو باخبر کر دوں، اگر دشمن ملک کو خبر ہو گئی کہ آپ وہیں کیونکہ ہمارے ساتھ جزیرے پر ہے ؟ یہ کسی طرح تھا نہیں، کیونکہ ہمارے ساتھ جزیرے پر ہے ؟ جزیرے پر اترے ہیں تو وہ فوری طور پر آپ کو گرفتار کرنے کے لیے آسکتے ہیں..... نزدیک ہی ایک جزیرے سے کسی قدر فاصلے پر اچھا خیر ! میں سمندر میں اس جزیرے سے کسی فحاشت پر نہیں کھانا کھاؤں گا، آپ جب بھی لائچ کی ضرورت محسوس کریں، ایک فناڑ اکر دیں۔ آپ اختر نصیر اختر نے انگلی بات مانتے ہوئے کہا۔

”ایک بھائیک ہے ۔ جھوٹا کو جزیرے پر اترے کافی دیر ہو چکی تھی، ملدا اس لیے اس میں بے شمار خوفناک درندے اور زہر لیے کیڑے پانے والے کا اسکان ہے، مجھے ایسے جزیرہ دن کا تجربہ ہے جو ایک زمانے سے غیر آباد چلے آ رہے ہوں ۔

”اوہ ہو، تو یہ بات بھی ہے ۔ منور علی خان بھی چونکہ کیدھی سے ہو گئے۔

”یہ جزیرہ تو میلوں میں پھیلا ہوا ہے ۔ آصف کے منہ سے نکلا۔ میں ! ایسا ہی نظر آتا ہے، لیکن جھوٹا دور دور تک نظر نہیں آ رہتا، آخر دہ کس طرف نکلی گی ۔ محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

”دوسرے یہ کہ جزیرہ چونکہ مدتوں سے غیر آباد پڑا ہے، اس لیے اس میں بے شمار خوفناک درندے اور زہر لیے کیڑے پانے والے کا اسکان ہے، مجھے ایسے جزیرہ دن کا تجربہ ہے جو ایک زمانے سے غیر آباد چلے آ رہے ہوں ۔

”اوہ ہو، تو یہ بات بھی ہے ۔ منور علی خان بھی چونکہ کیدھی سے ہو گئے۔

”اب تو ہم اس جزیرے پر ضرور اتریں گے، کیونکہ دونوں انگلا کی پیچپی کا سامان نکل آیا ہے ۔ فرزانہ ہنس کر بولی۔

” فکر نہ کرو، ہم اسے تلاش کریں گے ۔“

راستے میں انہیں جگر جگر انسانی بڈیاں بھری میں جس سے
فسیر احمد کی بات درست ثابت ہوتی رہتی ۔ ابھی وہ ساحل سے
زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے کہ انہوں نے لاپچ کے انہن کی تیز
آواز سنی۔ مرہ کر دیجنا تو عجیب منظر تھا۔ فسیر اختر نے ایک زینز
کے سامنے جوٹا کی لاپچ کو اپنی لاپچ کے سامنے باندھ لیا تھا ۔
دونوں لاپچوں کے ڈرائیور ہاتھ سر سے اور پہ اٹھا کے اپنی اپنی

لاپچ پر کھڑے رہتے اور فسیر اختر کے ہاتھ میں ایک بھاری پستول
نفل آ رہا تھا اور دونوں لاپچیں ساحل سے اب دور ہو رہی تھیں۔

پلاکر بدلے :
” میرا فسیر اختر ! یہ کیا ہے ؟ ”
” میرا نام فسیر اختر نہیں، اس کی جگہ یعنی میں مجھے صرف چند مشکل لگے
تھے۔ اب رہا سوال کر میں کون ہوں ۔ تمہارے لیے یہ جانتا اس سے
زیادہ ضروری ہے کہ میں کیا کرنے والا ہوں ، سنو یہ دونوں ڈرائیور اس
وقت میرے نشانے کی زد میں ہیں ، جوٹا کو چارے کے طور پر استعمال
کیا گی ہے تاکہ تم لوگوں کو گھیر کھار کر بیان مک لایا جا سکے ، جو نہیں میں
بیان سے روشن ہوں گا ، دشمن مک کے ذریعہ اس جزیرے کو گھیر میں
لے گی ، اس دوران انہر تمہارے مک سے کسی طرح مدد آگئی تو جنگ
لا خطرہ ہوں لینا پڑے گا ، یوں تمہارے مک سے فوجی امداد آنے
کا کوئی امکان نہیں ، لیکن میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ تم کہاں ہو ،
اسی جزیرے کے چاروں طرف درخت کپھے اس طرح کے ہیں کہ اور پہ اڑنے
والے چہاروں سے اس کے اندر کا حال نہیں دیکھا جا سکتا ، درسے

پسٹول سکھر

میں نے یہ بھی بالکل تھیک کہا تھا کہ اس میں زہر ہیے کیونے اور درند سے بھی بے شمار ہیں، وہ تمہاری تواضع کے لیے تبدیل ہونے اگر تم ان سے کسی طرح بچ بھی لگئے تو ذوبی نہیں آ میں گے اور تم پر تمہارے دشمن ملک میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے کے جرم میں تو مقدمہ چلے گا، ہی، جاسوسی کرنے کا جرم بھی تم پر سختیا جائے گا، میں اس ایجاد سے دور رکھنے کا بس بھی ایک طریقہ تھا، باقی رہا۔

سوال کر دو، ایجاد پر وفیسر داؤڈ اور مسٹر جیتاں کہاں ہیں، تو تمہارے ذریعے بھی نہیں معلوم کر سکتے، اپنے ذہنوں کو جتنا بھی چاہے ادازیں دے، تم یہ نہیں جان سکو گے کہ وہ کہاں ہیں، اگر میں بتا بھی دوں تو بھی تمہارے دہاں پہنچنے کا کوئی امکان نہیں، میں اتنی خوبصورتی سے پہنچاں گیا ہے کہ ذرا بھی شک نہیں ہونے دیا گیا، اور یہ مسٹر جیتاں کا کمال ہے، یہ انہی کا منصوبہ تھا، شروع سے لے کر اس وقت تک ان کا ذہن کام کر رہا ہے، تم لوگ تو جانتے ہی ہو، انہوں نے تنہا ملاشا کا تختہ المٹ دیا تھا، اور اس دن سے انہیں ملاشا کا زلزلہ کہا جانا ہے، وہ باختوں پیرول سے کم اور اپنے ذہن سے زیادہ کام لیتے ہیں۔

” یہ کہتے ہوئے وہ ڈرائیور دی کی طرف مردا، لیکن ابھی ان سے کچھ کہ نہیں پایا تھا کہ فاروق نے چلا کر کہا۔ ” اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے پنج نکلنے کا کوئی امکان نہیں، تو پھر

” یہ کیوں نہیں بتا دیتے کہ تم کون ہو، تمہارا نام کیا ہے اور یہ کہ تم نے سڑ نصیر اختر کی جگہ کس طرح لی؟ ”

” یہ بھی مسٹر جیتاں کی ذہنی کارکردگی ہے، وہ پہلے ہی جانتے تھے کہ تم لوگوں کو سمندروی راستوں کے کسی ماہر کی ضرورت پڑے گی، اس سلسلے میں تمہارے ہاں ایک ہی ماہر آدمی ہے، یعنی نصیر اختر، چنانچہ انہیں نے مجھے اس کے گھر جا کر اس کی جگہ لینے کا حکم دیا، تاکہ جو نی فوج کے چیف کا حکم لے، میں اس گھر سے روانہ ہوں، اس طرح کسی کوشک ہونے کا خطرہ نہیں تھا، چنانچہ نصیر اختر کی جگہ لینا کچھ شکل ثابت نہ ہوا۔ ”

” اور تمہارا نام کیا ہے۔ ”

” میں مسٹر جیتاں کا استٹنٹ ہوں، جن دنوں وہ مشرق حصے میں پر فیسر افلاک جاہ کے چکر میں تھے، میں ادھر کے حالات کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”

” یعنی ہیڈ کوارٹر کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ محمود نے کہا۔ ”

” ہیڈ کوارٹر... کیا مطلب ہے وہ چونکا۔ ”

” تمہارا وہ تھکانا جس میں اب وہ ایجاد اور پر و فیسر داؤڈ موجود ہیں... اور تمہارے مسٹر جیتاں بھی۔ فرزانہ نے جمل کر کہا۔ ”

” اچھا اچھا... تم نے اس جگہ کو ہمارے ہیڈ کوارٹر کا نام دے دیا، بہت خوب! یہ نام تو مجھے بھی بسند آیا، ہاں تمہارا خیال تھیک ”

سکلا، یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم سے جان

نکل گئی ہو۔ کرنے والوں کا انتظام یہی ہونا جائے۔

ملک اور قوم سے عدالتی درستہ نہیں کر سکتا ہے۔

بلاہر کامران مزرا نے نفترت سے ہوت سو رے
جمولی نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور پھر رت پر

توک کر بولا : میرا کوئی ملک نہیں، میں کسی قوم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا،

لے تو بس دوست ملنی چاہیے...
لیکن اس جزیرے سے پر دوست بھی تمہارے کام نہیں آئے گی۔
ہاں تم ٹھیک کتے ہو... تم ٹھیک کتے ہو، اب میں
کبھی واپس نہیں جا سکوں گا، اس جزیرے سے کبھی کوئی واپس نہیں

خا سکا نے اک عجت پیٹ ناک آواز سنی۔ وہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جزیرے کی طرف پڑتے ہی، وہ دم بخود رہ گئے۔ ہوناک

ہے، میں واقعی سید کو اپنے کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"تم نے این نام ابھی تک ہمیں تباہا۔"

” مجھے کرنل ہارڈی کہتے ہیں بس اپ باتیں ختم۔“

اس کے ساتھ ہی لانچیں تیز رفتاری کے ساتھ سال
سے دور ہونے لگیں۔ اب اگلی لانچ کو کرنل ہارڈی خود چلا رہا تھا۔ دوسری
ٹرین میں تیزی سے ساحل کی طرف ہاتھ پر چلا رہے تھے۔ اسی وقت انہوں
نے اپنے پچھے تیزی سے دوڑتے قدموں کی آوازیں سنیں، وہ چونکہ
پہنچ..... انہوں نے دیکھا، جھوٹا بدحوابی کے عالم میں جزیرے سے
ساحل کی طرف آ رہا تھا..... ساحل پر پہنچ کر اس نے ہانپتے ہوئے
چلا کر کہا :

" اے کرنل ہارڈی تم مجھے یہاں کیوں چھوڑے جا رہے ہو :
 لیکن کرنل ہارڈی کے سر پر بھلا کمان جوں رکھتی ، جھوٹا یہ دم
 ہو کہ ریت پر گر پڑا ، اور حسرت ندہ آنکھوں سے جاتی ہوئی لاپکن
 کی طرف دیکھنے لگا ، پھر وہ بڑھایا :

” دھو کے باز.... کیتے تم مشفقہ کی تھا کہ ان لوگوں کو جزیرہ پر الجھا کر جب ساحل پر والپیں آؤں گا تو لائچ تیار ہے گی اف خدا یا..... میری بیوی تو میرا انتظار کرتے کرتے سوکھ جائے گی اور اور اس سے یہی میں ” اس سے آگے وہ پھر

100

حد تک بڑا ایک اژدھا ان کی طرف بڑھ رہا تھا، اس کا منہ بھینہ بس دیکھتے جائیئے۔
کے منہ جتنا بڑا هزور رہا ہو گا، منہ سے نیچے بھی اس کی موجاں منور علی خان نے اپنی کمر سے لٹکا ہوا شکاری چاقو نکال یا
بھینہ کی گردن سے کم نہیں بھی، البتہ یہ موئیانی دم کی طرف کو اژدھے کی طرف بڑھتے۔ اژدھے نے انہیں اپنی طرف بڑھتے
ہوتی چلی گئی تھی، وہ کم از کم دس فٹ لمبا تھا، اس کی آگے پڑ کر اپنی دم لہراتی اور دوسرے ہی لمحے اس کا جسم منور علی خان
بڑھنے کی رفتار بے تحاشہ تھی، اس کے منہ سے نکلنے والی پھیلائی کمر سے پٹا گی، انہوں نے بچنے کی لاکھ گوشش کی، لیکن اس
وہ ہیئت ناک آواز تھی ہے سن کر وہ مرطے تھے۔ ان کی لگرفت سے پچ شکے، اب انہوں نے چاقو کے دار اس
انکھیں خوف سے پھیل گئیں، پھر ان کے ہاتھ خود بخود پستوں کے منہ پر اور جسم پر کیے۔ پھر ایک جگہ چاقو داخل کر کے اسے
کھینچتے ہیں خوف سے پھیل گئیں، پھر ان کے ہاتھ خود بخود پستوں کے منہ پر اور جسم پر کیے۔ دوسری طرف
کی طرف چلے گئے۔ سب ہے پسے اپکڑ جمیش اور اپکڑ کامران کھینچتے ہیں اور سخت ہوتے چلے گئے۔
مرزا نے اس پر فائز کیا۔ دونوں کی گویاں اس کے منہ پر
ال قسم کے بل ڈھیلا پڑنے کی بجائے اور سخت ہوتے چلے گئے
منور علی خان کے ہاتھ پیر مچوں گئے، انہیں یوں لگا جیسے ان کا
لگیں، لیکن اس کا آگے بڑھنا پھر بھی نہ رکا۔ اس کا منہ بڑی
طرح زخمی ہو گیا تھا۔ اس پر قیسا فائز خان رحمان نے کہا، جو
اس کے جسم کے درمیان میں لگا اور وہ یہستان کھانے لگا، یقین

چار پلٹیاں کھا کر وہ پھر ان کی طرف بڑھا، اب وہ بہت نزدیک آگئی تھا، اپنے جشید کو پھر فائز کرتے کے لیے پستول سیدھا کرتے دیکھ کر منور علی خان چلائے:

”اب فائز نہ کیجیے گا، اس کا زہر ہم پر آپڑے گا۔
”یہ رُکا کی جائے گا۔

"اس کا مقابلہ میں کروں گا۔" منور علی خان بولے۔
"کیسے؟ خان رحمان بولے۔"

کے بل خود بخود کھلتے چلے گئے۔
 منور علی خان بے دم ہو کر ریت پر گر پڑے۔ انہوں نے وہ سب اللہ کا نام لے کر آگے بڑھے۔ جا بجا انہیں عجیب
 آگے بڑھ کر دیکھا تو وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔ انہیں ہوش زیب کیڑے رینگتے نظر نہیں۔ کچھ درخشوں پر رنگ بننگے سائب بھی
 میں آنے میں پندہ منت لگ گئے۔ سب کے ذہنوں میں ایک ہالک رہے تھے۔ دونوں لانچوں کے
 خوفناک سوال گردش کر رہا تھا، اور پھر وہ سوال خان رحمان کے نزدیک ان کی مدد بھیر کسی دزد
 پر آہی گیا۔

”اب ہم کیا کریں، اس جزیرے سے کیسے نکلیں؟“
 ”ہمیں کسی جہاز کا انتظار کرنا ہو گا۔
 ”لیکن کرنل ہارڈی نے کہا تھا، دشمن ملک کی فوج ہمیں گھبڑا دیتے گی۔“

بعد لگا: ”فیر تو ہے رحمان؟“
 ”میرا خیال ہے، فوج ہمیں گھیرے میں لے رہی ہے۔“
 ”اوہ! کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ تعداد میں کتنی ہو گی؟“
 ”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خان رحمان کھوئے کھوئے انداز
 میں بولے۔“
 ”ہمارے پاس لے دے کے چار پستوں ہیں۔۔۔ ہم ان سے
 کب تک ان فوجیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟“ منور علی خان
 کے لمحے میں مایوسی تھی۔
 ”ابھی ہم نے یہ نہیں سوچا کہ مقابلہ کس طرح کیا جا سکتا۔“

”ہم ان کے ہاتھ نہیں لگیں گے، ان کے ہاتھ لگنے سے،
 کہیں بہتر ہے کہ ان سے لڑتے ہوئے مارے جائیں۔“ اپکڑ بیٹھ
 بوئے۔

”تو پھر کیوں نہ آگے چلا جائے، ہو سکتا ہے، ہم جزیرے
 میں آگے چل کر دشمنوں کے فوجیوں سے بہتر طور پر جنگ کر
 سکیں۔“ اپکڑ کامران مرا نے رائے دی۔

”ماں! یہ بیک رہے گا، اگرچہ اس طرح اور کیڑوں کا بھی سامنا کرنا پڑے۔“
 ”دیکھا جائے گا۔“

ہے، فی الحال ہمیں کوئی مورچہ سنبھال لینا چاہیے، اصل اہمیت اس کی ہمیں کہ ہمارے پاس کتنے پستول یا کتنے آدمی ہیں، بلکہ اہمیت ایک ایسے مورپے کی ہے جس سے ہم دشمن پر آسانی سے درخت کر سکیں گے ؎ خان رحمان نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا، پھر وہ ایک سمت میں تیرزی سے آگے بڑھنے لگے۔ اچانک ایک درخت سے ان پر کوئی چیز گری، انہوں نے جلدی سے اسے جھٹک دیا، منور علی خان پیچھے مار کر آگے بڑھے۔ سب نے دیکھا، وہ تیرزی سے خان رحمان نے جھٹکا لھتا، ایک بہت بڑی مکڑی لختی ہے، منور علی خان نے فوراً اس پر اپنا جوتا رکھ دیا اور پورا زور اسی ٹنگ پر ڈال دیا، ایسا کرنے کے لیے انہیں اپنا دوسرا پاؤں اختلانا پڑا، کامران مرزا! تم بھی میرے پاؤں پر پاؤں رکھ کر زور ڈالو، انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"ادھو، کیا یہ اتنی ہی سخت جان ہے؟"

"اس سے بھی کہیں زیادہ اور اتنی ہی نہ رہ، میں بھی، خان رحمان کی قست بھتی کر پڑے گے،" پورے ایک منٹ بعد منور علی خان نے اپنا جوتا اٹھایا۔ انہوں نے دیکھا مکڑی پس کر رہی تھی اور اس کے اروگرد بڑے زنگ کا پانی سا پھیل گیا تھا۔

"یہ اس کا نہ رہے، آئیے اب آگے چلیں۔"

خان رحمان ایک بار پھر تیرزی سے آگے بڑھنے لگے۔ آخر وہ بھکا ہوا تھا۔

یہ ایک بہترین قدرتی مورچہ ہے، خان رحمان بولے۔ اور اگر ہم اس مورپے میں اوھر ادھر بکھرے ہوئے پھر جمع کریں تو وہ گولیوں کا کام دے سکتے ہیں۔ انسپکٹر جشید بولے۔ لیکن انھل! ہم انہیں پستوں میں رکھ کر کس طرح فائز کریں۔

آفتاب نے معنوں ہی رت پھرے پر سجائتے ہوئے کہا۔ "بھائی اپنی غلیل میں بھر کر فائز کر لینا۔" فاروق نے مشورہ دیا۔ تم سے کس نے پوچھا ہے؟ آفتاب جھلکا کر اس کی طرف مڑا۔ "یہ باتوں کا وقت نہیں ہے، دشمن کے فوجی یعنی طرف سے ہمیں گیرنے کی گوشش کر رہے ہوں گے، چوتھی سمت ان چڑاؤں سے بھ قول ہے، میں اس چڑاں کے اور اپر جا کر یہ دیکھنے کی گوشش کرتا ہوں کہ فوجی کتنے ہیں، کس کس سمت سے جنے کا امکان ہے اور ان کے پاس ہتھیار کسی قسم کے ہیں؟ خان رحمان نے کہا اور اپر جانے کے لیے مڑا۔

میں سمجھو گی انکل ! آپ نے اپنے یہے آسان ترین کام چاہا مہوکر بولے۔

ہے ۔ اصف نے مسکرا کر کہا۔

یہ بات نہیں بیٹھے ! اس وقت یہاں موجود لوگوں میں صرف میں فوجی رہ چکا ہوں ، ووسری کہ چنان کے اوپر جاتے ہوئے میں دشمن کی گولی کا نشانہ بن سکتا ہوں ، جب تک آپ لوگوں کو ابھی کوئی خطرہ نہیں ہے ، چنانچہ ثابت ہوا ، میں نے اپنے یہے آسان کام نہیں چنان خان رحمان نے خوش گوار بھے میں کہا اور اوپر چڑھنے لگے۔

وہ جلدی جلدی پتھر جمع کرنے لگے ، پتھر لا تعداد بکھرے پڑے متحتے ۔ ان میں بڑے بھی متحتے اور چھوٹے بھی نہیں کرنا تھا ۔ ان کے دل وہک وسک کرنے لگے۔

نے صرف اتنے بڑے پتھر جمع کیے جنہیں آسانی سے ہاتھ میں لے کر پھینک مارا جاسکے ۔ ابھی پتھر جمع کرتے ہوئے انہیں پندرہ منٹ مشکل سے ہوئے ہوں گے کہ خان رحمان تیزی سے دالپس آتے دکھانی دیے ، وہ سب ہاتھ روک کر انہیں دیکھنے لگے۔

ہاتھ نہ روکیں ، کام کرتے رہیں ، ہمارے سر پر کوئی چھوٹا خطرہ نہیں ہے ۔ خان رحمان وہی سے چلائے اور انہوں نے پتھر جمع کرنے میں اور بھی تیزی دکھانا شروع کر دی۔

خان رحمان ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

” بھی پہلے بتا تو دو ، کیا دیکھا ہے تم نے ڈانپکڑ جیتہ

انہوں نے سرد آواز میں کہا۔

اور وہ آکس طرف سے رہے ہیں۔

اینوں ستون سے ۔ انہوں نے بتایا۔

وہ سب سوچ میں ڈوب گئے ۔ وقت بہت نازک تھا ۔

وہ شین گنوں کے مقابلے میں ان کے پاس صرف چار پستول تھے ، ان میں جو بیس کے قریب گویا تھیں اور ان کے علاوہ چھروں کا ایک ڈھیر تھا ، گویا انہیں شین گنوں کا مقابلہ چھروں سے کرنا تھا ۔

ان کا کنڈر ساحل کے قریب ہی کھڑا ہوا ، دارالیں پہ انہیں آگئے پڑھارا ہے ، کافی تیز آدمی نظر آتا ہے ۔ خان رحمان نے بتایا۔

خیر کچھ بھی ہو ، ہم مقابلہ کریں گے اور مرتے دم تک کریں

لے ، اکیوں کامران مژا ! آپ کا تیسا خیال ہے ۔

اس سے بہتر اور کیا خیال ہو سکتا ہے ، ذلت کی زندگی سے شہارت کی موت ہزار درجے بہتر ہے ۔ انہوں نے جواب دیا۔

” تو پتھر تیار ہو جائے ، ہم میں سے چار آدمی پستوں سے کام لیں گے ، باقی لوگ اپنے دامیں ہاتھوں میں ایک ایک پتھر

سبحال میں اور اپسے پاس پتھروں کا الگ الگ ڈھیر لگا میں، اب تک چھپے پڑنا ہے، اگر ہم لفظوں یا ایک دوسرے کے سمجھے پڑے
بینے کے بل یعنی رہتا ہے؛ اس پارٹی کو تھوڑی دیر کے لئے تپ وشن ہمارے سمجھے پڑ جائیں گے۔ آفتاب نے جلدی
لکان کروں گا، جیشہ نہیں کوئی اختراض تو نہیں۔
” بالکل نہیں! کیونکہ ایسے معاملات میں تمہارا تجربہ مجھ سے نیا اور میرا خیال ہے، تم سمجھے پڑنے کے سمجھے پڑے گئے ہوتے فرزند
ہے نہ دہ بولے۔

” اور کامران مرزا صاحب! آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں۔
” اس رگز نہیں؛ انہوں نے خوش دلی سے کہا۔
” میں جب بھی منہ سے فائز کا لفظ نکالوں، پتوں اور پتھر ایک
ساتھ چلنے چاہیں؛ خان رحمان بولے۔
” بہت بہتر کامڈ رانکل؛ ایسا ہی کیا جائے گا؟ فاروق نے شوخ
بچے میں کہا اور ان سب کو کامڈ رانکل پر سننی آگئی۔
” یاد ایسے موقعے پر بھی تمہاری زبان نہیں رکھتی۔ اُصف نے منہ
بنان کر کہا۔

” معلوم ہوتا ہے، ایسے موقعوں پر آفتاب کی زبان رک جاتی ہے:
فاروق نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔

” نصیر اختر نے ہی انہیں اطلاع دی ہے، لہذا یہ کیسے ہو سکتا
ہے کہ انہیں ہمارے بارے میں علم نہ ہو؟ خان رحمان بولے۔
” لیکن اس وقت تو بالکل رکی ہوئی ہے۔
” میرا خیال ہے، تم دونوں زبان رکھنے کے سمجھے پڑے گئے ہو،
لیکن یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں، کیونکہ اس وقت، ہمیں دشمنوں
میں ان پر حملہ کرنا پسند نہیں کروں گا، پہنچے انہیں فائز کرنے دو۔
الکر جیشہ بولے۔

” یا اس کی بھی نہیں رکھتی۔ اُصف نے جواب دیا۔
” میں کوئی طبقہ بھی مناسب نہیں، کیونکہ اس وقت، ہمیں دشمنوں

”تمہاری بات بالکل صحیک ہے، لیکن اگر ہم ان کی طرف سے خدا ہوا تو تمہیں مشہ
پر خدا کرویں... اگر تمہاری طرف سے خدا ہوا تو تمہیں مشہ
کا انتظار کرتے رہے تو یہ بہت خطرناک بات ہوگی، جب تک نہیں۔
انہیں نظر نہیں آجائے، اس وقت وہ آگے ہی بڑھتے رہیں گے۔ ”سری طرف ایک لمحے کے نیچے شامی خاری ہو گی۔ پھر انہیں
اور اس طرح ہمارے نزدیک آجائیں گے۔ خان رحمان نے اعتراف کیں۔ ایک نئے قدم آگے بڑھا کر بلند آواز میں کہا۔
”ہوں! یہ بھی صحیک ہے۔ پیر یہ بتاؤ، کیا وہ اتنے فاسدے ہے۔ تم لکھتی کے چند ہو، ہماری تعداد سو کے قریب ہے اور
آپکے میں کر ہم سب انہیں اپنے نشانے کی رو میں لے سکیں؟“ تب شین گنوں سے لیں میں جب کہ ہمیں اطلاع مل ہے کہ
”ہاں! وہ اس حد تک آپکے میں۔“

”تو پھر میں انہیں یہاں اپنی موجودگی سے باخبر کر دیتا ہوں۔“
”کیا یہ ہمارے یہے خطرناک نہیں ہوگا؟“ خان رحمان بولے۔
”آپ کا کیا خیال ہے کامران مرزا؟ انسپکٹر جیشید ان کی طرف آ۔
”اگر ہم اسلامی اصولوں کو دیکھیں تو انہیں باخبر کرنا ضروری ہے۔
حالات کی نزدیکت کو دیکھیں تو بے خبری میں حملہ کرنا زیادہ منابع
معلوم ہوتا ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے جواب دیا:
”تب پھر ہم کیا کریں؟“

”ہمیں اسلامی اصول نہیں مچھوڑنا چاہیے، خدا ہماری مدد کرے گا۔“
”تو صحیک ہے، میں انہیں اپنی یہاں موجودگی سے باخبر یہے
دیتا ہوں۔“ یہ کہ کہ انسپکٹر جیشید مورپے سے احتکڑے ہوئے
اور پستوں والا ہاتھ بلند کرتے ہوئے بولے:
”جذر دار! ہم یہاں موجود ہیں، ہم نے یہ پسند نہیں کیا کہ بے قبائلی“

”تمہاری بات بالکل صحیک ہے، لیکن اگر ہم ان کی طرف سے خدا ہوا تو تمہیں مشہ
پر خدا کرویں... اگر تمہاری طرف سے خدا ہوا تو تمہیں مشہ
کا انتظار کرتے رہے تو یہ بہت خطرناک بات ہوگی، جب تک نہیں۔
انہیں نظر نہیں آجائے، اس وقت وہ آگے ہی بڑھتے رہیں گے۔ ”سری طرف ایک لمحے کے نیچے شامی خاری ہو گی۔ پھر انہیں
اور اس طرح ہمارے نزدیک آجائیں گے۔ خان رحمان نے اعتراف کیں۔ ایک نئے قدم آگے بڑھا کر بلند آواز میں کہا۔
”ہوں! یہ بھی صحیک ہے۔ پیر یہ بتاؤ، کیا وہ اتنے فاسدے ہے۔ تم لکھتی کے چند ہو، ہماری تعداد سو کے قریب ہے اور
آپکے میں کر ہم سب انہیں اپنے نشانے کی رو میں لے سکیں؟“ تب شین گنوں سے لیں میں جب کہ ہمیں اطلاع مل ہے کہ
”ہاں! وہ اس حد تک آپکے میں۔“

”یر نہیں ہوگا: انسپکٹر جیشید پوچھے۔“
”تب پھر ہماری طرف سے اعلان جنگ سمجھو۔“ اس کے ساتھ ہی
النے گویوں کی بوچاڑا ماری۔

”بہت بہتر! انسپکٹر جیشید فوراً نیچے سرک گئے۔“
”اب خدا کرنے میں کوئی برائی نہیں، خان رحمان! اب تم اپنی
پہنچ کی کمان کر سکتے ہو۔“
”ثکریہ درست! لیکن مجھے اتنا بتا دو، خدا نخواستہ! اگر ہم سکتے“

کھا گئے تو کیا کرنا ہو گا؟ خان رحمن نے پوچھا۔
”ہم آخر وقت تک سمجھیار ہیں ڈالیں گے
”اور جب ہمارے پاس سمجھیار ختم ہو جائیں گے تو ہے خان
نے پوچھا۔

”یہ تم بتاؤ، ایسے موقعوں پر کیا کیا جاتا ہے؟“
”ہم پہچھے ہستے چلے جاتے ہیں، ہیاں تک کہ مدد آ جاتی ہے
ہم اپنی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں، لیکن یہاں یہ دونوں صورتیں
ملک نہیں، ہم پہچھے نہیں ہست سکتے، تا مدد کی اید ہے
”خیر کوئی بات نہیں، اللہ کا نام و اور شروع کرو، جو ہو گا دیکھا
جائے گا نہ اپنکے مجشید بولے۔
”بالکل صحیک نہیں۔

عین اس وقت دوسری طرف سے سیٹن گینس چلانے جانے لگیں۔
امنوں نے سریتھے کر لیے۔ جونہی سیٹن گینس کا پہلا راوندہ ختم ہوا،
امنوں نے سراجیارے اور فائزہ داع دیے، ساتھ ہی چھوٹی پاملا
نے پانچ عدد پتھر نشانے کر چکیے۔

چار گولیوں اور پانچ پتھروں میں سے ایک بھی ضائع نہیں۔
فضا میں فوجیں ابھریں اور دشمن نے جوشیں آ کر پتھر فائر
کھول دیا۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ کسی بڑے محاذ پر جان پر
ہوں۔ اس بار دوسری طرف سے گولیوں کے سلسلے نے ختم ہونے

سوق ملتے ہی خان رحمن نے ایک بار پتھر حملہ کرنے کا حکم دیا۔
اپنک ان کی پیشانی پر فکر کی لکھریں ابھر آئیں۔ انہوں نے
اوزار میں کہا:
”م یہ جنگ ہار جائیں گے جشید۔“
”انداز تھے کس طرح لگایا۔“
پی مزید فوج کی نقل و حرکت محسوس کر لے ہوں، ایسا معلوم ہوتا
ہے اور سن سو سو کی پیشیں روانہ کرنے کا پروگرام بنائیا ہے، احتکاری
پر بعد سو فوجی اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے، یہ بھی ہو
تھا کہ ہمارے مقابلے کے انداز کو دیکھ کر
امنوں نے سریتھے کر لیے۔ جونہی سیٹن گینس کا پہلا راوندہ ختم ہوا،
امنوں نے سراجیارے اور فائزہ داع دیے، ساتھ ہی چھوٹی پاملا
نے پانچ عدد پتھر نشانے کر چکیے۔

انے والے پتھر انہیں نقصان پہنچا رہے ہیں تو ذہ فولادی دردیوں
کے فوجی بلا بیں گے، ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم اس جزیرے
کے کہیں جا نہیں سکتے، ہمیں گھیرنے کے لیے ان کے پاس بہت وقت
کھول دیا۔ انہیں یوں لگا جیسے وہ کسی بڑے محاذ پر جان پر
ہوں۔ اس بار دوسری طرف سے گولیوں کے سلسلے نے ختم ہونے

آجائے گی، اگر معامل صرف ان سو فوجیوں کا ہوتا تو ہم ان پر یقین نہیں کر سکتے کہ خان رحمنی رکھو خان رحمنی..... وہ یہ جیسا کہ کر لیں کہ ہم کمزور پڑھے حاصل کر سکتے ہیں تھے کہ خان رحمنی کے چند گھنے ماں کے بھتے میں تھے ہیں اور ماں یہ بتاؤ، قسم زیادہ کتنی دیر تک دشمنوں کو صحی، یا اس صحی، نامیدی تھی۔ انہوں نے اپنے دل ڈوبتے محسوس کیا کہ سختے ہوئے ایسے میں انپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری:

”شاید ہم اپنی زندگی میں اتنے برسے کبھی نہ پہنچنے ہوں گے۔“ بہت خوب جنگ چاری رہے گی، اس دوران میں اور کامران مرزا کا مطلب یہ ہمیں کہ ہم ہمت ہار بیٹھیں، اس زندگی کا یہ کہیں گے کہ اسی صورت حال سے کیونکہ نہیں جائے اور اس کے لیے آخر یہ ختم ہونے والی ہے، پھر ہم کیوں فکر کریں، ہم رفتے مرے۔ ایں حاذ سے کچھ ہٹ کر پرستکون جنگ تک جانا ہو گا۔“ آخوند کر لیں، اتنی دیر تک میں دشمن کو روکے رکھنے کا یقین دلاتا کیوں نہ ہے دیں۔“

لڑتے ہوئے جان دے دینے سے بھی مصلحت نہیں ہو جاتا۔ میں خان رحمنی نے سینہ تان کر کما۔ میں اس وقت سنگین خطرے سے دوچار ہے، اگر دشمنوں نے ایجاد بڑے پیمانے پر تیار کر لی تو وہ ہمارے سارے ملک کی اکیس اسیکار کے ذریعے جذب کر لی گے اور سارا ملک آنا فانا میں موت ہند سو جائے گا، یہ حادثہ دینا بھر کے لیے جوں اُرین جوگا اور یورپ چل نکلے گی، ہمارے دشمن جس اسلامی ملک کو بھی چاہیں گے، ختم کر کے دل گے..... اور اس حرج یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پوری دنیا تباہی کے گردے ملک پتچار جاتے..... اور صرف ایک ملک پوری دنیا پر چھا جائے، شاید وہ چاہتے بھی یہی ہیں، ان کی آبادی انتہائی ترقی سے پڑھ رہی ہے.....

”تب پھر..... آخر ہم کیا کریں، ہم کیا کر سکتے ہیں دنیا رخان سے

وہ بوٹ کر نہ آئے۔ ان کی گویاں ختم ہوئیں پھل گیل، پتھر کم جائے اور کوڑھن کے حوالے کرنے کے علاوہ اور کوئی بھی کیا سکتے ہیں... خدا گئے، ہمارا ہمکار کر ایک گولی بھی نہ بچی، آخری پتھر بھی انہوں نے لے گئے۔ ان دونوں پر کیا گزری، جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے، ہم خود کو اس وقت ان میں سے کسی کو، بلکی سی خراش بھی نہیں آئی تھیں جبکہ ان کے حوالے کیسے کروں؟ وہ بھنسی بھنسی آواز میں کہتے چلے گئے۔ انہوں نے دشمنوں کے بے شمار فوجیوں کو موت کے گھاٹ آمد دیا تھا۔ ان بیسے اس مضبوطہ آدمی کی انہیوں میں انہوں نے نذرگی میں پہلی زخمی کر دیا تھا۔ اسلحہ ختم ہوتے ہیں خان رحمان نے یادِ سانہ انہا میں افسوس دیکھے تھے۔

ادھر دیکھا اور پتھر پکار کر بولے:

جیشہ! تم کہاں ہو، اپنے کامران مرزا آپ کہاں ہیں، میں اپنے ہے یہ فرزانہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

کے مطابق دو گھنٹے تک دشمنوں کو ردع کے رکھا ہے، لیکن انہیں اب آنا منور خلی خان! آپ کیا کہتے ہیں؟

ٹھیک ہے، میں بھی اپنے دوست کا حال جانتے بغیر مرنا پسند بڑھنے سے نہیں روک سکتا..... کیونکہ.... کیونکہ....

خان رحمان کی آواز بھرا گئی۔ ان کی انہیوں میں آش را گئے ہے۔ میں کروں سکتا۔

کرمود ترطب اٹھا:

انکل! آپ.... آپ رو رہے ہیں تھے

ان کی طرف سے کسی منت سے کوئی گولی نہیں چلائی گئی تھی اور نہ

ان پتھر بھینکا گیا تھا؛ چنانچہ دشمن نے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں

کافی کر ان کے پاس اسلحہ ختم ہو گیا ہے:

بس! اب تم لوگ اپنی ہنگ کھڑے ہو جاؤ اور ہاتھیوں کو سروں

سے بلند کرو، اس صورت میں تم پر کوئی ہنیں چدائی جائے گی بسوت

تک دشمنوں کا مقابلہ کرتا، جب تک اس کے ہاتھیوں پر ہوں میں سکتے

رہتی..... رونا تو یہی ہے کہ میں تھکا نہیں، ہیرا اسلحہ ختم ہو گیا ہے، لازم

یہ کہ ہم نے پروگرام بنایا تھا کہ خود کو دشمن کے حوالے نہیں کریں گے بلکہ

اب جب کہ جیشہ اور اپنے کامران مرزا کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملے رہے

ہاں! میں رو رہا ہوں..... ایک فوجی اس وقت رو ہی پڑتا ہے۔

جب اس کے ہاتھ اور پیر سلامت ہوں، لیکن اس کا اسلحہ ختم ہو جائے۔

وہ یہ سوچ کر روتا ہے، کاش اس کے پاس اسلحہ اور جوتا، وہ اس وقت

تک دشمنوں کا مقابلہ کرتا، جب تک اس کے ہاتھیوں پر ہوں میں سکتے

رہتی..... رونا تو یہی ہے کہ میں تھکا نہیں، ہیرا اسلحہ ختم ہو گیا ہے، لازم

یہ کہ ہم نے پروگرام بنایا تھا کہ خود کو دشمن کے حوالے نہیں کریں گے بلکہ

ہی پچاس آدمی ادھر پھیل گئے اور شین گئیں تا نے
پسند اور انپکٹر کامران مرزا کی سلاش میں ان سے لمحہ بہ لمحہ دور
لگے۔ ان کے دل بڑی طرح دھڑک رہے تھے۔ دل بھی دل
وہ دنیا بھی ہاگہ رہے تھے کہ یہا... یہ لوگ ان دونوں کو
ڈسکرپٹیوں۔ وقت چیزوں کی چال سے گزرا رہا۔ آخر پچاس

دشمن سے کہا:

دشمن فوجی نزدیک آتے پہنچے گے، انہوں نے ہاتھوں میں سین گلز منہ لٹکائے دا پس آتے اور ان میں سے ایک نے کہا:
سبھالی ہوئی حقیقی۔ انہیں گھیرے میں لے لیا گی۔ اچانک ان میں سے ان دونوں کا جذبہ یہ ہے پہ کوئی پتا نہیں ہے سزا
ایک نے چبک کر کہا:

مختصر سفر

ہم کی کہہ سکتے ہیں جناب؟
اکیں وہ دونوں اس غار کے اندر نہ پھیپھی ہوں، جہاں تک اندر
جھرت کے بادل تیر رہے تھے۔ چند لمحے تک وہ انہیں گھوٹا رہا۔ پھر ان
نے گرج دار آواز میں کہا:

”ہمیں یہ اطلاع ملی تھی کہ تم میں چار جوان آدمی، چار دلوں کے اد
ایک لڑکی ہے، مجھے بتا دے، انہمار سے دو سا بھتی کہاں ہیں؟“

”ہمیں کچھ معلوم نہیں، جب فائر بگ شروع ہوئی تو وہ چنان کے
اوپر چڑھ گئے تھے۔ خان رحمان نے پرسکون آواز میں کہا۔“

”پچاس آدمی چاروں طرف پھیل کر ان دونوں کو تلاش کریں، اگر
وہ نظر آ جائیں اور گرفتار ہونے کے لیے تیار نظر نہ آئیں تو گویا ان کی
بلچھاڑ کر دینا۔“ کمانڈر نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا۔

ہاں! کیا دونوں لانچیں ساحل پر موجود ہیں؟
جب بھی ہاں!

نسل ایسا جان اور نسلکار -

"تب پھر اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نوں ہو سکتا ہے فرزانہ نے اسے تیز نظروں سے لکھ دیا۔
ہو کر سمندر میں چھلانگ لگا بیٹھے ہیں، اور ہم چل کر گئیں۔
دل۔ اور ان لوگوں کو بھی ان کے سامنے پیش کر دیں۔
آنہیں جافوروں کی طرح آگے آگے بانکا جانے لگا، ایک خوب چکو۔ ہیاں تک کہ سب کی مایوسی پر لگا کر اڑ جائے۔
تیز تیز قدم اٹھا دی، ورنہ یہیں ڈھرم کر دے جاؤ گے۔
اس کا مطلب ہے، میں اللہ تعالیٰ پر گھوڑا۔

مرتے کیا نہ کرتے، وہ تیز تیز چلتے گے یہاں تک کہ سالہ مل جائے، جب کہ تم کہا کرتے ہو، جس دن میں نے چلکنا تبدیل کر پہنچ گئے، یہاں دو بڑی بڑی لاپچیں کھڑی ہیں۔ اینیں ان پر کام کا کام کر دیا، وہ ہیری زندگی کا آخری دن ہو گا، لیکن فاروق! تمہیں کس طرح ہوتے کے لیے کہا گیا۔ وہ ساتوں لاپچ پر سوار ہو گئے ماں کے بعد قوم کی یہ عورتی زندگی کا آخری دن ہے۔ فرزانہ نے پرستکون اور اس لاپچ پر آدھے فوجی سوار ہو گئے اور باقی فوجی دوسری لاپچ پر جمع ہوئے۔ سوئی آواز میں کہا۔

لر بے محتری ہوئی آواز میں کہا۔
تم شیک کھتی ہو فرزانہ یہ کہہ کر فاروق سکرایا یوں لگا جیسے
سوئے سوتے جاگ گیا ہو، اس نے سب پر ایک تفصیل نظرداں
نہیں لائیں کے ایک بڑے کرسے میں بٹھایا گیا تھا۔ ان کے چاروں طرف

لٹوچیں گئیں یے کھڑے تھے۔ رجارتے ہوئے

نیوں بھی اتم ہم لوگوں کو کہاں لے جائے ہو؟

نے اسے کوئی تذلل سے غمودتے ہوئے کہا۔

ہاں ! کیا دونوں لانچیں ساحل پر موجود ہیں ؟
” بھی ہاں ! ”

” تب پھر اس کے علاوہ کچھ بھیں کہا جا سکتا کہ وہ غوف
ہو کر سمندر میں چلا گئے گا بیٹھتے ہیں ، اور ہم چل کر کرنل کو
دیں ۔ اور ان لوگوں کو بھی ان کے سامنے پیش کر دیں ۔
آنہیں جانوروں کی طرح آگے آگے ہائیکا جاتے رہا ، ایک
نے تو شین گن کا کندہ منور علی خان کی کمر پر رستے مارا اور دلہ
” تیز تیز قدم اٹھاؤ ، ورنہ یہیں ڈھیر کر دیے جاؤ گے ۔
مرتے کیا نہ کرتے ، وہ تیز تیز چلتے گئے یہاں تک کہ ساحل
پہنچ گئے ، یہاں دو بڑی بڑی لانچیں کھڑی ہیں ۔ انہیں ان پر کار
ہوتے کے لیے کہا گیا ۔ وہ ساتوں لانچ پر سوار ہو گئے ماس کے
اس لانچ پر آدھے فوجی سوار ہو گئے اور باقی فوجی دوسری لانچ پر
اب انہیں اپنے بچتے کی کوئی امید نہیں رہی تھی ۔ نا امیدی نے پری
طرح اپنے گھر سے میں نے باتھا ، یہاں تک کہ فاروق بھی خاور
خاموش تھا ، فرزانہ چند لمحے تک اس کی طرف ملکتی بامداد کر دیکھتی
رہی ، آخر یوں ہے :

"فاروق! آئی تم بھی خاموش ہو۔"
 "ہاں فرزانہ! اس وقت اگر ابَا جان اور انگل کامران مزرا ہمارے
 ساتھ ہوتے تو میں کبھی خاموش نہ رہتا۔ اس نے بھی کہی آواز

" تو پھر تم نے اس بات کا یہ جواب بھی کیوں دیا، جواب یہ تھے یا نہیں، میرا خیال ہے، تم نے کل سے اب تک زبان
خاموش رہنا چاہیے تھا؟ فاروق نے کہا۔
یہی نہیں، آفتاب نے کاپرڈائی کے عالم میں کہا۔

" خاموش رہو؟
نو پھر تمہارے کان نج روئے ہوں گے، تم نے یہ اتنا لما چھڑا

" کی تھیں یہ حکم بھی ملا ہے کہ ہمیں بولنے نہ دیا جائے، اب کسی جن یا جھوت کی بات کا دیا ہو گا؟
نہ... نہیں، اس کے منز سے نکلا۔

" تب پھر تم ہمیں خاموش رہتے کا حکم نہیں دے سکتے... اس بار ایک جن کو مجھ پر ٹھست آگیا۔ وہ مجھ سے ایک سڑک
کان کھوں کر سن لو، مگر تم کان کس طرح کھوں سکتے ہو، ان پر اس سے پوچھ رہا تھا، میں اپنی عادت کے مقابل جواب نہیں دے
ٹوپی منڈھی ہوئی ہے، اخیر کان کھوئے بغیر ہی کن لو، تم جیل بنا لاتا، پتھر یہ ہوا کر....
دیر قید نہیں دکھ سکو گے، ہم تمہارے ہاتھوں سے اس طرح نکلے، اس نے نہیں اٹھا دیا، اصف نے جلدہ مکمل کیا۔

جایشیں گے جس طرح چکنی مچھلی شکاری کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے، میں نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مجھ سے ناراض ہو گی اور ابا جان
انکل منور علی خان.... کیا کبھی کوئی مچھلی اپ کے ہاتھ سے بھی نکلے میری شکایت لکا دی، بات دراصل یہ ہے کہ وہ ابا جان کا بہت
ہے تا وہ فوجی سے کہتے کہتے ان کی طرف ہے گی۔

" میں مچھلی کا شکاری نہیں ہوں بیٹے؟

" اودہ یاد آیا، آپ تو شیروں اور اڑھوں کے شکاری ہیں،

خیر کوئی بات نہیں، ہاں تو میں کہہ رہا تھا... بیار آفتاب میں ای

" اہل کیوں، کیا جن انسانوں کے دوست نہیں ہوتے، ان کے

کہہ رہا تھا... اس نے آفتاب کے چہرے پر نظریں چاہیں۔

" بھی فرزانہ سے پوچھو، سناء ہے، ان کی یادداشت بہت نیز

ہے... اور یہ کوئی بات بھولنی نہیں، جیب کہ میرا یہ عالم ہے

" تم خاموش نہیں رہو گے تا ایک دوسرے فوجی نے آفتاب کو ڈالتا۔

کہ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں، محتوازی دیر پہنچے تم کچھ کہہ بھی نہیں

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں... وہ دیکھو... وہ سٹول پڑے لگھے کوئی تیس میل دور ہے، لیکن اس کے باوجود دراز

آپ حرکت کر رہا ہے۔"

آٹھوں فوجیوں نے چونک کر سٹول کی طرف دیکھا، لیکن اپنے یہ توگ تو زمین پر کس جزیرے پر ہے آئے: فرزانہ نے پہلے ٹوٹ پڑنے اور شین گئیں چیزیں بیتے کہ ستر انکے دل میں ہی وہی پرچ میں گم ہجے میں کہا۔
کیوں کہ عین اسی وقت دردارازہ کھلا تھا اور کمانڈر کی ششیں لکھاں دی بھتی۔ وہ ان سے کہہ رہا تھا:

"اٹھو! لاپنخ سے اترتے کی تیاری کرو۔

وہ حیران رہ گئے، یہ سفر بہت منحصر تباہت بھا تھا، انہوں نے دیکھا، لاپنخ ایک درسے جزیرے کے کنارے کے بالکل قریب پہنچی۔

لیا ہے، یہ اپنے ملک میں ہیں کیوں نہیں ہے گئے؟ فرزانہ بولی۔
یہ ذرتے ہوں گے کہ کہیں ہم ان کے ملک میں بھی جاسوسی شروع نہ کریں: آفتاب نے کہا۔

"یہاں لانے کا ضرور ان کا کوئی خاص مقصد ہے؟" محمود پڑھا۔

"ادروہ خاص مقصد کیا ہے؟" آصف بولا۔

پوچھ کر بتاؤں گھاٹ محمود نے مسکرا کر کہا۔
اچھا! ضرور بتا دینا... مجھے کوئی ایسی جلدی نہیں ہے۔
آصف بھی جواب میں مسکرا یا۔

شاید یہ توگ ہمیں پیاں قید کر کے، پھر اس جزیرے پر جانا چاہتے ہیں، تاکہ جمیشہ اور اپکٹر کامران مرزا کو گرفتار کیا جائے۔ خان رحمان نے خیال ظاہر کیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ وہ دونوں چھے کہاں گئے، سارے

لاپنخ سے اترتے ہوئے انہوں نے ادھر ادھر دیکھا، لیکن انپکٹر جمیشہ اور انپکٹر کامران مرزا کا کہیں نام دنشان تک نہیں آیا۔

"معلوم ہوتا ہے، اب آجان اور انکل نے دافعی سمندر میں چبلانگ لگا دی ہے، شاید ان کا تھانے کے یہی جی چا رہا ہو گا: آفتاب بولا:

"ہاں! وہ سمندر میں تھانے کے بہت شوقین ہیں، سمندر الچ

جنپرے پر تو یہ پہنے ہی دیکھ پکے میں تھا
خدا ہی بہتر جانتا ہے : محمود بولا۔

اچانک ان کے انتختے قدم رک نگئے۔ ان کی آنکھوں کے
سامنے ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ عمارت بال محل نئے دروازے کی
بھتی تھے بہشت پہلو یعنی ... کونوں والا بنایا گیا تھا، اس کے اور
ایک گنبد بھی تھا اور گنبد پر دیدار فتحم کی کوئی بجز ملی تھی جو منی
لگوم رہی تھی، ابتدہ اس میں سے کوئی آڈاں نہیں تکل رہتی تھی۔
”ارے! یہ تو شاید ان کا ہیڈ کوارٹر ہے : فاروق کے منے
جبرت زدہ سے انداز میں نکلا۔

”ہیڈ کوارٹر! ان سب کے منے سے نکلا اور پھر ان کے ذمہ
نے جواب دیا کہ ماں یہ تو ہیڈ کوارٹر ہی معلوم تھا، جس کی تائش
میں وہ نکلے تھے، مگر ہیڈ کوارٹر انہیں ایسے وقت نظر آیا تھا
جب ان پکڑ جشید اور ان پکڑ کامران حمزہ ان کے ساتھ ہیں تھے۔ وہ
بے چینی محسوس کرنے لگے۔

تین گنوں والے انہیں پرستور آگے بڑھتے رہنے کے لیے کہی
تھے۔ تمام کے قام فوجی بیچے اتر آئے تھے اور انہیں گیرے
میں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ صرف لاپکنیں ساحل پر کھڑی رہ
گئی تھیں۔ آخر وہ عمارت کے دروازے پر پہنچ گئے۔ دروازے پر
بھی باور دی پہرے دار تین گنیں یہے ٹھل رہے تھے۔ کماڈری

در دیکھتے ہی انہوں نے دروازہ کھول دیا اور اپنے ساتھ صدر
کو فوجی یے اندر داخل ہوا، باقی فوجیوں کو دروازے پر ہی
پھوڑ دیا گی۔

انہوں نے دیکھا، وہ ایک بہت بڑے مال میں کھڑے تھے۔
مال کا فرش بہت چکنا تھا، بال محل شیشے کی طرح چمک رہا تھا۔ مال
کی دیواریں شیشے کی تھیں اور وہ الیں اپنے ٹکنس دیکھ سکتے
تھے۔ مال کے بیچوں پسچ ایک محبوس شیشے کا ستون تھا۔ اس
ستون سے ایک آدمی بندھا ہوا تھا، اس کا سراپنے بینے پر
چک گیا تھا، یوں لگتا تھا جیسے کہی دن سے بے ہوش ہو۔

وہ دھمک سے رہ گئے وہر سے ہی انہوں نے انہیں
بیچاں یا۔ وہ پروفیسر داؤڈ تھے۔ اور ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آ
رہے تھے۔

”اف خدا! انہوں نے پروفیسر محل کی کیا حالت بنا ڈالی؟“ فرزانہ
نے دانت پیتے ہوئے کہا۔

”ابھی تم لوگوں کی حالت بھی ایسی ہی ہو جائے گی۔“ ایک
فوجی نے سہنگ کر کہا۔

مال میں اس درسیانی ستون کے علاوہ بھی آٹھ ستون اور تھے لیکن
ان سے کوئی سہنس بندھا ہوا تھا۔ اچانک مال میں ایک دروازہ
نحو دار ہوا اور ڈاکٹر خوان اندر داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں پر سنہری

فریم کی عینک بختی، چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹے بختی۔
” تم لوگوں کو یہاں جیکھو... اورے ان میں سے کوئوں کم
یہی نہ دہ کتے کہتے چونک ابھا اور اپنا پہلا جلد دریان میں
چھوڑ کر دوسرا جملہ بول گی۔

” یہی کرنل! ہم نے ان دونوں کی تلاش میں اس جزیرے کا
چھپے چھپے چھان مارا... لیکن نہ جانے انہیں زمین کھا گئی یا آسمان
نکل گیا۔

” یہ تم کیا کہہ رہے ہو کمانڈر! اصل آدمی تو وہی بھے جنہیں کرانے
کرتا تھا، آخر وہ جزیرے سے کام جاسکتے ہیں، میزدھ تم سے کہاں
ہوئی ہے۔ ڈاکڑ خونا نے کہا۔ اسے کمانڈر نے کرنل کا بھا جس کا
حکم بیہتھا کر اس کا عہدہ کرنل کا بھی بھتا۔

” ہمیں کرنل! ہم نے انہیں پوری احتیاط سے گھیر رکھتا۔
” تب پھر وہ دونوں کسی نہ کسی طرح پنج کر تھاری لاپخون میں
چھپ گئے ہیں، جادو اور انہیں لاپخون سے پکڑ کر یہاں نے اور
اگر تم انہیں نہ لاسکے کمانڈر تو تمہارا کورٹ مذشل مجھ پر لازم ہو
جائے گا۔

” یہیں سر... یہیں سر! کمانڈر نے پکپاتی آواز میں کہا۔
کافی ہوا ہال سے نکل گیا۔ اس کے ساتھی بھی اس کے پیچے باہر
نکل گئے۔ باقی لوگ دیہی کھڑے رہ گئے۔

” میو... تم لوگوں کے مزاج کیسے ہیں۔ اس نے ان پر ایک طنزی
نظر لالی۔
” خدا کا شکر ہے، بہت نوش ہیں۔ فاروق نے منہ بتایا۔
” اور تمکے ابا جان کہاں میں بقیں تو ضرر معلوم ہو گا۔
” ایں! معلوم ہے، لیکن بتائیں گے نہیں۔ فاروق نے سوچے سمجھے
بفخر کہا اور فرزان اسے تیز نظر سے سمجھنے لگی۔
” کیا کہا جانے کا ارادہ ہے آنکھوں سی آنکھوں میں۔ فاروق نے کھجرا کر کہا۔
” تم نے انہیں یہ کیوں بتایا کہ تھیں ابا جان اور انکل کے بارے
میں معلوم ہے۔ فرزان سانپ کی طرح چنکاری۔
” طور پر پسل جاتی ہے۔ فاروق نے گڑ بڑا کر کہا۔
” ایں میں جانتی ہوں اور جب بھی فرصت ملی، میں تمہاری زبان کا
ڈالوں کی، یہ بہت خلط موقوعوں پر چھینے لگی ہے۔ محمود اس کام میں
تم میرا ساخت دینا۔ کہتے کہتے فرزان محمود کی طرف مرڑی۔
” محو کی بجائے اگر تم میری مدد سے یہ کام کرو تو مجھے بہت
خوشی ہوگی نہ آفتاب نے جلدی سے کہا۔
” ہاں! اس یہے کہ میری زبان کے آگے اس کی زبان کی فال نہیں گھلی۔
” فاروق نے فوراً کہا۔
” پہ تم نے کیا اوت پشاںگ باقیں شروع کر دیں۔ اُو میرے

ساخت... اندر تھیں کچھ دکھا دل... آتے رہیں گے تمہارے آتا جانے
انکل.... اگر نہ ملے تو تم سے پوچھ رہی ہیں گے نہ ڈاکٹر خوانے کے
بچھے انہوں ہے ڈاکٹر بلکہ کرنل.... ہم یہ بات تھیں ہرگز ہرگز
نہیں بتائیں گے نہ محمود نے جواب دیا۔
”خیر خیز... دیکھا جائے گا...“ تم پروفیسر داؤڈ کی عالت دیکھ
دے ہو، یہ تین دن سے بے ہوش ہیں۔
”ان پر یہ ظلم کیوں کیا جا رہا ہے؟“ فراز نے آن کر کھا۔
”اس قدر اکڑا کر بات نہ کرو، تم لوگوں کا بھی یہی حرث ہونے والا ہے۔
”آخر ہم سے ایسی کیا خطا ہوئی جناب؟“ محمود نے طنز پر لے
لیں کھا۔

”اندر چل کر بتا دیں گا۔“

اس ہال کے سامنے والے دروازے سے ہو کر وہ ایک متسلسل
گھر سے میں پہنچے، انہیں یوں لگا جیسے کسی ریڈیو استیشن میں آجھے
ہوں۔ یہاں ہر طرف کچھ اس قسم کے آلات لگے ہوئے ہتھے ہیے
ریڈیو استیشن میں لگے ہوتے ہیں۔ تین سفید ننگ کے بدرازے ان
آلات میں اس طرح گم ہتھے جیسے انہیں دینا میں اور کوئی کام نہ
ہو، البتہ ایک چوتھا آدمی ایک تھنگ کر سی پر بیٹھا انہیں بیور دیکھ
رہا تھا، اس کی کران کی طرف ہتھی، اس لیے وہ چھڑے نہ دیکھ سکے ان کے
قدموں کی آہٹ بھی پیدا نہیں ہوئی تھی، اس لیے وہ جوں کا اُن

خواہ اپا اپا اس کے منہ سے یہ الفاظ جاری ہوئے۔
انکل.... آخر تم لوگ کامیاب ہو گے، تمہارے اتنے بڑے
شدن ہونے کا کیا فائدہ؟
”دیکھیے جناب! اگر پروفیسر افلک جاہ مرکے سے ہیے اس ایجاد
ہے، تو ہم بہت آسانی سے کامیاب حاصل کر سکتے
ہیں، لیکن اب یہ کام ہوتے ہوتے ہی ہو گا، جہاں تک چھوٹے
ہیں، پر کامیابی کا تعلق ہے، اس کے لیے تو وہ بڑیا ہی کافی
ہے جو افلک جاہ کی میز سے ملا ہے، لیکن ہم نہیں جانتے،
اس میں کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے؟“ ایک بوڑھے نے کہا۔
”کھاش! پروفیسر داؤڈ کی زبان ہی ہم کھلوانے میں کامیاب
ہو جاتے، مجھے یقین ہے، وہ ضرور کچھ چھپا رہا ہے۔“

”لیکن خاب! جما جیا ہے، پروفیسر داؤڈ بھی کچھ نہیں جانتا،
وہ جان بھی کیسے سکتا ہے، جب کہ افلک جاہ کچھ لکھ کر ہی نہیں
پھر لیا نہ ووسرا پوڑھا بولا۔“
تم لوگ صرف سامنس دان ہو، تم لوگوں کے چیزے پڑھنا کیا جائے
یہ کمال بچھے آتا ہے، میں ایک نظر ڈال کر ہی کسی شخص کے دل
کا کیفیات کے بارے میں بتا سکت ہوں اور پروفیسر داؤڈ کا چھوڑ
تو ہمیں یہے کھلی کتاب ہے، وہ بہت سیدھا آدمی ہے، اے
پالاگی تو آق ہی نہیں، میں نے فوراً ہی اندازہ لگا یا تھا کہ

وہ بہت کچھ جانتا ہے، لیکن زبان کھونے پر کسی طرح تیار نہیں
سمختی اس پہنچ زیادہ اس خیال سے نہیں کی کہ کہیں مرزا جائے وہ
ہم کس سے معلوم کریں گے: وہ آدمی کہتا چلا گیا۔

اتھی دیر یہ میں وہ لوگ نزدیک پہنچ گئے، اب وہ بھی مرا اور
اس کا چہرہ ان کے سامنے آئیا۔ اسے دیکھ کر وہ جو نکلے.....
سچ بھی نہیں سکتے جتنے کہ اس جگہ اس شخص سے بھی ملاقات
ہو سکتی ہے
وہ کالی آنکھ تھا۔

پروفیسر مریدان عمل میں

کالی آنکھ کی تیز نظریں ان پر جنم گیئیں۔ چند لمحے کے لیے کمرے
میں سوت کی سی خاموشی چاہی۔ تینوں بوڑھے سانس وان بھی
ایں دیکھنے لگے۔ آخر کال آنکھ کی آفاز کمرے میں گونجی:

وہ آخر تم لوگ بھی یہاں تک آہی گے..... ایسا معلوم ہوتا ہے،
بیسے تمہارا اور ہمارا چولی واسن کا ساتھ ہے، ہم جب بھی کوئی
مشتبہ، کوئی پروگرام لے کر ہماں آتے ہیں، تم سے مذکور پڑھو تو
ہے، خیر ہیں تم لوگوں کو جو شش آمدید کہتا ہوں، لیکن..... وہ
..... انکی طرف جشید اور کامران مرزا تمہارے ساتھ نظر نہیں آ رہے؟
یہاں تک کہہ کر وہ رک گیا۔

روحوں کے جذبے سے پر ہمارے آؤیوں نے انہیں کھو دیا۔

اکابر خوان یا جیتال نے کہا۔

«اوہ، یہ تو بہت بڑی خبر ہے، میں ایسی خبروں کو پسند نہیں
کرتا جیتال.... تم جانتے ہی ہو۔»
ہاں انکل! لیکن آپ فکر نہ کریں، وہ پچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

"خیر کوئی بات نہیں، ہاں بھی تم لوگ ساؤ، کیا حال چالا۔"
خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ایک بار پھر ہمیں نہار سامنے لاکھڑا کیا؟ فاروق نے عجیب بات کہی۔

"ایسا سارے معاملے کا انچارج جیتاں ہے، میں تو اسیں اسی کی بہت خوبی اور ایجاد کی ہے۔"
یہ بات بہت بہلہ منظر عام پر آجائے گی کہ کمال آنکھ ہنسنا۔
تو کی تم اس وقت ہمیں بتاؤ گے جب یہ منظر عام پر آجائے
مدد کے لیے آگی ہوں، لہذا تم اس کے سامنے آنے پر اللہ کا
شکر ادا کرو۔ کمال آنکھ نے مسکرا کر کہا۔
آفتاب نے حیرت زدہ نہیں ہیں کہا۔
تری پوچھ پو تو بتا رہے، یونہی تم لوگوں کا دل سمجھتے کہا، بھی جیتاں
اس سے ہمیں کیا فرق پڑتا ہے، ہم تو اتنا جانتے ہیں،
ایک بار پھر ہم دو بڑے دشمنوں کے درمیان مکھڑے ہیں، لیکن
ذرا یہ تو بتائیں کہ ایجاد تم دونوں میں سے کس کے حصے ہوئے
گی۔ محمود نے طنزیہ بنجھے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے کمال آنکھ جونکا۔"
آخر کو تم دونوں الگ الگ ملک سے تعقیل رکھتے ہو، یہ ایجاد

جلقی ایک ملک کے لیے ضروری ہے، اسی قدر دوسرے ملک کے
لیے بھی، اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ تینوں سائنس دان کا میاب ہو جاتے
ہیں تو اس پر کس کا قبضہ ہو گا؟ محمود نے گویا اپنی بات کی وضاحتی۔

"میں اور جیتاں دوست ہوتے ہیں نے کہی منصوبوں پر عمل کر کام
کیا اور شامدار کامیابیاں حاصل کیں، اب جب کرجیز اس دنیا میں نہیں
ہے، تو میں جیتاں کو اس کی جگہ جیاں کرنا ہوں اور پھر میراںک اور
اس کا ملک بھی اپس میں دوست ہیں، لہذا دونوں ملک یکساں طور پر

ہب گئے۔
وہ کہیں بھی چھپ جائیں، انہیں ہمارے ہاتھ تو لگتا ہے پڑیگا۔
اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک فوجی نے اندر داصل
ہوئے کے بعد کہا:

لانپنوں کو بھی دیکھو ڈالا گی ہے... لیکن ان دونوں کا کوئی پتا نہیں چلا۔
ہمیں مطلب... جیتاں اور کمالی آنکھ ایک ساتھ چڑک کر بولے۔
ایسا ہلوم جوتا ہے جیسے انہوں نے سمندر میں چیلانگیں لگا دی ہوں۔
آنے والے فوجی نے کہا۔

لیکن کہہ رہے ہو، انپکٹر جشید اور انپکٹر کامران مرندا وہ لوگ
نہیں جو خود کشی کر لیں، خود کشی تو یوں بھی ان کے نہ سب میں حرام
ہے، لیکن اسی کا کوئی امکان نہیں کہ انہوں نے سمندر میں چیلانگ لگا
دی ہو... ارے ہاں... یہ ہو سکتا ہے؟ کمال آنکھ سکتے کہتے

رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کی بھی بھی چلی۔

"کمانڈر کے ساتھ لکھتے فوجی گئے تھے؟ کالی آنکھ نے بے ایک پہنچار یا اڑ پہنچا۔

"ہاں بیسرا ہی خیال ہے۔ اس کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟" تو پھر فوجیوں کی لاشیں کہاں گئیں؟ کمانڈر نے پہلی مرتبہ

کہ ان لوگوں نے مقابلہ شروع کر دیا ہے اور جواب میں فارنگٹن کشلوں میں دخل دیا۔ اور چھڑا دکر رہے ہیں۔

"ہمیں بان دوسو کے دوسو کو حال میں آنے کا حکم دے

دو اور کمانڈر ہمیں ساتھ آئے تھے کالی آنکھ نے مسکرا کر کہا۔

"میں سمجھا ہیں، آپ کیا کہو رہے ہیں؟"

"بس دیکھنے جاؤ، میں ان دونوں کی رُگ رُگ سے دافت

ہوں۔ حبل دی کرو، کہیں وہ پنج پنج بارخ سے زندگی جائیں۔

"تو کیا وہ یہیں ہیں یہیں ہیں؟"

"ہاں؟ میں یقین سے کہ سکتا ہوں۔"

محض ورنہ دیر بعد ہاں میں دوسو فوجی ایک قطار میں کھڑے تھے،

کالی آنکھ، جیتاں اور وہ ساتوں ان کے ساتھ سے کھڑے تھے۔ ان

کے ساتھ کمانڈر اور اس کا اسٹنٹ جیسی تھے۔

"ان میں سے کوئی سے دو اسپکٹر جیسید اور ایک کامران مزرا

ہیں۔ کالی آنکھ نے گویا اعلان کیا۔

"کیا مطلب... کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فارنگٹن کے دوں

دلوں نے موقع پا کر ہمارے دو فوجیوں کو ہلاک کر کے ان کا

ہو کر پوچھا۔

"تفصیل سو آدمی، اس بعد میں بھی گئے تھے جب یہ معلوم

کہ ان لوگوں نے مقابلہ شروع کر دیا ہے اور جواب میں فارنگٹن

کشلوں میں دخل دیا۔ اور چھڑا دکر رہے ہیں۔

"ہمیں بان دوسو کے دوسو کو حال میں آنے کا حکم دے

دو اور کمانڈر ہمیں ساتھ آئے تھے کالی آنکھ نے مسکرا کر کہا۔

"میں سمجھا ہیں، آپ کیا کہو رہے ہیں؟"

"بس دیکھنے جاؤ، میں ان دونوں کی رُگ رُگ سے دافت

ہوں۔ حبل دی کرو، کہیں وہ پنج پنج بارخ سے زندگی جائیں۔

"تو کیا وہ یہیں ہیں یہیں ہیں؟"

"ہاں؟ میں یقین سے کہ سکتا ہوں۔"

محض ورنہ دیر بعد ہاں میں دوسو فوجی ایک قطار میں کھڑے تھے،

کالی آنکھ، جیتاں اور وہ ساتوں ان کے ساتھ سے کھڑے تھے۔ ان

کے ساتھ کمانڈر اور اس کا اسٹنٹ جیسی تھے۔

"ان میں سے کوئی سے دو اسپکٹر جیسید اور ایک کامران مزرا

ہیں۔ کالی آنکھ نے گویا اعلان کیا۔

"کیا مطلب... کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فارنگٹن کے دوں

بیتال نے بھجنلا کر کہا :

"اب میں ان سب کے چہرے امونیا سے دھو کر دیکھوں گا۔
ہاں : یہ بھی کرنا ہی ہو گاتا کالی آنکھ بولا۔
لیکن امونیا سے چہرے دھو کر بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ان میں
سے کوئی بھی میک اپ میں نہیں تھا۔

اس کے سوا اپ کچھ ہیں کہا جا سکتا کہ وہ عزور کیں میں
چھینے ہیں کامیاب ہو گئے ہیں، کسی ایسی جگہ جہاں ہمارا خیال ہیں
جاتا۔ یعنی دوسو کے دوسو فوجیوں کو عمارت کے چاروں طرف
پھیلا دو، ان میں سے کوئی بھی پیک تک نہ چپکائے.... دوسرے
کرنل ہارڈی کو فون کر دو، کہیں وہ دونوں کسی طرح والپیا نے
شہر نہ پہنچ گئے ہوں، اس صورت میں کرنل ہارڈی عرف نصیر افر
کا دہان موجود رہنا مناسب نہیں ہو گا۔"

"میں ابھی یہ کام کرتا ہوں.... اور کمانڈر میرے ساتھ اس
نے اپنے نزدیک کھڑے کمانڈر اور اس کے نائب سے کہا۔
"تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔" کالی آنکھ نے ان سے کہا اور
وہ انہیں لے کر پروفیسر داؤڈ کے پاس آگیا۔ انہوں نے دیکھا،
پروفیسر ہوش میں آگئے تھے، ان کی حالت بہت ردی تھی، چہرے پر
مردی دوڑ رہی تھی، ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کے دل ملٹھنے لگے اور
پروفیسر داؤڈ نے بھی انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ پھر ان کے بڑے

تم.... تم... کی میں خواب دیکھ رہا ہوں، کاشی.... یہ خواب نہ ہوئے
یرخواب نہیں ہے پر دفیر اٹکل؛ تم پسک پسک آپ کے سامنے ہیں۔"
لیکن... لیکن جو شہزادہ کہاں ہے، کامران مرزا کہاں ہیں۔
وہ حمارے سامنے تھے، لیکن اب تم نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہیں۔
وف خدا.... اب کیا ہو گا...."

فکر نہ کریں، اب تم یہاں آگئے ہیں۔ اب آپ پر کوئی زیادتی
نہیں ہونے دی گئے۔ محدود نہ کہا۔
اے! تم کیا بھروس کر رہے ہو، بعد تم ہمیں کیسے روک سکتے ہو تو
کہتے میں موجود ایک پھرے وار نے شین گن۔ بلا کر کہا۔
اپنے تیکڑا اور کالی آنکھ سے پوچھو، وہ تمہیں بتایاں گے کہ
ہم کون ہیں۔ فاروق نے منہ بنایا کہا۔
ہم بھی! بتم ان لوگوں کو نہیں جانتے یہ خدا ہی فوج دار ہیں،
ان کا کام ہے ہر معاملے میں زبردستی ملائیک اڑانا.... اچھے بھی منصوبوں
کو ملیں گلانا، لیکن اس بار میں انہیں مٹی میں ملا کر رکھ دوں گا۔
اور ہم مٹی میں مل کر بہت خوش ہوں گے.... آخر کو مٹی کے
نہ ہوئے ہیں۔ فاروق بول پڑا۔ اب وہ شیر ہو گئے تھے،
انکے دیکھ کامران مرزا کا ان کے ہاتھ نہ لگنا انہیں بہت حوصلہ دے
رہا تھا، اگرچہ وہ انکرمند بھی تھے کہ کہیں ان کی ملاقات کسی درندے
با اڑو ہا نما کیڑے سے نہ ہو گئی ہو۔

عقولی دیرہ بعد جیتاں دا پس آتا نظر آیا۔ اس نے کہا،
” میں نے تمام فوجیوں کو عمارت کے ارد گرو پھیلا دیا ہے اب
اگر وہ دونوں ادھر آئے تو اندر داخل ہوتے سے پہلے ہی بکار
جائیں گے:

” بہت خوب! اب ان لوگوں کو بھی ستونوں سے باندھ دیتا چاہیے:
کالی آنکھ خلکہ کہمہ کیونکے یہ لوگ ہیں شرارتیں پھیلات کرنے سے باز
تو یہ آئیں گے نہیں:

” بالکل تھیک یہ کہہ کر جیتاں نے کمرے میں بال بچے رہنے
والے چند فوجیوں کو انہیں ہال میں لے جا کر ستونوں سے باندھنے
کا حکم دیا۔ وہ انہیں جانوروں کی طرح ہانک کرے جانے لگے:
” تم لوگ ہم سے جانوروں جیسا سوک کر رہے ہو، یہ بات
میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ فاروق بولا۔

انہیں ستونوں سے باندھا جاتے رکا۔ اس وقت آفتاب اور آفتاب
نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کر گزرنے کے بارے میں محمود
فاروق اور فرزانہ سے پوچھا، غان رحمان اور صور علی غان کی بھی طے
لی گئی، لیکن ان حالات میں کچھ کرتا مناسب معلوم نہ ہوا، کیونکہ عمارت
کے باہر دوسرے قریب شین گنوں والے موجود ہیں۔ اندر بچہ بگاہ
میں جیتاں اور کالی آنکھ جیسے میں الاقوامی مجرم تھے اور ان کے
سامنے اپنکے کامران حزا اور اپنکے جمیشہ نہیں تھے۔ ان حالات میں

لہی کیا سکتے تھے۔ اور پھر رات کی تاریخی نے انہیں اپنی پیٹ میں لے لیا۔ ہال میں

ذوق بھی نظر آ رہے تھے:

” دلخواہی! ہم سوچیں گے نہیں نہ ہم تو کہا۔

” اندھرے میں دکھیں تک طرف، تم صرف اتنا جلد نہیں کہ سکتے،
تھی ہم سوچیں گے نہیں۔ فاروق نے منہ بناؤ کر کہا، لیکن اندھرے میں

بڑا کوں دیکھتا کہ اس نے منہ بنایا ہے۔

” محوڑ! تم کیا کہنا چاہتے ہو، آخر ہم ستونوں کے سامنے بندے
ہائی کی گوشش کیوں کریں، کیا یہ بتر نہیں ہو گا کہ ہمیں نہیں آجائے،
اس لڑکی کیلئے کیا ہے۔

” گھر دیوں کو کافٹے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آفتاب بڑا ہے۔

” کیا فخر رات میں کس وقت ہمیں حرکت میں آنا پڑتا جائے؟ ” محمود
نے کسی خیال کے تحت کہا۔ اس نے آفتاب کے جھلے کی طرف توجہ
نہیں دی تھی۔

” میرا خیال ہے، محمود تھیک کہہ رہا ہے۔ ہمیں یہ رات جاگ کر

” اُردنی چاہیے: منور علی خان نے بھی زبان کھوئی۔

” لیکن اس طرح رات کس طرح گزرے گی۔

” کیوں نہ ہم اپنے آپ کو ان ستونوں سے آزاد کراتے کی گوشش

کری : فرزانہ بولی ۔

" اس سے کیا ہو گا ؟ خان رحمان بولے ۔

" بہت کچھ ! ایک تو یہی ہو گا کہ ہم پر دفیر انکل کو رسیوں سے لکھا، ملا تو ہو گا تھیں کی کہہ رہا تھا وہ : آفتاب کتا چلا گیا۔ کر سکیں گے ، اس طرح وہ آرام سے یست تو سکیں گے ابے چارے میں یہی نہیں ، کیا گز جاتا اگر مجھے دوچار دن مہمان رکھ لیتے ہیں دن سے ستون سے بند ہے ہوتے ہیں ... مکرور سی جان پر روق مکڑا کر بولا۔

" تو تم رکھ لیتے اسے مہمان : آفتاب بول پڑا ۔

" یار میں بن بلائے مہمان محترانے کا عادی نہیں تھا فاروق نے کہا۔ آرام سے فرش پر یست سکیں گے ر

" بات تو کچھ تھیک ہے : منور علی خان بولے ۔

" کچھ ہی تھیک ہے نا ، بالکل تھیک تو نہیں ، بس مگر میں یہی

عادت بری ہے کہ ہمیشہ کچھ ہی بات تھیک کتا ہے تھا فاروق لکھا۔ یاد ٹرٹر نہ کرو تھا محمود جعلان کر بولا۔

" مہماں اطلاع کے لیے عرض کر دوں ... میں مینڈک نہیں ہوں : فاروق نے غصے میں آکر کہا۔

" میرا بھی یہی خیال ہے کہ فاروق کوئی مینڈک نہیں ہے : آنس

نے موقع پا کر اس کی مانگ لی۔

" اچھا ! نہیں بھی زکام ہوا ہے ۔

پچھلے سال ایک بار مجھے زکام ضرور ہوا تھا ، لیکن میں نے اسے کوئی

ان میتے د

" اس میں مہماں کی قصور بشارت کا کیا حال تھا ، وہ زیادہ پریشان

نہیں تھی : پر دفیر داؤد نے پوچھا۔

" نہیں تو ... خدا کے فضل و کرم سے بالکل صحت مند ہوں اور

"فاروق یا گم... میں... فرزاد نے سلکانی۔

"لگ کر... کیا ہوا تمیں ؟ فاروق نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔ میں نے اپنے ہاتھ کھول لیے تھے۔

"میں اپنا ایک ہاتھ روپوں سے آزاد کرنے میں کامیاب ہوں۔ بہت خوب ! ... سنو ! اب ہمارے عمل کا وقت آگئا ہے.... ہوں۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

"اوہ ! تو دوسرا بھی کیوں نہیں پھردا یعنیں :

"جو شش کر رہی ہوں... دیے اب یہ مشکل نہیں رہتا۔ اس کی پیچے جرتے ہیں... اب نہیں اتنی بیان لانا ہو گا تھا محمود بولا۔ نے ان سب پر خوشی طاری کر دی۔

"بہت خوب ! لیکن تم نے یہ کامیابی کس طرح حاصل کر لی۔

"جب وہ مجھے باندھ رہا تھا تو میں نے اپنا یہ ہاتھ ستوں سے فڑھا کر لکھا تھا، اس نے وحیان نہیں دیا، شاید میرے چھے میں کام عقل فوجی آیا تھا۔

"خدا کا شکر ہے، جس نے تمیں کم عقل فوجی عطا فرمایا، کاش ہمارے

جسے ہی میں عقل کے مارے آئے ہوتے؛ فاروق نے سرد آہ بھری، بھئی کام کرنے والے دو اسے تھے محمود نے بھلا کر کہا۔

"حد ہو گئی، میں اسے کام کرنے سے کب روک رہا ہوں،

مرہ سے باتیں کر رہا ہوں بس تھا فاروق تھا سے بولا،

"اچھا آواز کو قابو میں رکھو، اسے بلند نہیں ہونا چاہیے۔

"تم آواز مانپنے کا آر تو نہیں ہو۔ فاروق جل کر بولا۔

"دھت بترے کی۔ محمود نے ران پر ہاتھ مارنے کی چیز کی، لیکن

انہوں نے ہوئے بھتے رہی وقت فرزاد نے پر جو شش سرگوشی میں کہا۔
انہوں نے اپنے ہاتھ کھول لیے تھے۔

انہوں نے اپنے یقین بھے انکل ! وہ کسی نہ کسی طرح اس جزیرے پر آپکے بیٹھے بیٹھے ہوئے تھے ایک دو سو سینٹن گنڈوں والے فوجیوں کی وجہ سے ابھی تک پکڑ رہیں ہے، وہ ضرور کسی موقعے کی تلاش میں ہوں گے، پھر کیوں

زیر موقع انہیں ہم دیں : محمود کہتا پڑا گیا۔

بات دل کو لگتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ان تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں، ان دو سو کا گھیرا توڑ کر ہم کس طرح جا سکتے ہیں؟
"سب چونک اٹھتے، لیکن کسی کی سمجھو میں نہ آیا کہ پروفیسر خاؤڈ کس ارجمندوں کا گھیرا توڑ سکتے ہیں، تاہم فرزاد نے سب سے پہنچ کی طرف قدم بڑھائے، پھر کچھ سوچ کر انداز سے سے محمود کی

طرف بڑھی۔

"محمود! تم کہاں ہو... آواز دو۔"

"یہاں ہوں تھے محمود بولا۔"

"میں تمہاری طرف آ رہی ہوں، ڈرہ جانا۔"

"کیوں؟ کیا تم تے سا نہیں، پر وفیر انھی کیا چاہتے ہیں؟ پر وفیر کے قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی، انہیں یہ اندازہ محدود نے اسے ٹوکا۔"

"اسی یعنے تو تمہاری طرف آ رہی ہوں۔"

"ادھ میں سمجھا! تم چاؤ لینا چاہتی ہوں۔"

یہ کہہ کر محمود نے اپنا جوتا آگے کر دیا۔ فرزانہ نے اس کے نزدیک پہنچ کر جو تے کو ٹھوٹلا اور اس کی ایڑی لکھا کر نخا سا چاؤ نکال دیا۔ پھر اس نے پر وفیر دادو کی رسیاں کاٹ ڈالیں، اس کے بعد وہ منور علی خان کی طرف پڑھیں اور پھر خان رہمان کی باری آئی۔ اس طرح ایک ایک کر کے اس نے سب کی رسیاں کاٹ ڈالیں اور پھر بولی:

"چاہے ہم کچھ کر سکیں یا نہ، لیکن اتنا ضرور ہے کہ آرام سے لیٹ ضرور سکتے ہیں۔"

"نہیں! ہم ناچھ پہنچا رکھ کر نہیں بلکہ ملکھیں گے: پر وفیر دادو توڑائے اور سب ان کی غراست سکھتے ہیں نہ لکھاںہوں نے تو کبھی انہیں اپنی آواز میں بات کرتے بھی نہیں ساختا۔ پھر انہوں

ببر ناڈو کے قدموں کی آواز سنی: اکل اآپ کہاں جا رہے ہیں؟" ناموش رہو! اس مقام پر میں تم سے زیادہ جانتا ہوں اور اطمینان ہے کہ کیا کر رہا ہے؟" "کیوں؟ کیا تم تے سا نہیں، پر وفیر انھی کیا چاہتے ہیں؟ پر وفیر کے قدموں کی آواز دور ہوتی چلی گئی، انہیں یہ اندازہ نے اسی وقت نہیں ہوتی کہ وہ اس دروازے کی طرف جا رہے تھے۔

امیالا کی اور اس وقت انہوں نے دیکھا، پر دفسر داؤد اسی ریڈیو
لیے ہوئے تھے جو افلام جواہ کی تجربہ گاہ سے اڑایا گی تھا اور
تمدنی احمد کے گھر سے اسکا پڑھنے کے باعث لگا تھا، اس کے
دفتر داؤد کی تجربہ گاہ سے ایک بار چھر جیتالے بجا گا تھا
اب پھر پر دفسر داؤد اسی ریڈیو پر ٹھکے ہوتے تھے۔ وہ ہیران
تھے بلکہ ترہ ترہ تھے۔ وہ اس قدر مخون تھے کہ ان کے قریب چینے کا
انہیں پتا نہ چلا، یہ بھی خاموشی سے لکھتے رہے۔ آخر انہوں نے

کھل جا سمسم

جو نہیں وہ دروازہ کھول کر دوسری طرف گئے، مخدوں نے کہا:

”ہمیں یہاں نہیں عظمنا چاہیے، کیس انکل کسی مصیبت نہ ہو! تم یہاں تک پہنچ گئے، وہیں کیوں نہ مختہ رہے۔“

نہ گھر جائیں۔

”جیسا ہے، آؤ ہم سینے کے بل رنگتے ہوئے چلیں۔“ اس نے اپنے بھائی کا
”کیا ہم بھی تمہارے ساتھ آئیں؟“ غان رحمان نے پوچھا۔

”نہیں؛ آپ دونوں یہیں عظمریں... آپ ہیردنی دروازے کا جان
رکھیں، کیا خبر، کب کوئی ادھر سے آجائے؟“

”اچھی بات ہے، ان معاملات کا جو نک تھیں تجربہ ہے، اسی
ہم دہی کریں گے جو تم کھو گئے تھے غان رحمان نے کہا۔

وہ رنگتے ہوئے دوسرے کرے میں داخل ہوئے تو ہیردنی
ایک میز پر جھکے کچھ کر رہے تھے۔ کرے میں ایک نحشا سا بیب
جل رہا تھا۔ اس وقت یہاں نہ تو وہ یتیں سامنے دان تھے اور
جیتال یا کالی آنکھ۔ انہوں نے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں

”آخر دہ کس طرح مر جائیں گے؟“

”ان پیاسوں کے چھٹے سے کوئی آواز پیدا نہیں ہوگی۔... بس فوجی
رجاہیں گے۔“

”آخر دہ کس طرح مر جائیں گے؟“

گی..... وہ گیس ایک خاص عمل آنا فانا میں خروج کر دے گی... ملائیں
یر وقت ان باتوں کا نہیں، میں تمہیں پھر تفصیل سے بتاؤں گا، اس
وقت تو تم اس غارت کے اور پہنچنے کی گوشش کرو۔
لیکن انکل.... ہاں میں تو ہمیں کوئی نویز نظر نہیں آیا تھا۔ امن
نے کہا۔

"اوپر جانے کا راستہ تمہیں میں بتاؤں گا.... اوپر ساتھ ...
پہلے دن انہوں نے مجھے غارت کی تفصیل پر سے نیچے پھینک دینے کی
دھمکی دی تھی، لیکن میں تے ان کی بات پھر بھی نہیں مانی تھی، اس لیے
اب میں تمہیں اوپر کا راستہ دکھا سکتا ہوں۔"

وہ انہیں لے کر تجوہ گاہ کے ایک کونے کی طرف بڑھتے اور کونے
میں بھی کا ایک بیٹن دبایا۔ اس سے لفت کی مانند ایک دروازہ کھل گی اور
انہیں سڑھیاں نظر آئیں، وہ اوپر چڑھتے چلے گئے، غارت کی تفصیل کافی
بڑھی تھی اور وہ اس پر اسانی سے کھڑے ہو سکتے تھے۔ اوپر پہنچنے
سے پہلے ہی انہوں نے دو دو پلاٹے تیغتم کر لیے تھے۔ وہ غارت
کے چاروں طرف پھیل گئے۔ جھک کر دیکھا تو فوبی چوکس کھڑے
نظر آئے۔ انہوں نے ایک ساخن پلاٹے نیچے پھینک دیے۔ ان
کے گرنے سے صرف اتنی آواز سنائی دی جیسے کاغذ کی گولی گرنے
سے نتائی دیتی ہے۔ انہوں نے فوجیوں کو چونک کر نیچے جیکتے دیکھا اور
پھر وہ اوندوں سے گر گئے مجنہ منٹ کے لیے تڑپے اور بھرا کت

گی.... وہ گیس ایک خاص عمل آنا فانا میں خروج کر دے گی... ملائیں
یرے دقت ان باتوں کا نہیں، میں تمہیں پھر تفصیل سے بتاؤں گا، اس
دریں دروازہ کھونتے کی گوشش کی، لیکن وہ باہر سے بند تھا۔
اہم میں سے کم از کم ایک کا باہر جانا بہت ضروری ہے۔ محمود
نے کہا۔

ابھی تم پانچ منٹ تک باہر نہیں جا سکتے۔ پانچ منٹ سے پہلے
لگجی باہر جائے گا، سوت اسے تھلے لگائے گی۔ پرد فیسر داؤ دیجئے۔
بتہ بہتر انکل! لیکن آخر یہ ایجاد ہے کیا بلا۔... مرکر آن کی آن
میں دوسو کے قریب فوجی درسرے جہاں کو سدھا رکھتے
اسی طرح وہ ہمارے پورے ملک کو سوت کے گھاث آتا رہے۔
کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ پرد فیسر داؤ دنے کے کہا۔

"اوہ! وہ دھک سے رہ گئے۔
پانچ منٹ بعد انہوں نے ایک بار پھر اوپر کا رخ گیا اور
تفصیل پر پہنچے۔

ہم میں سے کون نیچے جاتے ہوں؟ محمود نے کہا۔

سرال یہ ہے کہ جائیں کیسے۔

اگر چلانگ لگا کر بھی جانا پڑے تو جانا ہوگا، کیونکہ جب
تک ہمیں یہ مخلوم نہیں ہو جاتا کہ اتنا جان اور انکل کہاں ہیں اس
وقت ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ آصف نے کہا۔

تفصیل کافی اونچی ہے اور ہمارے پاس کوئی رسی بھی نہیں۔ محمود

اب جو انہوں نے رسی باندھنے کے لیے کسی جگہ، کسی بیرون کا قائل تک آگر کہا۔ کسی بار وہ دیوار کی تو ایسی کوئی پیچرے نہ ملی، آخر الیکٹریک چاروں نے مل کر رسی کو مضبوطی سے آفرخاروں کے ذریعے نیچے حصہ لگا، کسی بار وہ دیوار خام لیا، فاروق نے رسی کو دلوں ہاتھوں سے بھاتا اور نیچے لٹکے مکرا بھی گی، اس کے سر جھی چوتھی لگنی بتا سہم نے اس نے پردا پہنچے بولا:

”دیکھو جسی، ذرا اپنے پاؤں مضبوطی سے فضیل پر جائے رہنا، ایسا نہ ہو کہ میرے پیچے پیچے تم بھی چلے آؤ، اور اگر ایسا پردہ گرام، میں اسی جلتے تو مجھے اعلاء صدر درد سے دینا، تاکہ میں اپنے سر کے بچاڑکے کیتے پکھ کر لوں۔“

”یار اب بائیں ہی بناتے رہو گے یا جاؤ گے بھی؟“ اخواب نے منہ بنانکر کہا۔

”بائیں تو اب فضیل پر کھڑے ہو کر تم بناؤ گے، رہا میں... میں تو دیوار سے ہی بائیں کر سکوں گا۔“

”صفر کرنا، آخر دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں، تمہاری بائیں صفر سے گی،“ صرف نہیں گی، بلکہ مسکراتے گی۔ بھی، یہ بھی ہو سکتا ہے، ایک آدھ تھقہ بھی لگادے، آفتاب چھکا۔

”دیوار کا تھقہ... بھی داہ! یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے،“ اصف نے ہنس کر کہا۔

”بہت زبان چل ہی ہے، باختر نیچے پیچے ہوں، پھر سمجھوں گا۔“

”یار تم جاتے ہو یا ہم یہیں تم سے سمجھنا شروع کر دیں،“ اصف

کی تو ایسی کوئی پیچرے نہ ملی، اس کے ذریعے نیچے حصہ لگا، کسی بار وہ دیوار خام لیا، فاروق نے رسی کو دلوں ہاتھوں سے بھاتا اور نیچے لٹکے مکرا بھی گی، اس کے سر جھی چوتھی لگنی بتا سہم نے اس نے پردا پہنچے بولا:

”دیکھو جسی، ذرا اپنے پاؤں مضبوطی سے فضیل پر جائے رہنا، ایسا نہ ہو کہ میرے پیچے پیچے تم بھی چلے آؤ، اور اگر ایسا پردہ گرام، میں اسی جلتے تو مجھے اعلاء صدر درد سے دینا، تاکہ میں اپنے سر کے بچاڑکے کیتے پکھ کر لوں۔“

”یار اب بائیں ہی بناتے رہو گے یا جاؤ گے بھی؟“ اخواب نے منہ بنانکر کہا۔

”بائیں تو اب فضیل پر کھڑے ہو کر تم بناؤ گے، رہا میں... میں تو دیوار سے ہی بائیں کر سکوں گا۔“

”صفر کرنا، آخر دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں، تمہاری بائیں صفر سے گی،“ صرف نہیں گی، بلکہ مسکراتے گی۔ بھی، یہ بھی ہو سکتا ہے، ایک آدھ تھقہ بھی لگادے، آفتاب چھکا۔

”دیوار کا تھقہ... بھی داہ! یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے،“ اصف نے ہنس کر کہا۔

”بہت زبان چل ہی ہے، باختر نیچے پیچے ہوں، پھر سمجھوں گا۔“

”یار تم جاتے ہو یا ہم یہیں تم سے سمجھنا شروع کر دیں،“ اصف

کی تو ایسی کوئی پیچرے نہ ملی، اب کچھ بھی دیر بعد یہاں موجود ہوں گے۔

”بیسی بیسی!“ اسی کہہ کر محمودتے آتو کی آواز صلن سے نکالی، فوراً ہی ایک دوسری آتو کی آواز نے جواب دیا۔ وہ خوش ہو گئے۔

”ایک دوسری آتو کی آواز نے جواب دیا۔ وہ خوش ہو گئے۔“

”بیسی بیسی!“ اب کچھ بھی دیر بعد یہاں موجود ہوں گے۔

”بیسی بیسی!“ اسی کہہ کر محمودتے آتو کی آواز سنی رسی وقت انہوں نے درختوں کے پیچے قدموں کی آواز سنی اور پھر دھندلی روشنی میں انپکڑ جہشید اور انپکڑ کاران مزا کو اپنی طرف

بڑھتے دیکھا....

ان کے دل خوشی سے اچھلنے لگے۔

ہم اندر پہنچنے کی تیاری کر کچے تھے، تقریباً ایک لمحہ بعد، ہم بالآخرے پاس ہوتے۔ انپکڑ جہشید نے نزدیک آتے ہوئے کہا۔
”وہ کیسے آیا جان؟ فرزانہ کے بھے میں حیرت تھی۔

” تو کیا تم اس خیال میں تھے کہ ہم ماٹھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہوں گے؟ کامران مرزا مسکراۓ، پھر انہیں اندر کے حالات سنائے گے۔
” آخر آپ روحوں کے جزیرے پر سے کس طرح غائب ہو گئے تھے، اور یہاں کسی بھی نہیں۔ فرزانہ نے حیرت زدہ بیٹھے میں پوچھا۔

”جب فائزگ شروع ہوئی اور خان رحمان نے یہ اعلان کیا کہ ہم یہ جنگ ہار جائیں گے تو میں اور کامران مرزا غار کے اندر ہی اندر پہنچنے چلے گئے، اندر یہ غار ایک درڑاٹ کی صورت اختیار کر گی، ہم اس درڑاٹ میں اتر گئے۔ آخر اس درڑاٹ کا سرمندر میں جا کر ختم ہوا، ہم نے کچھ دیر سوچا اور پھر سرمندر میں اتر گئے، فائزوں کی آزادی بدستور آرہی تھیں، ہم پانی کے اندر، ہی اندر لاپخون تک پہنچ گئے، ہم جانتے تھے کہ لاپخون کی تلاشی لی جائے گی، ہچانچہ ہم نے لاپخون کے بچے حصوں کا جائزہ لیا، ان میں بک لگے ہوئے تھے، ہم ان بکوں کو پکڑ کر لٹک گئے، ناک پانی سے باہر نکالیے، یہ کام اگرچہ انتہائی مشکل تھا، لیکن اس کے سوا ہم کو بھی کیا سکتے تھے۔

” ہم تو یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے یہ کام اس ریڈیو سے باہے۔ انپکڑ کامران مرزا مسکراۓ۔
” اور ہو۔ آپ دونوں کو تو بہت کچھ معلوم ہے: پروفیسر داؤڈ بولے۔
” بھی ہاں؛ لیکن یہ باتیں تو پھر بھی ہوتی رہیں گی، پسے ہمیں جیتاں

اور کالی آنکھ کا بندوبست کرنا چاہیے ایکونیج جب تک وہ اُنہاں خیالِ ٹھیک ہے۔ نہیں ہو جاتے اس وقت تک ہم سکون کا سائنس نہیں لے سکتے لگز کر دو اس کمرے میں آئے جے تجوہ پر گاہ کے طور پر گے اور اس کے ساتھ ہی اس رویہ پر بھی قبضہ کرنا ہے۔ اپنے یادا بنا بھٹا، لیکن یہ دیکھ کر دوہک سے رہ گئے کہ اب جمیشہ ہوئے۔

”جیتاں اور کالی آنکھ سے زیادہ ضروری وہ تین سائنس دان

یہں جو پر فیسر افلاک جاہ کی ایجاد پر کام کر رہے ہیں۔

”ادہ اچھا! تو ان کے ساتھ یہاں کچھ سائنس دان بھی ہیں۔ اسکپڑ کامران مزرا نے خراستے اندر چل کر ان سے ملاقات کریں۔

وہ اندر داخل ہوئے، لیکن اندر داخل ہونے سے پہلے ان کا میں کہا: یہ شین گن ہاتھوں میں لے لی تھی۔ اب ان کے سب نے ایک ایک شین گن ہاتھوں میں لے لی تھی۔

”جیشہ! کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم لانچ میں بیٹھ کر اپنے لد چنچ جائیں اور پھر وہاں سے فورس لے کر آئیں۔ اس موقع پر خان رحمان نے مشورہ دیا۔

اس میں خطرہ یہ ہے کہ کسی جیتاں اور کالی آنکھ خبردار نہ ہو جائے اور یہاں سے ایجاد اور سائنس دانوں کوے کہ چیخت نہ ہو جائیں۔ اس طرح یہ ان کی فتح ہو گی اور پھر اپنے ساتھ فوج لے کر آئے میں دوفوں ملکوں کے درمیان جنگ چھڑنے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا، ہم جنگ کا خطرہ کیوں مولیں۔

اور لاپچوں کو آتے دیکھیں تو ان پر فائز کر دیں اور انہیں عرق کر لیں، اگر کسی لانچ سے کچھ فوجی ساحل پر اترنے میں کامیاب ہو لے تو انہیں ہم دیکھ لیں گے، آپ کی طرف سے فائزگ کی آواز اُنداش کریں گے، اگر وہ مل گئے تو ٹھیک، درہ ہم باہر نکل سکتے والے

و شمنون کا سامنا کریں گے، لیکن رسمیں کسی بھی لائیک کو دلیں نہیں بلکہ سن سوال یہ ہے کہ میں کس کے ساتھ رہوں گا، کیونکہ میرے دینا چاہیے، ایسا نہ ہو، یہ لوگ فزار ہونے کی گوشش کریں، میں تو یہاں کوئی بھی موجود نہیں، پر فیصلہ داؤد نے مایوس آواز طرح ہماری اب تک کی ساری گوشش پر پانی پھر جائے گا؛ ایک اور وہ پیش پڑتے۔

”بجیزہ نہایت معقول ہے، منور علی خان میرے ساتھ چھو...“ پلکر جشید سکرائے۔

”بھائی ما تم میں سے کون ہمارے ساتھ چلن پسند کرے گا؟“

”ابا جان؛ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔“ آفتاب بول پڑا۔

”بھائی یوں نہیں..... تم تو ایک دوسرے کے ساتھ کام کرتے ہیں، بغدر اور دیکھنے لگے؛

”اکل! آپ کس چیز کی تلاش میں ہیں؟“
ایک دعاویز کی جسے کھوں کر تم ان لوگوں کے پاس پہنچ سکتے ہیں،
یا اس سے غائب ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اس کرے میں کوئی خفیہ
نہ پڑد رہے۔

”تب پھر ہمارا بھی تبادلہ ہو جانا چاہیے، خان رحمان بول پڑے اور سب چونک ابحٹ۔“

”میرا مطلب یہ ہے کہ تم بھی تو اکثر ایک دوسرے کے ساتھ کام کرتے رہتے ہیں، پھر کیوں نہ میں اسکرٹ کامران مرزا کے ساتھ جاؤں اور منز

علی خان جشید کے ساتھ رہیں؟“

”بھائی داہ! یہ اور بھی پر نطف رہتے گا،“ منور علی خان بولے۔

”بلکن میں گوشش کروں گا کہ سب کے ایک جگہ جمع ہونے تک میں فاروق لسوں نہ ہونے دوں۔“ اس نے کہا۔

ان کی آنکھیں بھی پٹی کی حصی رہ گئیں... مکر سے میں ایک دروازہ

"گویا تم فاروق کی کمی ہو تو اصف نے چوت کی۔

"اڑے نہیں بھی ! متین غلط فحی ہوئی ، میں آفتاب ہوں : " وہ بے ساختہ دروازے کی طرف پکے ، لیکن انپکڑ جشید کی آواز ان انسپکٹر جشید اور پروفیسر داؤڈ مسکراتے بغیر نہ رہ سکے۔ پھر وہ ایک بیوی کی زخیریں گئیں :

ایک دیوار کو ٹھوک بجا کر دیکھتے پھر سے ، لیکن خیزی دروازہ تو اس میں ، خود احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹوڑا
غائب ہتا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ کمرے کی چیت سے ایک پھر وہ خود دروازے کی طرف قدم اٹھانے لگے۔
لٹکا ہوا نہ تھا ، ایک میز اس کے نیچے رکھ کر انپکڑ جشید نے اس کا بیٹا کمال ہے ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دروازہ اس جعلے کے ادا کرنے جائز ہے یا ، لیکن کچھ نہ بنا :

" انکل ! اب تو میرا بھی چاہنے لگا ہے کہ وہی جملہ کہہ ڈالوں : اپنکی شاید کوئی بھی نہ سوچ سکے : اصف بولا۔

" آفتاب کی آواز سنائی دیجی۔

" کیا مطلب ! کونسا جلد انسوں نے حیران ہو کر کما۔

" ہو گا کوئی اوٹ پلانگ جملہ ... کسی اپنے جعلے کی ایسی تو اس سے کیا پروفیسر داؤڈ کھوتے کھوتے انداز میں بوئے۔
دکھنا فضول ہے ۔

" تو میں تم سے کب امید رکھنے کی جیگا ملک رہا ہوں : آفتاب

جل کر بولا۔

" تم نے وہ جملہ نہیں چلتا یا ز منور علی خان بوئے۔

" جی وہی ... کھل جا سکم سکم ۔

انپکڑ جشید کو ہنسی آگئی ، لیکن فوراً ہی ان کا من مارے ہیت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اہنیں حیران دیکھو کر آفتاب ، اصف اور پروفیسر داؤڈ نے بھی اس سمت میں دیکھا ، جس طرف انپکڑ جشید دیکھ رہے تھے

" یہ ہیں چاہنے کی ایک چال ہے اور ہم چھنتے پر مجرور ہیں ، میرا خیال ہے ، بیتال ٹاکھوں اور پیروں کی بجائے عقل سے زیادہ کام لیے گا خادی ہے ، رہا کالی آنکھ ، وہ میں ہی کسی بات میں کم ہے ، لہذا

مان ظاہر ہے کہ دروازہ انسوں نے خود بخود کھولا ہے۔

اے ان کے منزست ایک ساتھ نکلا۔

انپکڑ جشید کے قدم آہستہ دروازے کی طرف اٹھنے پار دل ان کے پچھے چلنے لگے۔ ان کے باختوں میں سین گنوں کا ان اب دروازے کی طرف ہو چکا تھا۔

جنگ کا پیروی

یہ ایجا ہوا کہ آپ ہمارے ساتھ آگئے، آپ کو بھری جنگ
انجہ تو ضرور ہو گا۔ انپکڑ کامران مرزا نے خان رحمان سے کہا۔
”بھی بالکل ہے، آپ فخر نہ کریں۔ خان رحمان بولے۔
وہ ایک لائچ میں سوار ہو چکے تھے۔ آتے ہوئے جس قدر
لیں گئیں لا سکتے تھے، لے آتے تھے اور اب خان رحمان انہیں لائچ
لائن حصوں میں سیٹ کر رہے تھے۔

”لیکن اس دوسری لائچ کا کیا کیا جائے؟ محمود نے پوچھا۔

”یہ انکل خان رحمان بتائیں گے۔ فرزانہ بولی۔
”ایک ترکیب تو یہ ہے کہ ہم دونوں لائچوں کو آپس میں باندھ
یں، دوسری ترکیب یہ ہے کہ اس لائچ کو جزیرے کے دوسری طرف
راصل پر باندھ دیا جائے، تاکہ ضرورت پڑنے پر ہمارے کام آسکے۔
”لیکن وہم بھی تو دوسری طرف پہنچ سکتے ہیں۔ انپکڑ کامران مرزا نے

”فرماں کیا۔
”ہاں! یہ بھی طبیک ہے، چلیے بھر انہیں ایک دورے سے باندھ دیتے ہیں۔“

لائچ پر دوسرے موجود تھے۔ ان کی مدد سے لائچیں باندھ دیں
اور خان رحمان نے نئے سرے سے انہیں سید کرنا شروع کر دیا۔ فاروق بول پڑا۔

”انکل! یوں لگتا ہے، جیسے ہماری سادی عمر جنگ کرتے گز لگی
فاروق نے سرد آہ بھری۔

”یہ زندگی گزارنا اپنے آپ سے جنگ کرنا ہے، آدمی دشمنوں کے خلاف
جنگ کرتا ہے رہتا ہے، اپنے علاقوں میں بھے آتے ہیں۔ فاروق بولا اور اپنکا
جنگ کرنا زبادہ بڑا جماد ہے، یعنی دنیاوی خواستات کے علاقوں
کرنا، لیکن سوال یہ ہے کہ اب اور دشمنوں کے حملہ اور ہونے کی تہذیب کیلئے کیا ہے؟
ایکو بھی بیرون کا نہیں جنگ کا پیر ٹھیک ہے؟ خان رحمان
امید کر رہے ہیں؟ خان رحمان نے کہا۔

”تجویہ گاہ سے اچانک دیڑپوکم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں ان
کے ریاست کھولی لینے کا علم ہو گیا ہو گا، انہوں نے باہر نکل کر بھی
دیکھا ہو گا اور پھر سے پہ موجود فوجیوں کی لاشیں دیکھ کر وہ سب
پہنچنے کے لیے اور فوجی طلب کریں گے... اپنکا کامران مزدراں سے۔

”اگر وہ پوری بٹائیں لے کر ہم پر ٹوٹ پڑے تو کیا ہو گا؟ خان
رحمان نے بھراہٹ کے عالم میں کہا۔

”اس وقت آپ کا فوجی تجویہ کام آئے گا۔ اپنکا کامران مزدراں کیلئے۔
”انکل! آپ محکمنہ ہوں، ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں اور خدا ہم بے
کے ساتھ ہے، کیونکہ یہ جنگ اس۔ یہ کے پیسے بھی تو ہے، ملا جاؤ
وہ لوگ دراصل اسلام کے دشمن ہیں اور جیتنے مسلمانوں کو شکن کرنے کا

”ہوشیار! وہ لوگ آڑ ہے ہیں، ابھی انہیں معصوم نہیں کہ ہم نے
آن کی لائچیوں پر قبضہ کر لیا ہے، لہذا حمد کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔
اگر ہم نے عظیم عجیب نشانے نہ لگائے تو وہ ہمارے سر پر آ

جاں گے اور اس وقت ان کا مقابلہ کرنا بہت دشوار ہو گا۔ اول نے پوری فضائی کو اپنی پیٹ میں لے لیا۔ درہ رام جھان کے
ٹھیک ہے، ان سے بخاری جنگ پہلے ہی شروع ہے۔ ایک ساتھ تینوں لاپچوں سے شعلے اٹھتے
ہمیں انتظار کرنے والے کارنے کی صورت بھی نہیں، یوں بھی ہم اب بھتے اور بچھر انہوں نے دشمنوں کو سندھ میں چلا گئیں گکتے
کے مقابلے میں آٹے میں نک کے برابر ہیں۔ اسکر کامران مرزا بھائی، پیشکاروں بھتے... اور تیرتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہتے
لپٹنے پسے مورپھے پر پہنچ ہائی، جونہی لاپچیں زد پر آئیں گی میں۔ بسند کے پانی میں ابھرے ہوتے سروں پر گویاں برسانے لگے۔
کروں گا۔ خان رحمان بولے اور خود بھی اپنے مورپھے پر ڈٹ نہ کر، ہوا کر اجنبی ٹک، ان پر فائزگ نہیں کی تھی۔ اگرچہ
ان کے مقابلے میں ہم اس لحاظ سے محفوظ ہیں کہ ساحل پر یا اوری تندہ سے فائزگ کر رہے ہتے اور دشمن بھی بہت تیزی
ہماری لاپچیں ڈوبتے لگیں یا ان میں آگ لگ لگی تو ہم جزیرے پر دشمن کے گھاٹ اتر رہے ہتے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دشمن
چلا گئیں لگا سکیں گے، اس صورت میں درختوں کو اپنا موجہ بنایاں گے۔ فرزن سے ان کے نزدیک بھی آر ہے ہتے اور جب انہوں نے
خان رحمان نے گویا ہدایات دیں۔

باکل ٹھیک، اس دوران شاید ادھر سے اسکر جیش دیز، بھائی کا اشارہ کیا۔ انہوں نے دشمنوں سمیت ایک ساتھ چلا گئیں
ہمارے ساتھ شامل ہو چاہیں۔ اسکر کامران مرزا بولے۔
”ہوشیار! دشمن ہماری زد پر آنے ہی والا ہے... بیک وقت یعنی
لاپچوں پر فائزگ ہو گی۔ خان رحمان نے تیز آفانے میں کہا۔
اور وہ پوری طرح دشمنوں کی لاپچوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کے
دل دھک دھک کرنے لگے، آنے والے لمبات بہت نازک ہتے، وہ
سوچ رہے ہتے، اگر ان کے نشانے غلط بیٹھے تو کیا ہو گا۔ اسی وقت
خان رحمان نے اشارہ کیا اور فائزگ کھوی دیا۔... ان کے ساتھ ہی
اسکر کامران مرزا، محمود، فاروق اور فرزانہ نے جو یہی کہا۔ ترا اترا کی
روشنی اور تیزی سے بخاری کر دیں، میں چاہتا ہوں، جب یہ ہم تک پہنچیں تو۔

ان کی تعداد کم سے نکم ہوئے وہ چلاتے رہے۔

کے سر پر آئیں، انہوں نے دیکھا، اس وقت بھی ان کی تعداد سو لئے آبائیں، درنہ تھیں جھونڈا، لا جاتے گا۔
تریب تھی، اگر وہ ان کے ہاتھ مک جاتے تو وہ ان کے لکڑے اڑا دیتے جوں دو، سہم ہاتھ اور نہیں اٹھائیں گے؛
میں کہا اور درختوں درختوں پیچھے ہٹنے لگے۔ دشمن فوجی بھی اب درختوں نکلے توہین کی بوچھاڑ نکلی اور ان نے سینوں میں سوراخ ہو گئے، منہ
پیٹھ گئے تھے، انہوں نے بھی آڑ لے لی، جکل فارول کی آوازوں سے پیچھے چلے گئے۔
گوبنخن الملا

ایوگ ہمیں گھیرتے کی فکر میں ہیں، تعداد میں زیادہ ہونے کی
دسم سے یہ کام ان کے لیے مشکل نہیں۔ اب بچت کی ایک بھی صورت
ہے: خان رحمان کی آوازان کے کاؤنٹ سے مکرا کی۔

”اوہ وہ کیا ہے؟ اپنے کام کامران مرزا بولے“ کیا یہ کہ ہمیں عمارت کی
طرف بڑھتے رہتا چلے ہے۔
”باقی کامران مرزا کیا ہے؟“
”اب اپنی دیکھ دیا تھا۔
زین پر لیٹ جائیں۔ اب کھڑے رہنا خطرے کو دعوت دینا ہے“
”وہ سینے کے بل لیٹ گئے، یہی نے فائز کرتے ہوئے عمارت کی
رنگ کھلنے لگے۔ ایک ایک آواز نے انہیں گڑا ڈپڑا دیا:
”تم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر دیا گیا ہے، اب بھی وقت ہے،
وہ عمارت کی طرف مر کنے لگے۔ یہ سلسہ کافی دیر تک جاری رہا۔ اگر

انہیں عمارت کے آثار نظر آتے لگے۔ اچانک اپنے کامران مرزا نے اپنے
پیچھے آہٹے سئی۔ وہ چونک کر پڑنے اور دھک سے رہ گئے۔ دو دشمن ان
کے بالکل نزدیک کھڑے تھے۔ ان کی ٹیکنیکیں ان کے سینے کی طرف الٹی
لیں۔ پیچھے کی طرف اگرچہ دشمن ابھی تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہوا

۔ اپنے آپ کو سمارے جاوے کر دو۔
انہوں نے دیکھا، آواز اوپر سے آئی تھی۔ گویا دشمن کا ایک آدمی
دشت پر چڑھ کر یہ اعلان کر رہا تھا۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے کہ کیا
کے بالکل نزدیک کھڑے تھے۔ ان کی ٹیکنیکیں ان کے سینے کی طرف الٹی

بھا، تاکم میں طرف وہ صرور بھا۔ فرزانہ نے اچانک میں لا جوں والا قوت آفتاب نے بھتا کر کھا۔ اور پر اعطا فی اور فائز کھوں دیا۔ فوراً ہی درخت پر سے ایک اب انکل اب ہم ان لوگوں کو کہاں ملاش کریں، یہ جیتال اور کالی شاخوں میں الجھتا گرتا نظر آیا۔

"دہ ماہا، محمود چلا یا۔ سماحتہ ہی اس پر فائز گیا گیا، لیکن ادٹ ڈرپک تو نہیں ہیں۔ میں ہونے کی وجہ سے دہ پیغ گی۔"

جب سے دشمنوں نے درختوں کی ادٹ لی بھی، ان کے مرنے کی عجی شین گئیں ہیں۔ انسپکٹر جشید نے کہا اور پھر ان کے کان کھڑے رفتار بہت کم ہو گئی بھی اور یہ بات خان رحمان کی پریشانی میں ماری بھی۔ اچانک انہیں ایک نئی سوچی سامنوں نے اپنے سامنیوں کی ایک خفیہ اشارہ کیا اور وہ فائز نگ بند کر کے عمارت کے دروازے کی طرف کھکھلنے لگے۔

"جی! کیا مطلب؟"

"مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ باہر فائز نگ ہو رہی ہے، شاید جنگ شروع ہو گئی ہے، ہو سکتا ہے، الپکٹر کامران مرازا اور ان کے سامنیوں کو ہماری مدد کی ضرورت ہو، لہذا میں اور پر فیصل صاحب یہاں پہنچتے ہیں، آپ تینوں ذرا فضیل پر چڑھ کر جائزہ لے آئیں... اور انہیں مدد کی ضرورت ہو تو پھر واپس آنے کی ضرورت نہیں، وہیں

مشہر کران کی مدد کریں۔"

"بہت بہتر انکل! آفتاب نے کہا اور آصف اور منور علی خان کے سامنے دروازے سے باہر نکل گیا۔

"اداب ہم یہاں تنہارہ گئے، بھی سڑ جیال اور کالی آنکھوں... تو دہ بے چارہ یہاں کہاں بے آصف بولا۔

دروازے سے گزر کر دہ ایک اور ہال میں داخل ہوئے۔ لے ذرا یعنی دم کی طرز پر سجا یا گیا تھا، لیکن یہاں کوئی بھی ہیں بھاگ کرے میں پائے دیوار گیر الماریاں نسبت بھیں۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، میں زمین کھا گئی یا پھر اسمان نکل گیا؛ آفتاب نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن زمین میں کوئی سوراخ تو نظر نہیں آ رہا، باقی رہا آسمان تو دہ بے چارہ یہاں کہاں بے آصف بولا۔

اب تو سامنے آجائوں ॥ انپکڑ جشید سکرا کر بولے۔

ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی الماریوں کے دروازے اپ سکراتے ہوتے باہر نکل پڑتے۔ ان کے ماتحتوں میں کوئی ہمچیار نہیں تھا۔

لیکن یہ اتنی دیر تک چھپے رہنے کی ضرورت تھی۔

تمہاری بے بسی کا تاشہ دیکھتا چاہتے تھتے، ان الماریوں میں لگے شیشوں میں سے ہم سب کچھ دیکھ رہے تھے جب کہ باہر سے ان کے اندر کا حال نہیں دیکھا جا سکتا۔

بہت خوب! چلو اچھا ہے تم یہ بسی کا تاشہ دیکھ چکے، اب

چنان تک ہمارا اندازہ ہے، باہر تمہارے ساختوں کو گھریا گی ہے، یکونجھ ہم نے دوسروں اور فوجوں کے لیے پیغام دیا تھا اور گولیوں کی آفازوں سے صاف غایہ رہے کہ وہ آچکے ہیں۔ جیتاں نے کہا۔

پہلے تو یہ بتائیں کہ اس مہم کا انچارج تم میں ہے کون ہے؟

جیتاں! میں تو صرف مددگار کے طور پر شامل ہوا ہوں تھا کافی آنکھ نے کہا۔

بہت خوب! گویا ہمارے مذکور کی ایجاد جیتاں صاحب اپنے

کے لئے جانا چاہتے ہیں..... بلکہ ان تین سائنس دانوں کی مدد سے اسے بڑے بیانے پر تیار کرنے کی گوشش ہو رہی ہے، لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔

تمہاری حیثیت ہی کیا ہے انپکڑ، چینویں کی طرح مسلسل ہے جادوگی کی وجہ پر کیا کہتے ہیں، اگر یہ بات حقیقی تو اتنی دیر چھپے کیوں بھئے؟

بیٹا یا نا۔ بے بسی کا تاشہ... جیتاں بولا۔

ادھ سمجھا! تم تو اپنے بیپ کا انتقام لینے آئے ہو نا۔

لہذا مجھے سکا سکا کر مارنا پسند کر دے گے: انپکڑ جشید سکراتے۔

تم پھیک سمجھے، اسی یہے تھیں گھر گھر کر ہیاں لا یا گیا ہے،

درز تمہارے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہو پاتا کہ ہم نے اپنا سیاہ

کوڑا ہیاں بنایا ہے: جیتاں بولا۔

اور مظر کالی آنکھ چونکہ جیراں کے دوست تھے، اس یہے یہ تمہاری

ددر کے دوستی کا حق ادا کرنا چلہتے ہیں۔

یہی بات ہے: لیکن صعیdet یہ ہے کہ شیئن گئیں اس وقت ہمارے ماتحتوں میں

ہیں: انپکڑ جشید نے کہا۔

اگر یہ بات ہمارے یہے صعیdet کا باعث ہوتی تو ہم انہیں تمہارے

ماتحتوں میں ہرگز نہ رہتے دیتے ہیں کالی آنکھ بولا۔

گویا شیئن گئوں کی گویاں نہیں نقصان نہیں پہنچائیں گی۔

"بچو بکر کے دیکھو تو :

انپکٹر جشید اس سکھیل کو طحل دینا نہیں چاہتے، لیکن تو اس وقت وہ سب دہمن ملک کی حدود میں رکھتے۔ چنان سے انہیں برابر حد پہنچ سکتی تھی جب کہ ان کے ملک والوں کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں، لہذا انہوں نے گولیوں کی بوجھاڑ ان پر ماری، وہ اپنی جگہ اٹیمان سے کھڑے رہے۔ گولیاں ان کے جسموں سے تنگا کر فرش پر گریں۔ جیتاں اور کالی آنکھ نے بہت طویل تھقہ لکایا۔ سانس دان بھی نہ دی سے ہے۔

"بہت خوب! اب ہیرے اور پہ و فیر صاحب کے مخلاف تم لوگوں کے پاں کیا ہمچاہر ہے؟" انپکٹر جشید نے کوئی پیدا نہ کرتے ہوئے پوچھا۔
"ہمیں ہمچاہر دل کی صزورت نہیں، ہمارے ہاتھ پر، ہی ہمارے یہ کافی ہیں تھے جیتاں نے کہا۔

"اب تک ہماری ذہانت کے کارنا می دیکھتا آ رہا ہوں، اب ہاتھوں اور پیر دل کی تیزی اور طاقت بھی دیکھنا چاہتا ہوں..... آ جاؤ، ہو جائیں دو دو ہاتھ تھے انپکٹر جشید بونکے۔

"لیکن میں چاہتا تھا کہ ہمارے پچے بھی ہماری مرمت کا قاتل دیکھیں اور وہ اس وقت ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔"

"اگر تم یہی چاہتے ہو تو میں انہیں لے آتا ہوں۔"

"نہیں! ہم بھی ساتھ ہی چلیں گے۔ تم لوگوں سے کھلے میدان میں

اوہ ما تھکر کے مزا آئے گا۔ جیتاں نے کہا۔

"بہت خوب! یو نہی سی۔"
اسی وقت کمرے میں ایک سرخ بلب بننے اور سجنے لگا۔ جیتاں فراز ایک میز کی طرف بڑھا اور اس کی اوزان کھول کر منہ اس کے قریب کرتا ہوا بولا:
"سیلو... جی... جی باں... مدد ہنچ چکی ہے، اب اور فوج کی اگلی صزورت نہیں، یہ لوگ اب ہمارے ہاتھ سے بچ کر نہیں جاسکتے اور"

اس نے دراز بند کی اور ان کی طرف مڑا۔ پھر وہ اس کمرے نے تکل ایک عجیب سے احساس ہوا۔ گولیوں کی تڑاڑڑا اس وقت بالکل بند تھی جب کہ اس سے پہنچ مسل جاری تھی، جیتاں اور کالی آنکھ نے ایک

دسرے کی طرف دیکھا اور پھر جیتاں نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، ان لوگوں کے ساتھی پکڑ یہے گے ہیں۔"
گولیوں کی آواز سنائی نہ دینے کا تو یہی مطلب ہے۔" کالی آنکھ نے اس کی تائید کی۔

"خیر اپر جل کر دیکھ لیتے ہیں۔"

انہوں نے ٹیڑھیوں کی طرف قدم بڑھائے، ہی تھے کہ اوپر سے کچھ لوگوں کے اترنے کی آواز سنائی دی۔

اب انہوں نے خفیل پر کافی چھپلاؤ اختیار کر لیا اور تاک تاک کر گویا
برسانے لگے۔ اچانک خان رحمن بولے:

”سب لوگ عقطر جائیں... میں ایک اندازہ لگانا چاہتا ہوں۔“
انہوں نے فائزنگ روک دی۔ خان رحمن کامن لگا کر کچھ منٹ کی
کوشش کرنے لگے، پھر انہوں نے دب آواز میں کہا:

”یا تو تمام دشمن ختم ہو گئے ہیں یا صرف چند باقی ہیں اور وہ دبک
لئے ہیں۔“

”یہیں وہ چند ہمارے یہے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں... کہیں وہ
لانچینیں نہ لے جائیں اور فوج نے آئیں۔“ فرزانہ نے خطرہ ظاہر کیا۔

”تمہارا خیال ٹھیک ہے، لیکن تم فکر نہ کرو، ہم انہیں لانچینیں لے
جانے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔“ کہہ کر خان رحمن شیخے جانتے کے
یہے تیار ہو گئے اور ان سے بولے:

”دوس منٹ بعد تم چاروں طرف فائزنگ شروع کر دینا، کیونکہ وہ
منٹ بعد میں گویوں کی پہنچ سے دور نکل جاؤں گا۔“

”انکل! کیوں نہ ہیں بھی آپ کے ساتھ چپوں۔“ محمد بولا۔

”ٹھیک ہے! تم آجائو، باقی یہیں رہیں گے۔“
دوزوں نے سیئین گئیں اٹھائیں اور سیڑھیاں اتر کر نیچے پہنچ گئے
پھر انہوں نے بغور ادھر ادھر دیکھا۔ چاند نکل آیا تھا اور اس کی روشنی
ہیں وہ چھپے ہوئے دشمنوں کا اندازہ لگا سکتے تھے۔ لیکن کہیں کوئی

سائنسِ دالوں کا بندل

انپکٹر کامران مرزا، خان رحمن کو محمود، فاروق اور فرزانہ دروازے کے
قرب پہنچے ہی تھے کہ عادت کی خفیل سے گویوں کی بوچاڑ مار لی گئی۔
جھنگل میں کئی پنجھیں گوئیں اٹھیں۔

”اے! یہ اور سے کون فائزنگ کر رہا ہے؟“ خان رحمن بولے۔

”ہمارے ہی ساختی معلوم ہوتے ہیں۔“ محمود نے کہا۔
وہ جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ کر اور پہنچے تو دیکھا کہ آفت،
آصف اور منور علی خان سیئین گئیں سینحاں گویوں بر سارہے ہیں۔

”بہت خوب! تو یہ آپ لوگ ہیں، لیکن انپکٹر جیشد اور پر فیر صاحب
کہاں ہیں؟“ انپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

”وہ چیتال اور کالی آنکھ کی تلاش میں نیچے ہی رہ گئے ہیں اور
آپ لوگوں کی مدد کے لیے انہوں نے ہمیں بیجع دیا، ہم نے آپ لوگوں
کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ لیا تھا، اس سے دشمنوں پر فائزنگ
شروع کر دی کہ وہ آپ کا راستہ کامنے کی کوشش د کر سکیں۔“ آصف نے کہا۔
”بہت خوب! تم لوگ میں وقت پر آئے۔“ انپکٹر کامران مرزا خوش ہو کر کہا۔

نفلز آیا، آفرودہ جنگل میں پہنچ گئے اور تیزی سے دوڑنے لگے۔ یہاں
تک کہ ساحل پر پہنچ گئے، پھر جو ہنسی انہوں نے لائپنگ پر قدم رکھا، اس
کا ابن گھر گھرا نہ لگا۔ دونوں بوکھلا گئے۔ اپکر کامران مرزا فوراً اینہن دم
کی طرف لے کے، محمود نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اچانک وہ زور سے اچھے
اور گرتے گرتے نیچے، کسی نے ان کی ٹانگوں میں ٹانگ اڑانی بھی، محمود
کے ساتھ بھی ہوا، وہ دھرم سے گرا۔ دونوں سنجھلے تو شین گئیں
ان کے ساتھ سے نکل چکی تھیں سامنوں نے دیکھا، ایک فوجی لائپنگ شارٹ
کر رہا تھا، باقی وہ ان پر سین گیش تانے کھڑے تھے۔ بس یہ کل تین
ہی تھے۔ اور تینوں ہو میں ڈالیے ہوئے تھے۔

”کیا بات ہے، ماہیر... تم لائپنگ کیوں نہیں چلا گئے، اب یہ لوگ
چارے زد پر ہیں“

”تم.... مجھ سے نہیں چل رہی.... میرا ہاتھ شاید بے کار ہو گیا ہے۔“
”تب تم ہست او، میں چلتا ہوں۔“ مارے... تم اینہیں دیکھتے رہنا
”ٹھیک ہے؛“ تم فکر نہ کرو، بلکہ ہم اینہیں ختم ہی کیوں نہ کریں۔
”مرٹر جیتاں کا حتم ہے کہ اینہیں زندہ گرفتار کرنا ہے۔“

اچانک اپکر کامران مرزانے ان پر چلانگ لگا۔ وہ ساتھ ہی مسدود
نے خود کو زمین پر گرا دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو کوئی نہیں نے اس کا جسم
چھینی ہو جاتا۔ اپکر کامران مرزا ان دونوں سے ملکوتے ہوئے دوسری
ٹرف نکل گئے۔ گرتے گرتے ان کی انگلیاں ٹریگروں پر دب گئیں۔ اس

انت اپکر کامران مرزا اڑے اور ان میں سے ایک کے ہاتھ سے شین گئی
لپٹی، دوسرے نے فار کرنا چاہا، لیکن محمود نے فوراً دونوں لاتیں اس
کے سر پر دے میں، وہ دیکھتا ہوا دوسری طرف اٹ گی۔ اپکر کامران
مرزانے فار گل کر کے انہیں سوت کی نینہ سلا دیا۔

”اب لاپچوں کو کوئی خطرہ نہیں، میرا جیاں ہے، یہ تینوں ہی باقی نیچے
تھے؛ اپکر کامران مرزا بوئے۔“

”بھر بھی ہمیں کوئی ترکیب کرنی چاہیے کہ کوئی آسانی سے ان لاپچوں
کو کے جانے سکے...“

”تم میک کہتے ہو، آؤ ہم انہیں رسول کے ذریعے باندھیں۔“
دونوں نے لاپچوں کو مضبوطی سے بادھا اور عمارت کی طرف چل پڑے۔
ہر لفڑ لاشیں بکھری ہوئی ہیں۔ وہ یہ دیکھتے ہوئے گزرتے رہے کہ کہیں
کوئی فوجی زندہ نہ ہو اور گرا بڑھنے کر دے۔

”ولیسے ہمیں ایک آدمی کو لاپچوں پر چھوڑنا پڑے گا۔“
”انکل ٹان رحان یا سور علی خان کے بارے میں کیا جیاں ہے۔“
”میک ہے، وہ دونوں ہی مٹھیک رہیں گے۔“ اپکر کامران مرزا اسکا
لاتے میں انہیں کوئی فوجی ایسا نہ لاجیں میں زندگی کے آثار ہوں۔
آخر دہ عمارت کے دروازے تک پہنچ گئے، فضیل پر موجود سماحتیوں کو
وہ پہنچے ہی اشارہ کر پکے تھے کہ یہ وہ ہیں۔ محتواڑی دیر بعد وہ ان
کے ساتھ فضیل پر کھڑے تھے:

"اگر ہیں ایک منت کی دیر ہو جاتی تو لاچیں تو ناچھ سے گئی ہی ہیں
و شمن کی طرف سے ایک اور بیان آجاتی اور ہمارے یہے مشکلات بہت
بڑھ جاتیں تھیں نے بتایا۔

"بھائی بہت خوب! پھر تو یہ خیال عین وقت پر آیا۔ خان رحمان نے کہا
"ہاں! اور اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ لاچوں پر کم از کم دو آدمی فرن
ہونے چاہیں۔"

"میں رہی وقت بانے کے یہے تیار ہوں یہ خان رحمان بولے۔

"آپ کے پیچے ہم منور علی خان کو بھی روانہ کر دیں گے۔
ٹھیک ہے، ہم لاچوں کو ہر حال میں اپنے قبیلے میں رکھیں گے،
آپ فخر نہ کریں۔ یہ کہ کر وہ ان سے رخصت ہوئے۔

"اور اب چونکہ ہم دشمن فوجیوں سے فارغ ہو چکے ہیں، اس یہے
ہمیں انپکڑ جشید اور پروفیسر صاحب کی مدد کے تینے چلنے چاہیے۔ انپکڑ
کامران مرزا بولے۔

"بانکل ٹھیک ہے۔"

وہ سب پڑھیاں اترنے لگے..... اچانک انہوں نے محسوس کیا، پسچھو
سے نیچے بھی کچھ لوگ موجود ہیں۔ وہ چوکتے ہو گئے، شین گنیں پیتا کر
اعظیاط سے نیچے اترنے لگے۔ اور پھر انہوں نے ایک حیران کن منظر دیکھا،
انپکڑ جشید اور پروفیسر داؤ، جیسا کہ اونٹھ کر سانس دانوں کے ساتھ
کھڑے تھے۔

○
اتا جان، کیا آپ کس ان لوگوں کے ساتھ صلح ہو گئی؟ فاروق نے

حیران ہو کر پوچھا۔

، نہیں بھی؛ ان لوگوں سے صلح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
لیکن آپ کھڑے تو بالکل دوستوں کی طرح ہیں۔ آفتاب بولا۔
کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ تم ناؤ، محاذ پر خاموشی کیوں ہے۔

لیکن اسکو ختم ہو گیا ہے۔ انپکڑ جشید بولے۔

بھی نہیں۔ دشمن ختم ہو گئے ہیں، ہم نے سب کو ڈھیر کر دیا ہے۔
میں نہ کریں۔ یہ کہ کر وہ ان سے رخصت ہوئے۔
میں اب جیسا اور کالی آنکھ کے منہ سے نکلا۔ یعنیوں سانس دانوں
کے زندگ اڑ گئے۔

"یہ جھوٹا ہے، ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایک سانس دان چلایا۔

، ایسا ہو چکا ہے، دردناک گویوں کی آذانیں کیسے رک سکتی ہیں،
جب کہ ہم زندہ ہیں اور ان کے قبیلے میں بھی نہیں آئے؟ فرزانہ کہا۔

"اوہ؟ جیسا کہ مٹھلا کا کھدا رہ گی۔

، جناب! یہ بھی بھی ہمارا کچھ نہیں پکڑ سکتے۔ میں اور فوٹ بلاٹا۔
ہوں۔ ایک سانس دان نے کہا اور اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"مٹھرو! ہم بزدل نہیں ہیں اور نہ ان کے مقابلے میں کمزور ہے جیسا
نے چلا کر کہا، لیکن اس سانس دان نے جیسے ساہی نہیں۔

"محمود، فاروق... اگر یہ دائر لیس سکے پہنچ گی تو ہمارے لیے اور بہت خوب! یہ ہوا مردool والا وعدہ، آخر ہونا جیوال کے بیٹے، مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ انپکڑ جشید نے جلدی سے کہا۔ یہ ل کی صحبت کا کچھ تو اثر ہونا ہی پاہیے: انپکڑ جشید خوش ہو کر بولے۔ اور اگر میکت کھائے تو تم کبھی اپنے دل نہیں جاسکو گے۔ اور آصف بھی زرہ سکے۔ وہ بھی ان کے پہنچے دورے۔

چھر ہم کریں گے بھی کیا جاکر۔ انپکڑ کامران مرتضیٰ بولے۔ بہت خوب! اب سوال یہ ہے کہ ہم بچوں اور سائنس دانوں کا تنظار کروں یا اپنا فیصلہ کریں۔ جیتاں نے کہا۔

اگر تم بچوں کی موجودگی میں کچھ بہت محسوس کرتے ہو تو ابھی آجائو۔ لیکن میں پہلے سائنس دان کو حکم عدالتی کی ضرور دوں گا۔ جیتاں نے سرد آفاز میں کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ یہ خود ہی اُپس میں تھنتے رہیں گے، اگر ہمارے سائنس دان جیت گئے تو فارلیس استعمال کر لیں گے، ورنہ نہیں۔ اور اب بھی ان لوگوں کو قابو کر لیتا جائے۔ کامی آنکھ نے کہا۔

"باہکل ٹھیک انکل!"

ہل میں اب جیتاں اور کامی آنکھ ایک درج کھڑے مختے، جب کہ انپکڑ جشید، انپکڑ کامران مرتضیٰ، پروفیسر داؤد اور منور علی خان دوسری طرف مختے۔

"یہ خان ردن نظر نہیں آہے۔ ہے انپکڑ جشید کو خیال آیا۔

"وہ لاپخوں کی حفاظت کر رہے ہیں؟"

"سنو! انپکڑ... اگر تم لوگوں نے مجھے اور میرے انکل کو ملکت دے دی تو ہم خود تمہیں لاپچیں پیش کریں گے اور عزت اور اکام کے ساتھ روانہ کریں گے۔"

ہمارا بھی یہی خیال ہے، تب ہم ان کا انتظار کریں گے۔ بلکہ پہنچیں گے۔

ہمارا بھی یہی خیال ہے، تب ہم ان کا انتظار کریں گے۔ اپنی کی طرف چلتے... ذرا دیکھیں تو سبھی وہ کیا کر رہے ہیں۔

محفوظ اور فاروق بیٹے سائنس دان کے پیچے دوڑتے ہیں اور جب باقی دو سائنس دان بھی دوڑ پڑتے تو باقی ان کے پیچے کے ہیں۔ فرزان اور فارون نے جلد، سر اگلے سائنس دان کو جایا اور اس کی مانگلی پڑھ کر گھیٹ میں۔ وہ بل کھا کر پڑھ اور ان دونوں پر ٹوٹ پڑا۔ محمود کے مزہ بر اس کا زور دار مکا لگا اور فاروق کے پیٹ میں ٹانگ، دونوں رُدھر پڑتے، وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سائنس دن آتا طاقت وہ بھی ہو سکتا ہے۔ ان کی رُدھر اہست سے سائنس دان نے فائدہ اٹھایا اور پھر بھاگ نکلا۔ اسی وقت دونوں سائنس دان بھی گزرتے چلتے تھے۔ فوراً ہی فرزانہ ان کے قریب سے یہ لکھتے ہوئے گزر گئی۔

”ازام کے لیے تم نے اچھا دقت چنا ہے۔“

محفوظ اور فارون بھلا گئے اور آندھی اور طوفان کی طرح بھاگ گئے۔ اسی آفتاب اور آصف بھی ان تک پہنچ گئے۔ اب تینوں سائنس دان سے اگے ہتھے اور ان کے پیچے فرزانہ، وہ چاروں اس کے پیچے۔ دوڑتے دوڑتے وہ تجربہ گاہ میں پہنچ گئے۔ پہلے سائنس دان نے اندر پہنچتے ہی رہ جانے ایک میز پر کیا کہ وہی دروازہ منودار ہو گیا اور اس نے اس میں چھلانگ لگا دی۔ باقی دو کے چھلانگ لگانے سے یہی فرزانہ نے بھی

لے انتہائی بیسی چھلانگ کا مظاہرہ کیا اور پہلے سائنس دان کی عین کمر کے پیچے پہنچ گئی۔ آنے پیچے دوڑتے ہوئے وہ اندر ونی کر کے میں داخل ہو گئے۔ تینوں سائنس دان ایک ساتھ اس میز کی طرف بڑھتے ہیں کی

دراز میں واپسی سیت موجود تھا۔ محمود چھلانگ کر آگے بڑھا اور ان میں سے ایک کی ٹانگ پکڑ کر گھیٹ لی، وہ تو زان پر قرار نہ رکھ سکا اور اونچے مزگرا، لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے محمود کی پینڈل پکڑ لی اور اسے دونوں احتوں کے شکنچے میں دبانے لگا۔ ادھر فاروق نے دوسرے سائنس دان کی کمپنی ایک ٹانگ کر رسید کی، وہ چھلانگ مردا اور دیاں ہاتھ زور سے گھایا۔ یہ ایک فاروق کی بجائے اصف کے کندھے پر لگا۔ اس نے اچھل کر سر کی نکار اس کی ٹھوڑی پر رسید کی۔ فرزانہ نے ایک چھلانگ لگانی اور تیرے سائنس دان کی گردان سے ٹک کی۔ اس نے اس پر بھی دراز تیرے سائنس دان کی گردان سے ٹک دیا۔ محمود کی پینڈل پر دباؤ برابر بڑھ رہا تھا، اس نے بے چین ہو کر دوسری ٹانگ مودی اور گھٹنا اس کی ٹھوڑی پر رسید کر دیا، اس کے منہ سے گھٹی گھٹی ایک چیخ نکل گئی، گرفت دھیلی پر رسید کر دیا، اس کے منہ سے گھٹی گھٹی ایک چیخ نکل گئی، اس نے اس وقت تک نہ پھوڑا جب تک کہ وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو گیا۔ دوسرے سائنس دان نے فاروق اور اصف کو ہنگمنی کا ناپے سنجایا ہوا تھا، وہ کم بخت بہت بہت طاقت در تھا۔ محمود ان کی مدد کے لیے

بڑھا اور دامیں ہاتھ کی بڑی اس کے سر پر رسید کی رچھر وہ ہڈی مارتا چلا ہو فرزانہ اچھتی رہی ، ہیاں تک کہ تکیت سے اس کی چینیں نکلنے لگیں۔
گی ، اس پر جنون کی کیفیت سوار ہتھی۔ آخر دوسرا سائنس دان بھی بے دم میں کتا ہوں ، اس تکھیں کو ہلدی ختم کر دے کہیں ابا جان دغیرہ ہو کر گر پڑا۔ اس طرح فاروق اور اصفہ کو بخات ملی۔ فرزانہ قیروں سائنس دان کی گردان سے جونک کی طرح چست کی ہتھی اور ہاتھوں سے آفتاب چھٹا ہوا ہتھا۔ پھر انہوں نے عجیب منظر دیکھی کہ سائنس دان تھبلا کر چکر کا ٹھنا شروع کر دیا ، آفتاب اور فرزانہ اس کے ساتھ ٹکھوئے تھے۔

طرف بڑھیں :

” فرزانہ بحث ” محمود نے چلا کر کہا اور خود بھی آگے بڑھا۔ فرزانہ چونک کرم ہڈی اور سائنس دان کے سینے پر بیٹ کر اس کی گردان دوپول ہاتھوں سے دبایی اور پھر دباؤ ڈالتی چلی گئی۔ محمود نے آگے بڑھ کر اس کی ٹھانٹھیں قابو میں کر دیں۔ اب وہ بالکل بے بس ہو گیا ہتھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے سارے کس بل نکل گئے اور وہ بے سده ہو گیا۔ تینوں سائنس دانوں سے فرصت پا کر انہوں نے ہاتھ جھاڑے اور

ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔

” ہمیں ان تینوں کو باندھ دینا چاہیے اور وائر لیس کو بے کار کر دینا چاہیے تاکہ رابطہ قائم کرنے کا اسکان ہی ختم ہو جائے ” ” محمود نے تجویز پیش کی۔

” بالکل صحیک ” فاروق نے کہا اور دراز کھول کر اس میں سے بیٹ نکال کر فرش پر پیٹھ دیا۔ وہ تکڑے تکڑے ہو گیا۔ تجویز کاہ میں رسی موجود تھی ، انہوں نے اس سے تینوں کو اچھی طرح جکڑ دیا اور واپس مڑے۔

” اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی آنکھیں دی ہیں..... دیکھو لو کی کہ ہی ہوں اور بہتر ہو گا کہ تم بھی آ جاؤ ” آفتاب اور فاروق بستور اس سائنس دان کے ہاتھ پکڑے ہے۔

یہ دیکھ کر ان کے امتحنے قدم رک گئے کہ بب لوگ اس طرف آہے
تھے۔ انہیں آتے دیکھ کر فاروق نے چمک کر کہا :
”سامنہ داؤں تک بندل تیار ہے۔“

پانچ دیواریں

”ویری گڑا! میں اسید نہیں بھتی کہ تم ان پر اتنی آسانی سے قابو پا
وگے، خیر جو ہوا اجھا ہوا، اب نہ ہمیں کوئی مدد مل سکتی ہے، نہ تمیں
تم لوگ جیت گئے تو لاپھیں تمہاری، تم ان پر بڑی خوشی سے اپنے
ملک جاسکو گے، صورت دیگر تمہاری قبریں اس جزیرے پر بنیں گی اور
اپنے جشید کی قبر میں میں ایک کتبہ لگاؤں گا جس پر لکھا ہو گا، منے
وابے شخص سے میں نے اپنے باپ کا بدکرایا ہے۔“

”لیکن مرٹر جیتاں! ہمارے عزیز رشتہ دار ہماری قبروں پر یہاں
کس طرح آیا کرس گے، یہ تو بڑی مشکل ہو جائے گی۔“ فاروق نے
مسی صورت بتا کر کہا۔

”ہاں یہ تو ہے، بخیر میں تمہاری لاشوں کو ایک لامپ میں ڈال کر
تمہارے ملک کے ساحل تک پہنچا دوں گا، البتہ اس طرح میں کتبہ
نہیں لگا سکوں گا۔“ جیتاں بولا۔

”آپ فکر نہ کریں مرٹر جیتاں، کتبہ ہم خود لگا دیں گے۔“ فاروق نے کہا۔

”گریا تم مرنے کے بعد بھی کارنلے انجام دینے کا ارادہ رکھتے ہوئے۔“

آفتاب نے مذاق اڑانے والے بچے میں کمار

ہاں بکیا حرج ہے، انسان کو کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہنا چاہیے، وقت ابھا گزرتا ہے، قبر میں بھی آنزو دقت تو گزارنا ہی پڑے گا ز فاروق نے جواب دیا۔

"تو یہ ہے تم سے، بات کو کہاں کا کہاں لے جاتے ہو، محو نے من بنایا۔

"واقعی! اس وقت ہمیں بات کو نہیں، محمود کو کہیں کہیں لے جانا پاہتے تھا۔ فاروق بولا:

"آپس میں فیصلہ کرنے سے پہلے کیوں نہ ایجاد پر بات ہو جائے۔ کسی حد تک تو ہم جان پکے ہیں، باقی بھی اگر معلوم ہو جائے تو بہتر ہے: ان پکڑ کامران مرزا بولے۔

"اس کے بارے میں تو تم اپنے پر دفتر سے معلوم کرو۔"

"ہاں ہمیں بتا سکتا ہوں.... سب کچھ بتا سکتا ہوں.... افلک جاہ نے آج سے تقریباً دس سال پہلے ایک سالے میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ایک ایسی گیس ایجاد کی جا سکتی ہے جو آسکیجن کو فوری طور پر جذب کرے اور جس جگہ وہ استعمال کی جائے۔ اس جگہ کے تمام جاندار آتا فاتا میں ہلاک ہو جائیں، اسی وقت سے انہوں نے اس تجربے پر کام شروع کر دیا۔... جیتاں کے ملک کے سائنس دانوں نے بھی اس مضمون کو پڑھ لیا اور ان کی حکومت نے کچھ بساوسوں کو افلک جاہ کی نکرانی پر لٹکا

دیا۔ واضح رہے کہ یہ ساری کہانی مجھے جیتاں نے ہیاں لانے کے بعد ستائی تھی، ہاں تو افلک جاہ ایک ریڈیو کی صورت میں اس ایجاد کو چھوٹے پیمانے پر تیار کرتے ہیں کامیاب ہو گیا۔ ریڈیو نما یہ آلم اس کیس کو بناتے رکا، جونہی افلک جاہ اس میں کامیاب ہوئے انہوں نے موجوداً کہ اگر اس ایجاد کو بڑے پیمانے پر تیار کر دیا جائے تو یہ علی سطح پر کام آسکتی ہے، فاص طور پر جگہ کے دنوں میں یکن ابھی وہ بڑے پیمانے پر اس تجربے کو دہرانے کا خیال ہی دل میں لائے ہے کہ جیتاں نے ان کی ایجاد کو اڑا لیا، دراصل جیتاں کا خیال یہ تھا کہ ایجاد کا کوئی فارمولا صفر در ہو گا جس کی مدد سے وہ خود نہیں آسانی سے اسے تیار کر سکیں گے، ادھر افلک جاہ نے مجھے اس ایجاد کے بارے میں ایک خط لکھ دیا۔ انہوں نے خط مجھے تک پہنچنے سے پہلے ہی اڑا لینے کی گوشش کی، یکن آفتاب کی بات کہ خط آخر کا رجھ تک پہنچ ہی گیا اور پھر ایجاد بھی میری ہاتھوں میں آگئی۔ میں نے افلک جاہ کا خط بھی پڑھا اور اس ایجاد کو بھی دیکھا۔... یکن ابھی مکمل طور پر جائز نہیں لے پایا تھا کہ جیتاں دونوں چیزوں کو لے اڑا اور ساختہ ہی مجھے بھی اختوا کر لایا۔ ہیاں ہتھ سے تین سالہ ان میں موجود تھے۔ اس نے ایجاد اور خط ان کے حوالے کیا، یکن خاک بھی سمجھ میں نہ آیا، فارمولا کے بغیر وہ کوئی کیا سکتے تھے، انہوں نے مجھ پر بھی ستم توڑے، یکن میں بھی فارمولا کے بغیر بحلا کیا کرتا، البته اس ریڈیو نما

آلے کو استعمال کرتے کا طریقہ ان سامنے دالوں نے ضرور معلوم کر لیا اور اس کے ذریعے گیس کی گیندیں یا پٹانے بنانے لگے۔ انہوں نے شاید چکارے شہر کے کچھ لوگوں پر انہیں آزمائ کر بھی دیکھا اور وہ مردہ پائے گئے ہوں گے۔۔۔ یہ اب اس فکر میں رکھتے کہ اسے بڑے چیزے پر تیار کیا جائے تاکہ پوری کی پوری سلم آبادی کو ملیا میٹ کر دیا جائے، لیکن ان کے لیے الجھنی یہ ہوئی کہ پروفیسر افلاک جاہ نے فارمولہ تکمیل نہیں لکھا تھا اور میرے خیال میں انہوں نے یہ بہت عقل مندی کی تھی: پروفیسر داؤڈ یہاں تک کہ کر خاموش ہو گئے۔

”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ پہلی شکست تو انہیں پروفیسر افلاک جاہ کے ہاتھوں ہی نصیب ہو گئی الگ جھے انہیں ان لوگوں نے موت کے گھاث انار دیا تھا۔ محمود پولہ۔

”ہاں! لیکن اس ریڈیوغا آلے کو ساختے رکھ کر یہ بہت جلدی سے پیمانے پر تیار کرنے میں کامیاب ہو جاتے، بلکہ انہوں نے پچاس میٹھہ کامیابی حاصل کر گئی ہے۔۔۔ ان میزول پر نصب شدہ آلات ان کی صرف تین دن کی محنت کا نتیجہ ہیں اور اس سے ظاہر ہے، یعنی چاروں اور لگائیں کے بعد یہ کامیاب ہو جاتے۔ پروفیسر بولے۔

”اھہ! پھر تو ہم بال بال نیچے: انپکٹر کامران مرزا کے منہ نکلا۔ ”نیچے کہاں ہو کامران مرزا! اب تم لوگ ہمارے شکنے میں ہو، دیکھونا، سیکھن گنوں کی گویاں ہمارا کچھ بکاڑا نہیں سکتیں، ہاتھوں

پیروں کی جنگ کی اس مرتبہ ہم زبردست تیاری کر کے آئے ہیں، کیونکہ

-

ہمیں تم لوگوں سے یہاں بدلہ بھی چکانا ہے۔ جیتاں بولا۔

”اچھا جمالی چکا لینا بدلہ.... کچھ اور چکانا ہو تو وہ بھی چکا لینا ہشتما

-

سودا، جھکڑیا، معاملہ دھیرہ دعیرہ۔ آتی ب نے جلدی جلدی کہا۔

”بس بس! اس وقت ان یاتوں کا وقت نہیں ہے۔۔۔ ہم دشمن

-

ملک میں موجود ہیں۔ آصف نے کہا۔

”ہاں واقعی۔ دشمن ملک میں اردو کا پیر ٹھیٹ تو ہونا ہی نہیں چاہیے۔

-

فاروق نے سر بلایا۔

”دھت تیرے کی۔۔۔ پھر شروع ہو گئے یہ لوگ۔ محمود نے محلہ

-

کر ران پر ہاتھ مارا۔

”مر جیتاں! وقت صائم کرنے سے کیا حاصل، آؤ ہم اپس میں

فیصلہ کر لیں، تمہیں مجھ سے جیوال کا بدلہ لینا ہے۔ لہذا میں اور تم مقابلہ کیے لیتے ہیں، انپکٹر کامران مرزا کالی آنکھ سے زور آزمائی کر لیتے ہیں۔

”لیکن آتا جان! ہم کی کمیں گے۔ فرزانہ نے مایوسانہ لمحے میں کہا۔

”مجھی تم لوگ تاشا دیکھنا، کیونکہ اپنے اپنے حصے کا کام تو تم پہنے ہی کر چکے ہو اور پھر مرض جیتاں اور مرض کالی آنکھ اپنے بچوں کو بھی تو ساختہ نہیں لاتے، ورنہ تمہارا مقابلہ ان سے کرا دیا جاتا۔

انپکٹر جمیش کی بات پر وہ سب مکرائے بغیر نہ رہ سکے، جیتاں

کو البتہ عفستہ آگی، اس نے کہا: «سنو انپکٹر! یہ لڑائی دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فرقی کی مکمل شکست تک جاری رہے گی.... اور یہ شکست موت کی صورت میں ہوگی، آج یا ہم دونوں نہیں، یا تم سب نہیں، وہ سجنحاو مجبے، میں آرہا ہوں۔ جیتاں یہ کہتے ہی اچھلا اور ہوا میں گویا اڑتا ہوا ان کی طرف آیا، وہ سب بوکھلا کر ادھر ادھر ہٹ گئے، اتنی لمبی چھلانگ ان کے بیٹے حیران کن محتی، اتنا ہم وہ بردقت ادھر ادھر ہٹ گئے تھے۔ اس یہے جیتاں آگے نکلتی چلا گی، وہ اس کی طرف پلٹے۔ «انکل! پچھے!» فرزانہ نے چلا کر انپکٹر کامران مرزا سے کہا، وہ بجلی کی سی تزی سے مرتے۔ اتنی دیر میں کالی آنکھوں کے سر پر پسخ چکا تھا۔ دراصل سب لوگ کچھ اس طرح اچانک جیتاں کی طرف مرتے تھے کہ کالی آنکوں کا خیال بھی نہیں رہا تھا، اس نے اس موئی کو صائع نہیں کیا اور انپکٹر کامران مرزا پہ چھلانگ لگا بیٹھا، تاہم فرزانہ کو سب سے پہلے یہ خیال آیا کہ کہیں کالی آنکھ پچھے سے مورڈ کرنے، اس یہے وہ فوری طور پر مژی متحی اور عین اسی وقت کالی آنکھ نے چھلانگ لگائی تھی۔ انپکٹر کامران مرزا اگر بر دقت نہ مرتتے تو اس دفت چاروں شانے چت ہوتے اور کالی آنکھوں کے اور پر ہوتا۔ انہوں نے اسے دونوں ہاتھوں پر روکا اور اس گوشش میں ان کے اپنے قدم بھی اکھڑ گئے، وہ منور علی خان سے ٹکرائے، منور علی خان جیتاں کی طرف

رہ کیے کھڑے تھے۔ بنسحل نہ کے اور دھڑام سے گرتے۔ «بھی یہ کیا مذاق ہے؟ انہوں نے جھلکا کر کہا یا میکن پھر پچھے مڑ کر دیکھتے ہی معاشرے کی نزاکت بجاں گئے اور بولے۔ «اوہ! یہ مذاق نہیں، یہ تو سمجھدی ہے۔» «مرٹر کالی آنکھ! کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ پہلے انپکٹر جیشید اور جیتاں میں فیصلہ ہو یعنی دیا جائے۔» «اگر تم یہی چاہتے ہو تو یونہی سی!» «اس طرح ہم سب کی توجہ ایک طرف ہے گی۔» «یکن کامران مرزا.... اس طرح ہمیں اس جزیرے پر زیادہ دیر لگ جائے گی، جب کہ ہماری گوشش یہ ہوئی چاہیے کہ یہاں سے جلد از جلد چل دیں، پروفیسر داؤد بولے۔» «اپ کا خیال بھی ٹھیک ہے؛ انپکٹر کامران مرزا بولے۔» «اور ہاں! ہم ایک کام تو بھولی ہی گئے۔ ہمیں ان تمام آلات کو تباہ کر دینا چاہیے، پروفیسر بولے۔» «اوہ! میں یہ کام سُرتا ہوں، منور علی خان نے کہا اور آلات کی طرف دوڑے، فوراً ہی کالی آنکھ ان کے راستے میں آگیا اور بولا: «میں ایس کرنے کی اجازت نہیں دوں گا، اس ایجاد سے ہم دونوں کے ملک یکساں فامدہ اتحادیں گے؛ یہ کہتے ہی اس نے ان کی مخنوڑی پر ایک مکارے مارا، منور علی خان تیزی سے بھکے، میکن مکا پھر بھی ان کے

کند ہے پر لگ گیا، اور وہ مت کے بیل فرش پر گرے۔ فوراً ہی انپکٹر کامران میں کے تھے۔ انپکٹر کامران مرزا بھی یہ دیکھو کر اپنے اوسان بحال میں سے ہوئے۔ اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور کالی آنکھ سے نکرائے منور علی خان اٹھ کھڑے ہوئے اور ان آلات تک پہنچ گئے۔ بس پھر کیا تھا، انہوں نے دلخواہ دار ایک کرسی اٹھائی اور کئی بار آلات پر دے چکنا چد ہو گئے۔

اب میں منور علی خان کو بہت اذیت ناک موت مار دیں گا۔ کالی آنکھ دھڑا اور پوری وقت سے کام میں کر انپکٹر کامران مرزا کو دونوں ہاتھوں پہ اٹھا یا پھر پلک جھپکنے میں، انہیں منور علی خان پر بھینک مارا۔ منور علی خان اور انپکٹر کامران ایک دوسرے میں الجھ کر گرے، لیکن پھر فوراً ہی انپکٹر کامران مرزا اٹھ کھڑے ہوئے۔ کالی آنکھ کو شاید ان سے اس قدر پھرتی کی امید نہیں تھی، لہذا ایک بار پھر جلائے ہوئے انداز میں ان کی طرف بڑھا۔

دوسری طرف جیتاں نے پھر لمبی چھلانگ کا منظہرہ کیا، اس بار انپکٹر جشید نے اس کی پیٹ میں آنے کی پوری گوشش کی، لیکن ان سے انداز سے کی غلطی ہوئی، جس طرف انہوں نے رخ کیا، جیتاں پسے ہی چھلانگ کا رخ اس طرف کر چکا تھا اور پورے زور میں ان سے ملکرایا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھے اور ہال کی دیوار سے ٹکرائے۔ ان کے ملکرائے کی آداز پورے ہال میں گوئی کر رہ گئی۔۔۔ سب نے بوکھلا کر یہ منتظر دیکھا، لیکن اس سے کہیں زیادہ تکلیف وہ بات یہ تھی کہ انپکٹر جشید

تھی کہ اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور کالی آنکھ سے نکرائے منور علی خان اٹھ کھڑے ہوئے اور ان آلات تک پہنچ گئے۔ بس پھر کیا تھا، انہوں نے دلخواہ دار ایک کرسی اٹھائی اور کئی بار آلات پر دے چکنا چد ہو گئے۔

اب میں منور علی خان کو بہت اذیت ناک موت مار دیں گا۔ کالی آنکھ دھڑا اور پوری وقت سے کام میں کر انپکٹر کامران مرزا کو دونوں ہاتھوں پہ اٹھا یا پھر پلک جھپکنے میں، انہیں منور علی خان پر بھینک مارا۔ منور علی خان اور انپکٹر کامران ایک دوسرے میں الجھ کر گرے، لیکن پھر فوراً ہی انپکٹر کامران مرزا اٹھ کھڑے ہوئے۔ کالی آنکھ کو شاید ان سے اس قدر پھرتی کی امید نہیں تھی، لہذا ایک بار پھر جلائے ہوئے انداز میں ان کی طرف بڑھا۔

دوسری طرف جیتاں نے پھر لمبی چھلانگ کا منظہرہ کیا، اس بار انپکٹر جشید نے اس کی پیٹ میں آنے کی پوری گوشش کی، لیکن ان سے انداز سے کی غلطی ہوئی، جس طرف انہوں نے رخ کیا، جیتاں پسے ہی چھلانگ کا رخ اس طرف کر چکا تھا اور پورے زور میں ان سے ملکرایا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھے اور ہال کی دیوار سے ٹکرائے۔ ان کے ملکرائے کی آداز پورے ہال میں گوئی کر رہ گئی۔۔۔ سب نے بوکھلا کر یہ منتظر دیکھا، لیکن اس سے کہیں زیادہ تکلیف وہ بات یہ تھی کہ انپکٹر جشید

تھی کہ اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور کالی آنکھ سے دیکھا، کالی آنکھ ملکرایا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھے اور ہال کی دیوار سے ٹکرائے۔ ان کے ملکرائے کی آداز پورے ہال میں گوئی کر رہ گئی۔۔۔ سب نے بوکھلا کر یہ منتظر دیکھا، لیکن اس سے کہیں زیادہ تکلیف وہ بات یہ تھی کہ انپکٹر جشید

ہاتھ کیک لخت پھوڑ دیا اور وہ کسی لگے چکلے کھونے کی طرح دیوار کی زندگانی انکل با آپ تھک گئے ہوں تو میں کامران مرزا کے مقابلے میں چلے، تاہم انہوں نے اتنا ضرور کیا اپنے ہاتھ اور پیر دیوار کی طرف کی، کیونکہ میر شکار تو بھتی بیند سو رہا ہے: یہ، اس طرح ان کا جسم دیوار پر ٹھکرا سکا، پھر بھی وہ دیوار سے نہیں بھیجتا، ان سے میں بنت لوں گا، تم اپنے شکار پر نظر پورے زور سے تکرا کے فرش پر گرے، ایک بھے کو اپنی زمین گردانہ، ابھی تھیں، اپنا استھام بھی پورا کرنا ہے میہر نہ بھجوں۔ کرق محسوس ہوئی۔

”لو بھی! یہ دونوں تو گئے کام سے، ان کے باقی سا بھیوں میں اچانک کالی آنکھ نے ایک نئی حرکت کی۔ اس نے دونوں ہاتھ اتنی ہمت کیاں ہو گئی کہ ہمارے مقابلے پہ آئی۔“ یہ بائک غلط ہے، ہم وہ نہیں جو موت سے ڈر جاتے ہیں... ان مرزا کے سینے پر مارے، وہ بربی طرح لڑکھڑائے، لیکن ایسے میں ہم آخر دم تک تم لوگوں سے لڑیں گے: محمود نے گرج دار آواز میں اس کی ایک ٹانگ ان کے قابو میں آگئی بھتی، انہوں نے تیزی ”بھڑو محمود! ابھی مجھ میں کچھ سکت باقی ہے: انپکڑ کامران مرزا، پہنچی کھانی، کالی آنکھ کا جسم بل کھا گیا۔ انپکڑ کامران مرزا نے کی آواز سن کر وہ ایک ساختہ ان کی طرف مرٹے اور پھر چونک لٹک۔ ہی بار ٹانگ مورٹنے پر بس نہیں کی، بلکہ مورٹتے چیلے گئے، پھر ان کا چہرہ بہت خوفناک لگ رہا تھا۔ انکھیں شعلے برسا رہی تھیں... وہ دیوانوں کے سے انداز میں ایک ایک دم احتہاتے کالی آنکھ کی بچھے افسوس ہے انکل! میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا، جب تک طرف بڑھے۔ کالی آنکھ کی انکھوں میں بھی حیرت کے دیے جلکھا اتھے۔ اپ ہاتھ پر ٹوٹا کر اپنی بے بسی کا اعلان نہ کر دی۔ اس وقت شاید اسے امید نہیں بھتی کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں گے، تاہم اس نے مذاق اڑانے والے بچھے میں کہا:

بہت خوب! رہے سے حواس گم کرنے کے لیے آئے ہیں شایدہ، تو میں کب تھیں مدد کے لیے بلا رہا ہوں۔ کالی آنکھ کے بچھے دیکھ کر ان کے سر پر سیدھے ہاتھ کی ضرب ماری مگر وہ پھر قی سے اپنے جلا مہٹ بھتی۔ اس کا جسم بربی طرح تھا ہوا تھا، اچانک اس دیکھ کر کھسک گئے۔ جیتاں قدر سے فاصٹے پر کھڑا اس منظر کو

نے کسی نہ کسی طرح دوسرا پیر انپکٹر کامران مرزا کے سر پر دے مارا، میں لے آئے۔
 دارکاری لگایا ان کے ہاتھ سے اس کی ٹانگ نکل گئی۔ وہ دونوں
 منز پر رکھ کر فرش پر اکٹوں بیٹھ گئے کالی آنکھ نے انہیں موقع
 مناسب نہ بھا اور انہیں بالوں سے پکڑ کر سیدھا کر دیا، وہ بے بسی
 اس کے ہاتھ میں جھونٹنے لگے۔ ایسے میں ان کے ہاتھ چھے پر
 ہٹ گئے۔ دوسرے ہی لمحے آفتاب اور آصف کے حق سے چھپنے
 لگیں۔ ان کا چھرہ نوہمان ہو رہا تھا۔ باقی بھی برقی طرح بے پین
 ہو گئے اور پھر انہوں نے ایک حرث انگریز منظر دیکھا۔ کالی آنکھ
 کھڑے کھڑے اچانک یچے گرا تھا، ہوا صرف یہ تھا کہ انپکٹر جنہیں
 اپنا دیاں پیر اٹھا کر جوتے کی نوک کالی آنکھ کی ینڈل کی ہڈی پر
 پوری قوت سے ماری تھی اور ان کے جوتے کی نوک پر فولاد کی
 ہٹی چڑھی ہوئی تھی، کالی آنکھ کے گرتے ہی انپکٹر کامران مرزا
 اسے چھاپ بیٹھے۔ انہوں نے اس کی گردان دونوں ہاتھوں میں جکڑ لی،
 کالی آنکھ اپنی ٹانگیں اٹھا کر ان کے سر کی طرف لایا، تاکہ سر کو ان میں
 جکڑ کر انہیں اچھال چھینکیں، لیکن کامران مرزا اس کے جسم کے بالکل
 سامنہ چپک گئے اور کالی آنکھ یوری گوشش کے باوجود بھی انہیں
 ٹانگوں میں نہ جکڑ سکا۔ دوسری گوشش اس نے یہ کی کہ اپنے ہاتھ ان
 کی کلاسیوں پر جا دیے اور ان کے ہاتھوں کو لگائے سے ہٹانے کے لیے
 زور صرف کرنے لگا، انپکٹر کامران مرزا بھی اپنی پوری طاقت بازوؤں

سب کے سب دم سادھے کھڑے تھے جیتاں کے چھرے کی ریگیں بھی
 اس منظر کو دیکھ کر تن گئی تھیں، وہ اگر چاہتا تو آگے بڑھ کر انپکٹر
 کامرانی مرزا کی گرفت سے کالی آنکھ کو نجات دلا سکتا تھا، لیکن اس
 نے اپنی جگہ سے حرکت تک نہ کی اچاہک کالی آنکھ کے منہ سے
 چھپنی چھپنی آواز نکلی:

”م... میں.... جیتاں.... میں۔“

مجھے انسوں پے انکل بیہ معابدے کی خلاف درزی ہو گی، اس
 موقع پر میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا، ماں آپ کے مرنے کے بعد
 ہزار میں ان سے نہست ہوں گا۔“

”آپ ٹیک کتے ہیں، لیکن میں جیوال کا بیٹھا ہوں، لوگ مجھے ملاشا
 کا زرزر کتے ہیں، میں نے اپنی عقل سے کام لے کر تھا اس حکومت
 کا تختہ الٹ دیا تھا، میں نے بڑی بڑی حکومتوں کے راز حاصل کر کے
 اپنی حکومت کر دیے ہیں، لیکن اصول کی خلاف درزی کبھی نہیں کی۔....
 مجھے آپ کی سوت پر انسوں ہو گا انکل لیکن میں آپ کی مدد نہیں
 کر سکا، یہ میرے ہموں کی موت ہو گی ... یہ میری سوت ہو گی۔“

”نہیں... جیتاں.... نن....؟“

کالی آنکھ کے منہ سے دوسرا نہیں نہ نکل سکا۔ اس کی آنکھیں باہر

کو اب ایش، زبان منہ سے باہر نکل گئی۔ پھر اپنے کم اس کے پورے بدن میں ایک بھر بھڑی دوڑی..... ابی ہر ٹی آنچھوں سے اس نے انپکٹر کامران مرزا پر آخری نظر ڈالی..... ان پر اس وقت جنون کی حالت طاری تھتی، یوں لگتا تھا جیسے ان کے سارے جسم کی طاقت صرف ہاتھوں میں سمٹ آئی ہو..... اور کالی آنچھ کا بدن دھیلا پڑا گیا۔ انپکٹر کامران مرزا نے اس پر بھی اس کی گردن میں چھوڑی کہ کسی مکر نہ کر رہا ہو، اور جب پورا ایک منٹ اور گزہ گیا تو جیتاں کے الفاظ ان کے کھاؤں سے مکرائے!

"اب یہ مر گئے ہیں کامران مرزا، انہیں چھوڑ دو، میرے انکل کو چھوڑ نے میرے باپ کو اس طرح مرتے دیکھا تھا جس طرح میں نے آج انہیں دیکھا ہے۔"

جیتاں کی آفانہ بھرا گئی۔ انپکٹر کامران مرزا نے کالی آنچھ کی گردن چھوڑنے سے پہلے دل کی دھڑکن محسوس کرنے کے لیے اپنا صرف ایک لمحہ تھا اور کان اس کے دل پر رکھ دیا..... کوئی آواز منانی نہ دی۔ آخر وہ اسے چھوڑ کر اکٹھا گئے۔ ان کے قدم لڑکھڑاے، یوں لگا جیسے اب گرے کہ اب گرے، ان کی یہ کیفیت دیکھ کر سمجھی لوگ بوکھلا ایٹھے، کیونکہ اگر وہ گر جاتے تو بازی جیتاں کے ہاتھ تھتی، کیونکہ وہ یہ بات محسوس کر چکے تھے کہ وہ کچھ کر دیں۔ جیتاں سے مقابلہ ان کے بس کا روگ نہیں تھا، اگرچہ اس صورت میں بھی انہیں زندگی کے آخری سانس

ل اس سے لڑنا تھا۔
دو چار قدم روکھڑا کر انپکٹر کامران مرزا دھڑام سے گرسے، ساتھ ہی جیتاں کے صلق سے ایک طویل قہقہہ یوں اب پڑا جیسے پھاڑ سے کوئی چشمہ اپنے کام کرے، قہقہے کی آواز نے دیواروں کو گویا جھینجھڑ کر رکھ دیا.... وہ آتنا لمبا تھا کہ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے اب کسی جھی ختم ہی نہیں ہو گا۔ یہاں تک کہ جیتاں کا چھروں سرخ ہو گیا، اس کے منہ سے باہمی نکلنے لگا۔ آخر خدا خدا تکرے قہقہے نے دم توڑا، اس دوران انپکٹر کامران مرزا نے ایک بار پھر امتحنے کی گوشش کی، لیکن وہ پھر گر پڑے، شاید کالی آنچھ سے مقابلے میں ان کا جوڑ جوڑ دھیلا پڑا گیا تھا سیہ دیکھ کر فرزانہ کی بے تابی کی انتہا نہ رہی، وہ انپکٹر جیشید کی طرف دوڑی، وہ ابھی تک بے سدد پڑے تھے۔ اس نے انہیں جھینجھڑا دالا اور چلک کر بولی۔

اب آجانا ملھیئے... درستہ ہم پار جائیں گے، ہمارا ملک تباہ ہو جائے، تمام اسلامی ملک موت کی نیند سو جائیں گے..... ہم نے ان تین کاموں کو ختم بھی نہیں کیا، یہ حضور اس ایجاد کو پڑے چیانے سے پر بنا نے میں کامیاب ہو جائیں گے؛ وہ زور زور سے کہتی چلی گئی۔... تو گرے میں موت کا سامنا طاری ہو گیا۔ فرزانہ بھٹی پھٹی آنچھوں کا موش ہوئی تو گرے میں موت کا سامنا طاری ہو گیا۔ کیونکہ اگر وہ گر جاتے تو بازی جیتاں کے ہاتھ تھتی، کیونکہ وہ یہ بات محسوس کر چکے تھے کہ وہ کچھ کر دیں۔ جیتاں سے مقابلہ ان کے بس کا روگ نہیں تھا، اگرچہ اس صورت میں بھی انہیں زندگی کے آخری سانس

گونج احتیال، محمود اور فاروق نے فرزانہ کو اس طرح روتے کہ مجھی نہیں بیکا
مختا، اس کے آنسو انپکٹر جمیش کے چہرے پر گرنے لگے۔ اچانک
انہوں نے انپکٹر جمیش کے چہرے میں حرکت کے اشارہ دیکھے۔ یہ دیکھو
کر جیتاںل بری طرح چونکا اور بوکھلا کر انپکٹر جمیش کی طرف پکا۔
یہ دیکھ کر منور علی خان احتیال کر اس کے راستے میں آگئے۔

”نہیں دوست! پہلے انہیں بہوش میں آئینے دو۔
جیتاںل نے داییں پاہنچ کا ایک مکا ان کی محظوظی پر رسید کیا،
وہ اس کے کو پچاگئے اور جوش میں آکر سمجھ راس کی محظوظی پر رسید
کی، لیکن جیتاںل جھکائی دے گیا اور وہ اپنی ہی جھونک میں آگے
گرے۔ اتنی دیر میں جیتاںل انپکٹر جمیش کے سر پر پیغام چکا تھا۔
”یہ میراثکار ہے اور اس سے ہوش میں نہ آنے دینا میراحن ہے۔
اس نے بلند آواز میں کہا۔

”ہرگز نہیں! تم ایسا نہیں کر سکو گے، ابھی انپکٹر جمیش کے نئے موڑ
ہیں۔ فرزانہ گرج کر بولی اور انپکٹر جمیش کے اوپر چاگئی، محمود اور
فاروق بھی تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ آفتاب اور آصف جیتاںل
کی کمر پر پہنچ گئے۔

”پہلے قہقہیں پانچ دیواروں سے مکرنا ہو گا۔ پانچ نہیں دیواروں سے ر
محود سانپ کی طرح پھنکا را۔

جیتاںل نے مذاق اڑانے والے انداز میں انہیں دیکھا، زور سے

ہنسا اور چھر جو لا۔

”چھوپونی سمی.... پہلے میں تمہیں ہی گراوں گا۔

یہ کہ کر اس نے انپکٹر جمیش پر ہمکی ہوئی فرزانہ کو کھرتے پکڑا کر
ایک کھونے کی مانڈا اٹھایا اور سر کے اوپر سے پچھے کی طرف اچھال
دیا، لیکن اگر اس نے یہ سوچا تھا کہ فرزانہ دوسرے طرف کھڑے آفتاب
اور آصف پر جا گرے گی تو اس کا یہ خیال باکل غلط ثابت ہو گی،
فرزانہ نے پچھے کی طرف جاتے ہوئے جیتاںل کے بالوں کو پکڑ دیا،
جیتاںل کو ایک زور دار دھکا لگا، اور فرزانہ اس کی کمر سے اس
طرح ٹک گئی جیسے کسی دیوار سے ٹکی ہوئی رسی کو پکڑ کر تک
گئی ہو۔

”بہت خوب، فرزانہ! آفتاب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”خدا کے لیے، کوئی کام دکھاؤ، تعریف بعد میں کرتے رہنا۔ فرزانہ بولی
اتنی دیر میں جیتاںل نے جھلک کر ہاتھ پچھے کی طرف لے جا کر
فرزانہ کو گروں سے پکڑ دیا اور اسے اپنے سامنے کی طرف لے آیا،
گروں جو دبائی تو فرزانہ کے ہاتھ سے اس کے بال چھوٹ گئے۔ اب
اس نے فرزانہ کو ایک بازو سے پکڑ دیا اور اسے چکر دینے لگا،
محود، فاروق، آفتاب اور آصف کو فرزانہ کی ٹانگوں کی زد سے
بچنے کے لیے بوکھلا کر پچھے ہٹ جانا پڑا۔ پھر فاروق کو نہ جانے کیا
سوچی کہ اچانک زمین پر گرا اور فرزانہ کے چکر کھانے ہوئے جسم

کے نیچے سے ہوتا ہوا جیتال کی ٹانگوں تک پہنچ گیا۔ اس نے اس کی
ٹانگوں کو دونوں بازوں میں چکڑ لیا:
” یہ کیا رہے ہو؟ محمد چلایا۔

” تم بھی آجاؤ اور اس کا دوسرا ٹانکہ پکڑ لو۔

محمد نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور بھر بھی کیا۔ اب جیتال کے
لیے فرزانہ کو گھانا ممکن نہ رہا، فرزانہ کو ایک جھنکا لگا اور وہ جیتال
کے جسم سے ٹکرانی، اسے یوں لگا جیسے وہ پتھر کے بنے ہوئے جسم
سے ٹکرانی ہو۔ اب آفتاب اور آصف آگے بڑھے، آفتاب نے
اچھل کر جیتال کی گردن میں ٹاٹھ ڈال دیا اور اسیں کرنے لگا۔ رہ گیا
آصف، اس نے چکر لگایا چند قدم پہنچے۔ ست کر دوڑ کر جیتال کی
طرف آیا اور سر کی ٹکر اس کے پیٹ میں ماری۔۔۔ جیتال مخنوڑا
سہلا، اسی وقت انہوں نے ایک آدھہ سنی، یہ آواز سن کر انہوں
نے یوں محسوس کیا جیسے مردہ تنوں میں جان پڑ گئی ہو۔ جیسے صحراء کے
پیاسوں کیے سروں پر بادل اللہ آئے ہوں اور موسلا دھار بارش ہونے
لگی ہو۔ یہ آواز انپکٹر جیشید کی بختی اور انہوں نے کہا تھا:

” تم لوگ اسے چھوڑ کر پہنچے ہہٹ آؤ۔

” وہ تیزی سے مرٹے۔ انہوں نے دیکھا، انپکٹر جیشید کھڑے ہو چکے
تھے۔ ان کے چہرے پر ایک تھکی تھکی مسکراہٹ تھتی۔ ان کے بہت ہی:
” مجھے افسوس ہے، میں بے ہوش ہو گیا تھا، کامران مرزا کو کیا ہوا۔

” شاید وہ بہت تک گئے ہیں، انہوں نے کامی آنکھ کا کام نام کر
دیا ہے۔ محمد نے بتایا۔

” اوہ ہو۔۔۔ تو میر کامی آنکھ چل بے۔۔۔ انپکٹر جیشید کے منزے نکلا۔
” ہاں! لیکن اکیلا ہی تم لوگوں کے لیے کافی ہوں۔ جیتال نے کہا۔
محمد وغیرہ نے اب اسے چھوڑ دیا تھا۔ اچانک اس نے بھر پہنچے والا
گر آزمایا۔ ہوا میں اچھلا اور گویا تیرتا ہوا ان کی طرف چلا، انپکٹر
جیشید نے بھی اپنی جگہ سے ہٹنے کی گوشش نہیں کی، بلکہ جو سنی جیتال
ان کے قریب آیا، وہ یک دم پہنچے بیٹھ گئے اور دونوں ٹاٹھ کے ذریعے
اسے سر کے اوپر سے ووسری طرف اچھال دیا۔۔۔ کچھ تو اس کا اپنا
رخ اسی سمت میں تھا، کچھ ان کے ٹاٹھوں کا دھکا لگا، نتیجہ یہ
ہوا کہ وہ اور بھی تیزی سے دیوار کی طرف چلا اور ٹاٹھوں اور پیریوں کے
تین دیوار سے مکرایا، لیکن دوسری طرف چونکا دیستہ دala تھا، وہ فرش پر
گرتے ہی امڑھ کھڑا ہوا تھا اور اجھستے ہی بھراں کی طرف مرٹا اور وغیری
چھلانگ لکائی۔ اس بار انپکٹر جیشید پکڑنے کے اور اس کے ساتھ ہی گذشتہ
ہوتے ہوئے گر پڑے اب جیتال ان کے اوپر تھا اور وہ پہنچے اچانک
جیتال کے دوفون ٹاٹھ ان کے گلے پر سرک آئے:

” مخنوڑی دیر پہنچے انپکٹر کامران مرزا نے اسی طرح انکل کامی آنکھ
کو موٹ کے گھاٹ آمارا تھا، بالکل اسی طرح یہی تم سب کو ختم کر دیں
گا۔۔۔ جیتال نے کہا، لیکن اس کے الفاظ ابھی ختم ہی ہوتے تھے

کہ وہ اس طرح اچھلا جیسے اس کے نیچے پر زنگ لگے ہوں۔ ان سپکھ جشید نے اپنے ہاتھوں سے پورا زور لگا کر اسے اچھال دیا تھا، پھر جو نبی اس کے پیور فرش سے بلکرے، انہوں نے اس کی ٹانگیں پچڑا کر گھسیت لیں، وہ کر رکے بل فرش پر گرا اور سر کا پچھلا حصہ اس زور سے ملکرا یا کہ ناریل کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ فوزا بھی اس کی آنکھیں پھرا گئیں۔ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پر گئے۔

عین اسی وقت انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ سب نے چونک کر دروازے کی طرف نظریں اٹھا دیں۔

چار قیادی

انہوں نے دیکھا، آنے والے خان رحمان بتتے، وہ بڑی طرح اپنے رہے بتتے، آتے ہی بولے:

”جشید کسی لاپھیں اس جزرے کی طرف بڑھ رہی ہیں، شاید انہیں کسی طرح یہ معلوم ہو گیا ہے تک پانہ ملٹ چکا ہے، ہو سکتا ہے، انہوں نے داڑھیں پر رابطہ قائم کرنے کی گوشش کی ہو اور جواب نہ ملنے پر انہوں نے اس طرف لاپھیں روانہ کر دی ہوں۔“

”هزار بھی بات ہے، اس کا مطلب ہے، ہمیں فوراً لاپھوں پر سوال ہو جانا چاہیے۔“ ان سپکھ جشید پلاتے۔

”ہاں! ایک لمحے کی تاخیر بھی خطرناک ہو سکتی ہے۔“ خان رحمان نے کہا۔

” تو پھر بھاگو... منور علی خان آپ وہ ریڈیو اٹھا لیں، میں تینوں سائنس دافنوں کا کام تمام کر کے آتا ہوں...“ جیتال کو زندہ گرفتار کر کے ساتھ لے جانے کا ارادہ تھا، لیکن اب یہ ممکن نہیں بخیرالست بھی ختم کر دینا چاہیے۔ آپ لوگ شامل کی طرف دوڑ لگا دیں اور

و فیض داؤ بھتے۔ ان سے اس قدر تیز دوڑتے کی امید کی بھی نہیں
جا سکتی بھتی۔

جب وہ ساصل پر پہنچے تو پروفسر داؤڈ ان سے بہت پیچے رہ گئے تھے۔ ان پکڑ جو شد نے جیتاں کو پہنچے چینیکا اور چلا کے۔ آپ سب لوگ سوار ہوں، میں پروفیسر صاحب کوے کر آتا ہوں۔ یہ کہتے ہی وہ پروفیسر کی طرف دوڑے اور پھر انہوں نے اسہیں علی کذھ پر ٹالاں لیا اور ساصل کی طرف بھاگے۔ چند منٹ بعد وہ لاپچوں میں اپنے ملک کی طرف سفر کر رہے تھے۔ اسی وقت انہوں نے دیکھا، پائیں لانچیں ان کے تعاقب میں تھیں۔

ہمیں پیش گئیں ان کی طرف تاک وینی چاہیں، ایسا نہ ہو، وہ نزدیک پہنچ جائیں اور فائزگ شروع کر دیں۔ خان رحمن نے کہا۔ ان کی ہدایت پر عمل کیا گی، لاجپتوں کو اس وقت وہی چلا رہے تھے اور رفتار مسلسل رُجھا رہے تھے۔

• شاباش رحمان ! درمیانی غاصل کم نہ ہونے دیں، ہو سکے تو اسے
برداھاتے پڑے جاؤ ۔

”امید تو یہی ہے۔“
اچانک وہ ایک جزیرے کے قریب سے گزرے۔ اس کے ساحل

اچانک وہ ایک جزیرے کے قریب سے گزرے۔ اس کے ساحل پر ایک آدمی کھڑا کپڑا زور زور سے ہلا رہا تھا اور مدد چلنا رہ تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہوں نے دیکھا، یہ وہی جزیرہ تھا

اور ہاں ... کامران مرزا کیا آپ دور سکتے ہیں ؟
 " ہاں ! آپ فخر نہ کریں ۔
 ۔ تو پھر چل دیجئے ۔

یہ کہہ کر انہوں نے ایک سینٹن گن اٹھائی اور تینوں سائنس داون پر فارم کھوول دیا۔ اس کے بعد انہوں نے جیتاں کی طرف رجح موزا اور فائزگ شر درع کروی ... لیکن پھر اچانک انہیں یاد آیا۔ ٹینٹن گن کی گویاں تو ان کا کچھ بھی نہیں لگاڑ سکتیں تھیں۔

*اُدھِ! ان لوگوں کو ساہنے لے جانا ہو گا۔
”تو کل تھا..... سمجھ اپنے اپنے“ کے بعد

" محمود اریڈلیو تم پکھا تو
+ جی اجھا"

انپکڑ جمیش نے تیزی سے جھک کر جیتاں کو کندھے پہ اٹھا یا اور
بجاگ کھڑے ہوئے۔ کامران مژا، منور علی خاں اور خان رحمان نے ایک
ایک سائنس وان کو اٹھا لیا۔ اتنے میں محمود ریڈیو اٹھا چکا تھا۔ اب
سب بے تحاشہ ساحل کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ اس طرح دوڑ رہے
تھے جیسے انہیں پر لگ گئے ہوں۔ اگرچہ ایک ایک آدمی کو اٹھاتے
تھتے۔ محمود فاروقی دعیو تو خیر خالی تھتے، لیکن اس کے باوجود وہ انپکڑ
جمیش اور انپکڑ کامران مژا سے آگے نہ نکل سکے، البتہ انہوں نے خان
رحمان اور منور علی خاں کو ضرور پچھے چھوڑ دیا تھا۔ سب سے پچھے

جس کا نام روحوں کا جزیرہ بتایا گی تھا۔ فوراً ہی انہوں نے اس آدمی کو پہچان لیا، یہ دہی جھوٹا تھا جس کے ذریعے انہیں بچانا گیا تھا۔

"ہمیں ایسے غداروں کی ضرورت نہیں، اس کی سزا یہی ہے کہ یہ اس جزیرے پر تراپ تراپ کر مرجائے۔ انپرہ جشید نے فُرُت سے ہونٹ سکوٹ۔

اور چھرخان رحمان کی مہارت کے وہ سب قائل ہو گئے، درمیانی فاصلہ بھی بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ اپنے ملک کی حد میں داخل ہو گئے۔ ان کے چھروں پر رونق لوٹ آئی، چار قیدیوں کے ساتھ وہ اپنیزی سے اپنے ملک کے ساعل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ابجاں! کیا آپ پچ پچ بے ہوش ہو گئے تھے؟ فرزانہ نے سکون کا سانس لیتے ہوئے بعد زبان کھولی۔

"تو کیا تمہارے خیال میں میں مجھوٹ موٹ کا بے ہوش تھا۔ وہ بولے۔

"ہم تو بہت یتیک یہی سمجھتے رہے کہ آپ جان بوجھ کر بے ہوش ہو گئے ہیں، لیکن جب جیتاں آپ کی طرف بڑھا اور آپ چھر بھی نہ ایٹھے تو اس وقت ہم نے یہ یقین کر لیا کہ آپ پچ پچ بے ہوش ہیں د محمود نے کہا۔

"خیر! خدا کا شکر ہے کہ تم نے یہ یقین کر لیا۔ وہ مسکرائے۔

"مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا کہ ہم جیتاں اور کافی آنکھ کو شکست دیتے اور ایجاد و اپس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گے ہیں۔ فرزانہ نے کہا۔

"تو یقین یقین کرنے کے لیے کہہ بھی کون رہا ہے؟ شوق سے یقین نہ کرو، ہمیں تمہارے یقین کی اپسی ضرورت بھی نہیں۔ فاروق نے منہ بناؤ کر کہا۔

"تر جل بھجن کیبوں رہے ہو، کیا کوئی ہونے کا ارادہ ہے؟

"کوئی ہوں ہمارے وہمن ہے۔" "دہ تو خیر ہو رہی چکے ہیں.... لیکن اس کیس میں ایک قابل ذکر بات رہ گئی ہے جس کا علم میرے سوا کسی کو نہیں۔ پروفیسر داؤڈ کی بات سن کر سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"یا اللہ رحم..... انکل وہ خاص بات خیریت کی تو ہے نا۔"

"ہاں! بکر خوشی کی بھی ہے۔"

"بھی داہ! چھر تو صلبی بتائیے؟"

"پہلے یہ یقین کر لینا چاہیے کہ جیتاں ہوش میں تو نہیں ہے۔ پروفیسر داؤڈ بولے۔

جیتاں کو انہوں نے رسیوں سے جکڑ رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں، لیکن یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہوش میں ہے یا بے ہوش؟

”محترمے نکل میں اس کے دونوں کانوں میں انگلیاں مٹونس
دوں۔“ فاروق نے نئی ترکیب بنائی اور وہ مسکراتے گے۔
”کیوں نہ ہم ان لوگوں کو سمندر کی نذر کروں۔“ خان رحمان نے
تجویز پیش کی۔

”تھیں! ہم انہیں اپنے ملک سے جاتیں گے۔ دینا کو ہم جب
یہ کمانی سنائیں گے تو دشمن ملک اسے ایک بالکل محبوبی کمانی بنائے گا۔
لیکن ہم ثبور کے طور پر جیتاں اور ان تینوں سامنسے والوں کو
پیش کریں گے، ہاں فاروق...“ تمہاری ترکیب قبہ ہے، تم واقعی اس
کے کانوں میں انگلیاں مٹونس دو، تاکہ یہ کچھ نہ سکے۔

”لیکن ابا جان، اس طرح تو چھ اور انگلیوں کی ضرورت ہو گی،
کیونکہ یعنی اور سامنسے والان بھی تو ہمارے قیدی ہیں۔“ فاروق بولا۔
”تو کیا ہوا، فرزانہ، محمود اور اصف کی انگلیاں کس دن کام آئیں
گی؟“ انپکڑ جشید نے ہنس کر کہا۔

”لیکن انکل میں اپنی انگلیوں کا کیا کروں؟“ آفتاب بولا۔
”تم انہیں اپنے کانوں میں مٹونس لو۔“ فاروق بولا۔
”کیوں؟“ تمہارے کان کماں گئے۔“ آفتاب نے کہا۔
”ایک دوسرے کے کانوں کے پیچے باختہ دھو کر پڑتے ہے۔“
”ایک دوسرے کے کانوں کے پیچے باختہ دھو کر پڑتے ہے سے یہ
بہتر ہے کہ چاروں قیدیوں کے کانوں کے پیچے پڑ جاؤ۔“ انپکڑ کامن
مرزا مسکرائے۔

اور پھر انہوں نے دو تھی اپنی انگلیاں ان کے کانوں میں اچھی طرح
ٹھوں دیں.... پھر پروفیسر داؤڈ نے دبے لیجے میں کہا:

”پروفیسر انداک جاہ نے مجھے جو خط لکھا تھا، دراصل وہ ایک خط
نہیں تھا۔ ان کی آواز میں شوغفی تھی۔“

”بھی خط نہیں تھا، تو کیا وہ کوئی بھی تھا، مگر انکل ہم نے آج
تلک کاغذ کے بھی نہیں دیکھئے۔“ فاروق بولا۔

”یاد بات بھی تو ساتھ رہو، ادھر ادھر کی ہانگھے لگ جاتے ہوئے۔“
”در اصل وہ خط اس ایجاد کا فارمولہ ہے۔“

”کیا؟“ وہ ایک ساتھ چلائے، کیونکہ انہوں نے خط اپنی انگلیوں
سے پڑھا تھا۔

”لیکن پروفیسر صاحب! اس خط کے الفاظ تو مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔“
”در اصل وہ الفاظ تو دشمنوں کو دھوکا دینے کے لیے مختہ، تاکہ

اگر خط دشمنوں کے ہاتھوں میں لگ بھی جائے تو انہیں کچھ پتا نہ چلے،
حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ایک خفیہ روشنائی سے اس کاغذ پر اس

ایجاد کا فارمولہ لکھ دیا تھا، اس روشنائی کے باہرے میں ایک بارپتے
ہی انہوں نے مجھے اہلائع دے دی تھی، چنانچہ اپنی کھلٹی میں جب میں
نہ سارہ گیا اور تم لوگ جیتاں سے بنت رہے تھے تو میں وہ تحریر پڑھ
چکا تھا، سرمئی رنگ کا چشمہ لگا کر وہ تحریر بالکل صاف نظر آ جاتی ہے تے

نے بوکھلا کر کہا۔

“ فخر نہ کرو، ہم بھی اپنی زبانوں سے انہیں تیگتی کا ناچار سچا دیں گے، بلکہ تیگتی کا دودھریا دلا دیں گے، دن میں تارے دکھا دیں گے.... فاروق کہتا چلا گی۔

“ لیکن اس وقت تورات ہے اور تارے پہنچے ہیں۔ نکل چکے ہیں۔ آفتاب نے کہا۔

“ یہ تو اور بھی ابھی بات ہے، تارے دکھانے کے لیے ہمیں کوئی محنت نہیں کرنا پڑے گی۔

وہ مسکراتے لگے.... رات کی تاریخی میں لاپچ کے انجن کی آواز ان کے کافلوں میں گونج رہی تھی۔

” ادھ! ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گے۔

ساحل اب لمحہ بہ لمحہ نزدیک آ رہا تھا۔ دشمنوں کی لاچیں ان کی نظروں سے اوچھل ہو گئی۔ تھیں، شاید وہ لوگ مایوس ہو کر لوٹ گئے تھے۔ ایسے میں فاروق نے کہا:

“ جیرال کے بعد اس کا دوست کالی آنکھ بھی دوسری دنیا میں پہنچ چکا ہے، ایک چیتال رہ گی ہے.... وہ بھی ہمارے قبضے میں ہے.... کیوں نہ اس نجاشی میں انکل کامران مرزا، آفتاب، اصف اور انکل منور علی خان چند دن ہمارے ہاں مجاہد رہیں۔

“ بھئی مجاہد رہنے میں تو کوئی حرج نہیں، لیکن مجھے تم دونوں کی زبانوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ انپکھر کامران مرزا مسکراتے۔

“ ڈر نے کی ضرورت نہیں انکل.... ہم اپنی زبانوں کو تالے لگا دیں گے۔ فاروق نے کہا۔

“ لیکن کونتے.... کسی زمانے میں تو علی گڑاہ کے تالے مشور تھے، لیکن اب وہ کہاں تھے فرزانہ بولی۔

“ اب چالنا کے تالے مشور ہیں...” فاروق نے منہ بنایا۔

“ میرے خیال میں تو آج تک دنیا کی کوئی تالا ساز نیکڑا ایسا تار ایجاد نہیں کر سکی جو تم دونوں زبانوں کو غاموش کر سکے۔ محمود بولا۔

“ بالکل تھیک کہا محمود تم نے:

“ بھئی یہ لوگ تو ہماری زبانوں کے پیچے ہی پڑ گئے ہیں.... آفتاب۔